اسلامی اصولِ تحقیق



پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ایل ایل ایم - ڈاکٹریٹ
ڈین فیکلٹی عربی وعلوم اسلامیہ - علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ادبیات

اسلامی اصول تحقیق

کتاب کا نام	اسلامی اصول تحقیق
مصنف	پروفیسر ڈاکٹر باقر خان خاکوانی
ناشر	عمار وحید سلیمانی
مطبع	آر۔آر۔ پرنٹرز۔ لاہور
طبع دوم	مئی ۲۰۱۵ء
تعداد	۱۱۰۰
قیمت	-/۳۵۰ روپے

شائع کردہ

ادبیات

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فون: 042-37361408, 042-37232788

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

دست یابی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788

042-37361408 E-mail: Idarasulemani@yahoo.com

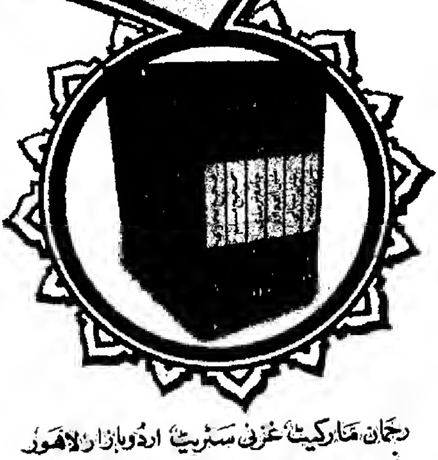
sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

www.facebook.com/sulemani5

برصغیر میں اپنے موضوع پر شائع ہونے والی پہلی کتاب

اسلامی اصولِ تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ایل ایل ایم۔ ڈاکٹریٹ
ڈین فیکلٹی عربی و علوم اسلامیہ۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد



ادبیات
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37361408, 042-37232788
E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk
facebook.com/idarasulemani

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

چوتھا باب

تحقیق کی اقسام اور اصول تحقیق کی اہم کتب

تحقیق کی اقسام

پانچواں باب

اسلامی اصول تحقیق میں موضوع تحقیق یا مقالہ کے عنوان کا انتخاب

ساتواں باب

مقالہ کے لازمی عناصر (مشمولات)، مراحل اور مراجع و مصادر کی اہمیت

آٹھواں باب

مقالہ میں اقتباسات، حواشی وحوالہ نگاری کی اہمیت، رسمیات مقالہ اور بہترین مقالہ کی خصوصیات

مقدمہ

الحمد للہ و کفی والصلاۃ والسلام علی نبیہ محمدن المصطفی

تحقیق کی حقیقت:

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بھی مروج ہے۔ اس کے حروف اصلیہ اور مادہ (ح۔ق۔ق) ہے۔ یہ لفظ اِسی مادہ سے باب تفصیل کا صیغہ ہے۔ اِس کے لغوی معنی ہیں ''حق کا ثبوت'' اصطلاح میں تحقیق حقیقت بیان کرنے کا فن اور طلب حق اور سچائی کی تلاش کو قوت ارادی کے ساتھ جاری رکھنے کے عمل کا نام ہے۔ مزید واقعاتی حقائق کا جائزہ لینے اور اُن کے اثرات معلوم کرنے کا نام بھی تحقیق ہے۔ تحقیق قدیم ہو یا جدید مثبت جذبوں کی شدت وفراوانی سے جلا پاتی ہے۔ تحقیق ابدی حقائق کی تلاش کا نام بھی ہے، یہ حقائق قدیم بھی ہو سکتے ہیں اور جدید بھی۔ بسا اوقات تحقیق قدیم حقائق کی جدید رنگ یا نئے انداز میں پیش کش کا نام بھی ہے۔ گویا کہ زندگی کے تمام امور میں انسان کو درپیش مسائل کا کوشش، جستجو اور حالات وواقعات کی چھان بین کے بعد اُس زمانہ کے تقاضوں کے مطابق حل تلاش کرنا یا بنی نوع انسان کو جدید سہولیات مہیا کرنا تحقیق ہے۔ تحقیق کے بارے میں یہ بات بہت اہم ہے کہ یہ حقائق کی تلاش کا نام ہے کسی دیوانہ پن، ماورائی علم یا مالیخولیائی انداز کا نام نہیں۔

اسلامی اصول تحقیق کی بنیادیں اور انسانی علوم کی حقیقت:

مسلم اہل علم کے نزدیک ایک انسانی علم وہ ہے جس کا مظہر اُس استعداد کی نشوونما کا نتیجہ ہے جو اُس کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا . (البقرة:31)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے۔ بنی نوع انسان میں یہ علم کامل واکمل نہیں۔ اس علم کی نشو و نما اتمام کو نہیں پہنچتی۔ اس علم کے نقص کو دور کرنے اور اِسے مکمل کرنے کے لئے ایک اور علم جس کا نام علم بالوحی ہے سے بھی انسان کو نوازا گیا جس کے بارے میں وارد ہے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی (طٰه:123)

جو کوئی میری اِس ہدایت (علم بالوحی) کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدبختی میں مبتلاء ہوگا۔

ابتداء انسانیت سے دور حاضر تک انسانی علوم کی تاریخ اِس بات پر گواہ ہے جس دور میں بھی بنی نوع انسان کے اہل علم حضرات نے اِن دونوں ذرائع (عقل اور وحی) کے مطابق تحقیقی عمل جاری رکھا دنیا ارضی امن، سکون، پریم، مودت، رحمت اور پیار کا نمونہ بنی رہی۔ لیکن جس دور میں بھی علم بالوحی کی ہدایت کے بغیر تحقیقی عمل کی نشو و نما ہوئی تو ظلم آئین حیات بن گیا، عیاشی اور اُباشی تہذیب کہلانے لگی، عصمت و پاکیزگی کا تصور باقی نہ رہا گناہوں کی طرف رغبت عام ہوئی اور گناہوں کے اضطراب کی وجہ سے خودکشیوں کے تمدن نے رواج پایا۔ اُخروی زندگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے اخلاقیات کا خاتمہ ہوا۔ تحقیقی عمل کا کوئی مقصد متعین نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں عالمگیر جنگیں ہوئیں اور رنگ و خون کی عصبیت نے انسانیت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اسلامی اصول تحقیق کی بنیاد عقل اور وحی دونوں پر ہے اِس لئے اسلام نے دنیا کو بہت کچھ دیا۔ اسلامی اصول تحقیق کے مطابق مسلمانوں نے ایسے علوم کی بنیاد رکھی جنہوں نے انسانی اقدار کو زندہ کیا۔ سیاست کو خدمت کا مترادف بنایا۔ اور دنیا کو ایسے بادشاہ دیئے جو عرب و عجم کے مالک تھے لیکن خاک پہ سوتے، کھدڑ پہنتے، ستو کھاتے اور اللہ تعالیٰ کی خوف کی وجہ سے رعیت کے سامنے رو پڑتے تھے۔ غریبوں کو امیروں کی کمائی میں شامل

کیا۔ دولت جمع کرنے سے روکا۔ رنگ و نسب کے امتیازات کو مٹایا۔ رُوح و مادہ اور دین و دنیا کو ایک ہی حقیقت کے دو رُخ قرار دیا۔ عشق کو ہمسفرِ علم بنایا۔ تمام جبلی جذبات مثلاً جنس، غصہ، خواہش، محبت، نفرت وغیرہ کو انسانی فطرت قرار دے کر اِن کو چند حدود کا پابند کر کے اِن پر فطری قیود لگائیں تا کہ نظامِ معاشرہ میں خلل واقع نہ ہو۔ موت کے بعد ایک ابدی زندگی کا واضح اور ٹھوس تصور دیا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ بنی نوع انسان کو دینوی و اُخروی سکون، کامیابی اور ترقی حاصل کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ کی صورت میں ایک رول ماڈل (اسوہ حسنہ) دیا اور توحید کا واضح، ٹھوس، ابدی اور جان دار تصور دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا کو انسانی زندگی کی آخری منزل قرار دیا۔

مسلمانوں کے تحقیقی کارناموں کا تقابلی جائزہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحقیق ایک قدیم فن ہے اور اصولِ تحقیق کی بازگشت ہمیں زمانہ قبل از تاریخ، یونانی دور، مصری دور، رومی دور اور مختلف ادوار میں ملتی ہے لیکن یہ بھی ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ تحقیق اور اصولِ تحقیق کو حقیقی زندگی عطاء کرنے اور جلاء بخشنے والی قوم صرف اور صرف مسلمان تھی اور ہے۔ دنیا میں دورِ حاضر یا دورِ قدیم کے تمام الہامی و غیر الہامی مذاہب اور انسانی نظریات کا مطالعہ کر لیں آپ کو کسی میں بھی علمی دنیا کی آب یاری اور تحقیق اصولوں کی پاسداری کا وہ منظر نظر نہیں آئے گا جو مسلمانوں میں ابتداء سے اب تک موجود ہے۔

تمام مسلمان اہلِ علم کے نزدیک قرآن مجید سرورِ دو عالم محمد ﷺ کی تعلیمات و سیرت کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ تمام انبیاء کی شرائع کا جامع۔ آخری وحی کا مکمل ایڈیشن اور انسانی عظمت و فلاح کا ضامن۔ صحابہؓ اور بعد کے مسلمانوں نے اسے ہاتھ میں لیا اور اسی برس کی قلیل مدت میں ملتان سے جنوبی فرانس تک سوا کروڑ مربع میل پر چھا گئے۔ اور ایک ہزار برس تک علمی و تحقیقی میدان اور تہذیب و سیاست میں دنیا کی راہ نمائی کرتے

رہے۔ انہوں نے اِیسے علومِ نافع کی بنیاد رکھی جنہوں نے جاہل اور وحشی لوگوں کو انسانی خصائل سکھائے۔ ملکوں کو آباد کیا۔ ہزاروں درس گاہیں قائم کیں۔ نہریں نکالیں، کارخانے لگائے۔ اور جا بجا مدارس، جامعات اور دارلکتب قائم کیے۔ بقول ڈاکٹر ڈریپر (معرکہ مذہب و سائنس) قرطبہ میں مسلمانوں نے بہتر لائبریریاں قائم کی تھیں۔ ان میں سے ایک الحکم لائبریری تھی جس میں چھ لاکھ کتابیں تھی۔ اس کی فہرست ۴۵ جلدوں میں تھی۔ جو آج بھی میڈرڈ کی اسٹلوریل لائبریری میں محفوظ ہے۔ الحکم اندلس کا اموی خلیفہ تھا جو ۷۹۶ سے ۸۲۲ عیسوی تک حکمران رہا۔

اس دور میں عیسائیوں کی چار مذہبی سلطنتیں دنیا میں موجود تھیں۔ رُومہ، جرمنی، فرانس اور برطانیہ۔ رومہ کے اہلِ قلم نے اپنے آغاز سے زوال تک ۱۲۰۰ برس میں تقریباً ساٹھ، جرمنی نے اس عرصہ میں پچاس۔ فرانس نے پندرہ اور برطانیہ نے کوئی چالیس کتابیں لکھی تھیں۔ دوسری طرف مسلمانوں نے اپنے اصولِ تحقیق کے مطابق کتابیں لکھ لکھ کر دنیا کے کتب خانے بھر دیئے تھے۔ ابن الندیم کی الفہرست حاجی خلیفہ کی کشف الظنون یاقوت حموی کی معجم الادباء القفطی کی تاریخ الحکماء اور ابن الفوطی کی معجم الالقاب، جو کبھی پچاس جلدوں میں چھپی تھی، کے مطالعہ سے ہم اپنے اسلاف کے علمی کارناموں کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں ہم نے طرابلس (لیبیا) میں تین لاکھ کتابوں کی ایک عظیم لائبریری قائم کی تھی۔ جسے ایک صلیبی لشکر نے جلا دیا تھا۔ (معرکہ مذہب و سائنس ص ۱۵۰) جب ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں نے بغداد کو تباہ کرنے کے بعد دریائے دجلہ کو عبور کرنا چاہا تو کتابوں کی بے شمار گٹھڑیاں دریا میں پھینک دیں۔ ہزاروں بہہ گئیں اور جو تہہ میں بیٹھ گئیں اُن سے ایک پشتہ بن گیا۔ جس پر چل کر ہلاکو خان کی فوجیں پار نکل گئیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ ایک حقیقت ہے کہ امام غزالی (۱۱۱۱ء) کے قلم سے دو سو کتابیں نکلی تھیں۔ ابن العربی (۱۲۴۰ء) نے اڑھائی سو امامِ ابن تیمیہ (۱۳۲۸ء) نے ۵۳۹ جلال الدین سیوطی (۱۵۰۶ء) نے ساڑھے پانچ سو، اور ابن طولون دمشقی (۱۵۴۶ء) نے ساڑھے سات سو

کتابیں لکھی تھیں۔(1)

درخت اپنے پھل اور پھول اپنے رنگ و خوشبو سے پہچانا جاتا ہے۔حضورؐ کے اثر سے حضرت صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسینؓ، خدیجہؓ، عائشہؓ اور فاطمہؓ جیسے مقدسین۔ ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ جیسے قانون دان۔ سینا، فارابی، الکندی اور البیرونی جیسے سائنس دان۔ ابن طفیل، رازی اور رُومی جیسے فلسفی۔ ابن خلدون، ابن سعد، ابن اثیر، اور طبری جیسے مؤرخین۔ اور امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، عینی، ابنِ حجر اور انور شاہ کشمیری جیسے محدّثین پیدا ہوئے تھے۔ دوسری طرف مغرب نے اہل قلم تو بے شمار پیدا کیے لیکن اخلاقی دیوالیہ پن کی یہ کیفیت کہ پچھلے ہزار برس میں مغرب ایک جنید، ایک بایزید، ایک اجمیری ایک مجدّد الف ثانی، ایک شاہ ولی اللہ اور ایک بھی علی ہجویری پیدا نہ کر سکا۔ تہذیب مغرب کے علمی و تحقیقی کوششوں کی تخلیق یہ کروڑوں غلیظ ہپی، لاتعداد کنواری مائیں، کروڑوں ناجائز بچے اور ہائی جیکرز ہیں۔ کیا ہماری نئی نسل اِس قسم کے علم اور اسی تہذیب پہ جان چھڑک رہی ہے۔ اور اپنی علمی وراثت، اپنے اصول تحقیق، اپنی تہذیب، اپنی کتاب، اپنے رسولؐ اور اپنے عظیم نظام حیات پر اعتراض کر رہی ہے۔

مسلمانوں کے علمی دنیا میں تین طریقِ کار:

مسلمانوں نے علمی دنیا میں تین قسم کے اہم امور سرانجام دیئے ہیں۔

۱۔ لاتعداد اور بحر بے کنار کی مانند اُن نئے علوم کی بنیاد رکھی جو ابتداء انسانیت سے ظہور اسلام تک دنیا میں نہیں تھے۔ مثلاً علم تفسیر و اصول تفسیر، علم حدیث و اصول حدیث، علم فقہ و اصول فقہ، علم الکلام، علم العقائد، علم اسماء الرجال، علم تاریخ، علم تصوف، علم الاسماء والصفات، علم الجدل والمناظرہ اور متعدد لغوی، ادبی اور تمدنی علوم،

۲۔ وہ علم جو مسلمانوں سے پہلے مختلف اقوام میں متداول تھے چاہے اُن کا تعلق بنیادی سائنس سے تھا یا قدرتی سائنس، معاشرتی سائنس، لسانیاتی سائنس یا کسی اور قسم

سے اُن کا اسلامی اصول تحقیق کی روشنی میں مطالعہ کیا اور اُن سے غیر اسلامی مواد نکال کر اُن کی قرآنی ہدایات کے مطابق اِس طرح تطہیر کی وہ بھی اسلامی علوم شمار ہونے لگے۔جس طرح سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں۔

فلسفیانہ علوم میں اسلامی طریق کار:

''اہل یونان کسی شریعت الٰہی سے مشرف نہ تھے،اس لیے وہ نبوت،خواص نبوت، وحی، الہام اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن رشد نے تہافتہ التہافتہ میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جابجا لکھا ہے، مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے۔لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی عام تصنیفات ناپید ہیں، کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے، اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریے قائم کیے، چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص الحکم میں نبوت اور خواصِ نبوت کے متعلق قرآن اور حدیث کی تعلیمات کے مطابق عقائدی مباحث اور اِس قسم کے مزید خیالات ظاہر کیے ہیں۔

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ابن سینا اور ابن مسکویہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں، اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوت کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی ورازی کی تصنیفات سے ان ہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔''(2)

اِسی طرح مولانا مودودی کی رائے میں اسلامی تحریک جب دنیا میں اُٹھی تھی اس وقت مسلمانوں نے دوسری قوموں پر محض سیاسی یا فوجی غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمان بھی اس وقت ایسے تھے جو تحقیقات کا کام کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔جنہوں نے علمی میدان میں نہ صرف یہ کہ زیادہ سے زیادہ معلومات

حاصل کرنے کی کوشش کی بلکہ ان معلومات کو اپنے تحقیقی نقطہ نظر، اپنے طرز فکر اور اپنے عقیدے کے مطابق مرتب کیا۔ چنانچہ ایک ایسی غالب تہذیب اس کی بدولت وجود میں آئی جس کے رنگ میں دنیا رنگتی چلی گئی۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے فن طب کو دوسری قوموں سے لیا لیکن اُس کو اسلامی اصول تحقیق کے مطابق اس طرح سے مرتب کیا کہ طبی کتابوں کو پڑھئے تو معلوم ہو گا کہ یہ ایک عقیدہ رکھنے والی کسی قوم کی کتابیں ہیں۔ آغاز خدائی حمد سے کریں گے، دوائیں اس طرح سے منتخب کریں گے کہ اس کے اندر حرام اجزاء شامل نہ ہوں حلال چیزوں سے نسخے مرتب کریں گے، جگہ جگہ بیچ میں بیان اس طرح سے کریں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے ان دواؤں کے اصلی خواص ذاتی نہیں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں بیماریوں کی شفاء اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے اور ان دواؤں کا کارگر ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی بدولت ہے۔ نبض پر ہاتھ رکھیں گے تو ''بسم اللہ'' کہہ کر رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے کہ وہ رہنمائی فرمائے یہ ساری چیزیں کیا ہیں؟ فی الحقیقت وہی فن تھا اور وہی معلومات تھیں جو دنیا کا کوئی طبیب فراہم کرے گا لیکن ان سب کو اپنی ذہنیت کے مطابق اپنے اصول تحقیق، اپنے عقیدے اور اس طرز فکر کے مطابق انہوں نے ڈھالا۔(3)

فلسفیانہ علوم کے علاوہ سائنسی علوم میں بھی مسلمانوں نے یہی طریقہ اپنایا جو کچھ اس طرح ہے:

سائنسی میدان میں اسلامی طریق کار:

مسلم سائنسدانوں نے بھی مختلف اقوام سے متعدد سائنسی علوم حاصل کئے اور اُن کو اسلامی تعلیمات کے قالب میں ڈھال دیا مثلاً مشہور مسلم سائنسدان ابن الہیثم کے نزدیک تجربات ومشاہدات اور تحقیق کے دوسرے مراحل سے گزرنے کے بعد بھی کسی حقیقت کا

منکشف ہو جانا یقینی نہیں ہوتا بلکہ متوقع ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

ولعلنا ننتهي بهذا الطريق الى الحق.

ہوسکتا ہے کہ ہم اس طریقے سے صحیح بات تک پہنچ جائیں۔

انسانی حواس اور عقل کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے ابن الہیثم سائنسی تحقیقات و نظریات میں غلطی کے امکان کو تسلیم کرتا ہے اور اللہ سے جو کہ علم و ہدایت کا منبع ہے مدد کا خواستگار ہے چنانچہ اس نے کہا ہے:

وما نحن مع جميع ذالك برآ ممافي طبعية الانسان من كدرا البشرية ولٰكنا نجتهد بقدر ما هو لنامن القوة الانسانية ومن الله نستمد العون في جميع الامور. (4)

اور اس پوری تحقیق و تلاش کے باوجود طبیعت انسانی کی بشری کمزوریوں سے ہم بری نہیں ہیں لیکن ہم بقدر قوت انسانی جدوجہد کرتے ہیں اور اللہ سے جملہ اُمور میں مدد کے خواستگار ہیں۔

۳۔ علمی میدان میں مسلمانوں نے دینی و دنیوی علوم کے فرق کو بالکل ختم کر کے تمام علوم کے ذریعہ بنی نوع انسان کو نفع دینے کی شرط لگا کر اُن کو علوم نافعہ کی فہرست میں شامل کر دیا۔ اس طرح ہر علمی میدان کی تحقیق، محقق کے لئے عبادت کا درجہ حاصل کر گئی۔ یعنی بیک وقت دنیوی سرخروئی اور اُخروی نجات کا باعث بن گئی۔ اگر ایک صاحب علم قرآن مجید کی نئے تحقیقی انداز میں تفسیر لکھ رہا ہے اور دوسرا صاحب علم مسلمان فوجوں کو جدید اسلحہ مہیا کرنے کے لئے تحقیق کر رہا ہے تو دونوں کا یہ تحقیقی عمل عبادت ہے۔ اِس طرح دین اور دنیا کے فرق کو مٹا کر تحقیقی میدانوں کو عظیم وسعت عطا کر دی۔

علمی دنیا میں اسلام کا طرۂ امتیاز:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے نبی آنحضرت محمد ﷺ نے ''انما بعثت معلما'' کہ کر اپنے لئے ''معلم'' کا لقب پسند فرمایا۔ حضور ﷺ کی اپنی تعلیم کا آغاز حکم ''اقراء'' سے ہوا۔ وہ ''اقراء'' جس کے نتائج کو ''سنقرئک فلاتنسی'' کا تحفظ حاصل تھا۔ آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب کی ابتداء ہی قلم اور نشر وحفظِ علم کے باہمی تعلق اور انسان کے نامعلوم علوم کے لئے قابل تعلیم ہونے کی حقیقت کے انکشاف سے ہوا۔

آپؐ نے علم کو اپنا ہتھیار کہا (والعلم سلاحی) اور آپؐ کا ''معلم'' ہونا ہی ''دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحا'' کا مکمل ظہور تھا اول الذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تو قرآن میں مذکور ہے۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو اعَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ. (البقرہ ۱۲۹)

ترجمہ: ''اور اے رب، اِن لوگوں میں خود اِنہی کی قوم سے ایک رسول اُٹھائیو، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مُقتَدِر اور حکیم ہے''۔

اور نوید مسیحا کا ذکر یوحنا کی انجیل کے ۱۶ ویں باب میں یوں ہوا ہے۔

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بقیہ علوم اسلامیہ کی طرح اسلامی اصول تحقیق کی بنیاد بھی قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ ہے۔ اس سے یہ بات بھی لازم نہیں آتی کہ مسلمانوں نے تمام تحقیقی اصول خود بنائے ہیں بلکہ مسلمانوں نے اِس فن تحقیق کے بعض اصولوں کو سابقہ قوموں سے لے کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اس طرح صیقل کیا کہ

سابقہ اقوام اور مسلمانوں کے اصول تحقیق میں زمین اور آسمان کی طرح واضح فرق نظر آنے لگا اور اب تک نظر آتا ہے۔

کیا حدیث کے میدان میں امام بخاری کے اصول تحقیق کی مثال کوئی مذہب یا نظریہ پیش کر سکتا ہے؟ فقہ کے میدان میں امام ابو حنیفہ کے تحقیقی اصولوں کی نظیر ادیان سابقہ یا دور جدیہ کا کوئی نظریہ لا سکتا ہے؟ سیرہ النبی ﷺ کے میدان میں ابن اسحاق کے محققانہ اصول آج تک اقوام عالم کے لئے چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد پندرہ صدیاں گزر گئیں مگر کسی ایک انسان کی سوانح حیات بھی اُن اصولوں کے مطابق مرتب ہو سکی اور نہ ہو سکے گی۔ اِسی طرح علم تفسیر، علم تاریخ، علم تقابل ادیان اور تمام علوم کی پہلے تحقیقی بنیادیں قائم کی گئیں اور بعد میں اُن علوم کی باقاعدہ تدوین و تالیف ہوئی۔ مسلمانوں نے اِن خالص دینی علوم کے علاوہ بقیہ معاشرتی و سائنسی علوم کے اصول تحقیق بھی خود نئے اسلامی خطوط پر استوار کئے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

اسلامی اصولِ تحقیق کا تاریخی جائزہ:

622ء میں اسلامی حکومت کا جب آغاز ہوا تو شروع شروع میں تعلیم زبانی ہوتی تھی۔ بنی اُمیہ کے آخری زمانے سے کتابوں کے لکھنے کا کام شروع ہو گیا لیکن تحقیقی بنیادوں پر تصنیف و تالیف کا کام بنی عباس کے زمانے میں پورے زور و شور سے شروع ہوا۔ مسلمان علما نے دور نبوی ﷺ اور دور خلفاء راشدین کے علمی و تحقیقی سرمایہ کو مدنظر رکھ کر اپنے تحقیقی اصول وضع کرنے کے بعد سب سے پہلے دینی علوم کی طرف توجہ کی۔ قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں۔ آنحضرت ﷺ کے احکام اور باتیں جو حدیث کہلاتی ہیں جمع کیں۔ پھر فقہ کی کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ جب کوئی نیا مسئلہ پیش آئے تو قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس کو کس طرح حل کیا جائے۔ فقہ کے عالم کو فقیہہ اور حدیث کے عالم کو محدّث کہا جاتا ہے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ تاریخ ادب اور شاعری پر بھی

کتابیں لکھی گئیں اور آخر میں فلسفہ، ہیئت، ریاضی اور طبّ وغیرہ پر کتابیں لکھیں گئیں۔ یہ علوم مسلمانوں کے لئے نئے تھے اس لیے پہلے ان علوم پر دوسری زبانوں میں جو کتابیں تھیں ان کا ترجمہ کیا گیا۔ پھر مسلمانوں نے خود مستقل کتابیں لکھیں۔

عباسی دور میں دینی علوم کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً طب، ریاضی، فلکیات، علم کیمیا، فلسفہ اور دوسرے سائنسی علوم نے بھی ترقی کی۔ یہ علم مسلمانوں نے پہلی مرتبہ یونانی، سنسکرت اور دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں سے سیکھے لیکن جلد ہی وہ ان علوم پر اس طرح حاوی ہو گئے کہ جیسے یہ ان کے اپنے علوم ہوں۔ انہوں نے اس معاملے میں رسول مقبولؐ کی اس حدیث پر عمل کیا کہ:

"حکمت مسلمانوں کی کھوئی ہوئی میراث ہے اس لیے وہ جہاں سے ملے حاصل کرلو۔" (5)

چنانچہ مسلمانوں نے ان علوم میں اپنے تحقیقی اصولوں کے مطابق ایسی ایسی کتابیں لکھیں کہ آج بھی وہ اپنے فن کی بنیادی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ ان مسلمان حکماء اور سائنس دانوں کے تحقیقی کارہائے نمایاں کی کچھ تفصیل یہ ہے

سائنسی میدان میں مسلمانوں کے اصول تحقیق:

قرآن کریم نے بار بار یہ اعلان کر کے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے اور انسانوں کو مظاہر فطرت اور قوانین قدرت کے مشاہدات اور ان پر غور وفکر کی ہدایات دے کر مسلمانوں میں جو روحِ تحقیق یعنی سائنسی روح (Scientific Spirit) پیدا کی۔ اس سے سرشار ہو کر مسلمان تحقیقات کی طرف متوجہ ہوئے اور اُنھوں نے تحقیقات کے لئے نئے نئے اسلوب (Scientific Methods) ایجاد کئے۔ یہ سائنسی روح اور سائنسی اسلوب، جدید سائنس (Modern Science) کے ارتقاء پر منتج ہوئے۔ ان عظیم ترین مسلمان سائنس دانوں میں جنہوں نے جدید مغربی

سائنسدانوں میں اپنے تحقیقی اصولوں کا لوہا منوایا ایک سائنس دان ابن الہیثم ہے۔

ابن الہیثم کے حالاتِ زندگی:

ان الہیثم کا پورا نام ابو علی الحسن بن الحسین بن الہیثم ہے۔ وہ چوتھی صدی ہجری مطابق گیارہویں صدی عیسوی کا ایک عظیم سائنس دان اور انجنیئر تھا۔ اس کا شمار تمام ادوار تاریخ کے عظیم ترین سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ یوں تو ابن الہیثم کو طبیعیات، طب، نباتات، ریاضی اور علم ہیئت میں مہارت حاصل تھی لیکن طبیعیات کے شعبہ بصریات سے اسے گہری دلچسپی تھی۔ بصریات میں اس کے اہم انکشافات اور تحقیقات کی بناء پر اسے بانیء بصریات یا امام بصریات تصور کیا جاتا ہے۔

طبقات الاطباء کے مؤلف ابن ابی الصبیعہ کے قول کے مطابق ابن الہیثم ۳۵۴ھ مطابق ۹۶۵ء میں بصرے میں پیدا ہوا۔ بعد میں مصر میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۴۳۰ ہجری (مطابق ۱۰۳۹ء) میں وفات پائی۔

اپنی ابتدائی زندگی میں اس نے تحصیل علم کی طرف توجہ دی اور فلسفہ وعلوم ریاضیہ اور علوم طبیعیہ میں دلچسپی لی۔ ابن الہیثم کا دور علمی و تحقیقی لحاظ سے عالم اسلام کا سنہرا دور تھا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ دنیا کی تاریخ کے اہم ادوار میں سے تھا۔ اس دور میں حکمائے یونان کی فلسفہ، طب، ریاضیات اور ہیت کی کتابیں اور یونانی دور کے بعد کی جر ثقیل، بصریات اور آتشی شیشوں سے متعلق کتابیں یونانی اور سریانی سے عربی میں منتقل کی جا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ سنسکرت اور فارسی سے بھی علم الفلک اور ریاضی کی کچھ کتابوں کا ترجمہ کیا جا چکا تھا اور مسلمانوں میں یہ علوم پوری طرح جڑ پکڑ چکے تھے۔

ابن الہیثم کا دور مسلمانوں کے لئے اکتشافات وایجادات کا دور تھا۔ اس کے دور تک فلسفہ، طب، کیمسٹری، ریاضی اور دوسرے علوم کے امام جن میں سے فلسفے میں کندی اور فارابی۔ طب میں ابوبکر الرازی۔ کیمسٹری میں جابر۔ ریاضی میں الخوارزمی، ثابت ابن

قرۃ اور بنوشاکر۔ علم الفلک میں ابو معشر البلخی، حنین بن اسحاق، عبدالرحمان الصوفی وغیرہ شامل ہیں پیدا ہو چکے تھے اور ان کی علمی اور سائنس تحقیقات اسلامی اصولوں کے مطابق منظر عام پر آ چکی تھیں۔ مختصر یہ کہ ابن الہیثم کو ایک ایسا ماحول ملا جو اس کی علمی ترقی اور سائنس تحقیقات کے لئے بے حد سازگار تھا۔(6)

ابن الہیثم کی سائنسی تحقیقات کا طریقہ:

ابن الہیثم نے سائنسی تحقیقات کا جو طریقہ متعین کیا ہے وہ سابقہ یونانی طریقہ سے مختلف اور اسلامی اصول تحقیق کے مطابق ہے اس کے تجربات کی تفصیلات اس کے بعض رسائل اور اس کی کتاب المناظر کے مقدمے کی اس عبارت سے واضح ہو جاتی ہے جو اس نے عمل رؤیت سے متعلق دو متضاد نظریات کی تحقیق کے سلسلے میں لکھی ہے۔

ابن الہیثم کے نزدیک کسی حقیقت کے انکشاف کے لئے یونانی علماء اور فلاسفر مثلاً ارسطو اور جالینوس کی طرح صرف غور وفکر ہی کافی نہیں تھا بلکہ حواس سے کام لے کر مشاہدات (Observations) یا تجربات (Experiments) جو دراصل مشاہدات ہی ہیں جو مخصوص طریقے پر کئے جاتے ہیں بھی ضروری تھے۔ ابن الہیثم تجربے کے لئے لفظ اعتبار تجربہ کرنے والے کے لئے لفظ معتبر، اور تجربے سے کوئی بات ثابت کرنے کے لئے اصطلاح ''الاثبات بالاعتبار'' استعمال کرتا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے۔

ہم زیر تحقیق مسئلے کے مبادی اور مقدمات یعنی ابتدائی اور بنیادی اُمور کی نئے سرے سے تحقیق کریں گے۔

یہاں ابن الہیثم اس اصول تحقیق کو واضح کرتا ہے کہ جب کسی سائنسی مسئلہ کا کوئی حل معلوم کرنا ہو تو اس کے ابتدائی مراحل سے ہی تحقیق کا آغاز کرنا چاہئے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے۔ ''علم بصریات کے مسائل کی تحقیق طبیعیاتی وریاضیاتی دونوں کے مجموعی مطالعہ سے ہوتی ہے'' اکثر قدیم یونانیوں کی طرح ابن الہیثم نے حقائق کے انکشاف کے لئے صرف

کیفیاتی مطالعہ یعنی (Qualitative Study) کو ہی نہیں بلکہ کمیاتی مطالعہ یعنی (Quantitative Study) کو بھی زبردست اہمیت دی ہے۔

وہ کہتا ہے کہ ہم زیر تحقیق مسئلے کے بارے میں موجودات کے استقراء سے یعنی اس مسئلہ کی بہت سے صورتوں کو لے کر اور اشیاء مرئیہ کے حالات کی چھان بین سے اور مسئلے کی جزئیات کے خواص میں امتیاز کر کے اپنی تحقیق کا آغاز کریں گے اور استقراء کے ذریعہ ہم رؤیت کے ان خواص کو جو عمل رؤیت کے دوران نگاہ کے ساتھ مخصوص ہوں اور ان اُمور کو جو مستقل وغیرہ متغیر ہوں اور ان اُمور کو جو واضح ہوں اور دوران رؤیت مشتبہ نہ ہوں جمع کر لیں گے۔ پھر ان حالات و معلومات کی ترتیب اور درجہ بندی کر کے قیاس کے ذریعہ اس طرح آگے بڑھیں گے کہ ابتدائی مراحل پر تنقید اور نتائج میں غلطی سے تحفظ ہو۔

جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے ابن الہیثم اس بات پر زور دیتا ہے کہ زیر تحقیق مسئلے سے متعلق زیادہ سے زیادہ جزئیات کا مشاہدہ یا دوسرے لفظوں میں ان پر تجربہ کیا جائے۔ اس مشاہدہ اور تجربہ سے جو معلومات جمع ہوں ان کو مرتب کر کے اور ان کی درجہ بندی کر کے ان کے درمیان کوئی قدر مشترکہ معلوم کی جائے جس کو سائنسی طریقہ (Scientific Theory) یا قانونِ طبعی (Physical Law) کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ طریقہ سائنس کی اصطلاح میں استقرائی طریقہ تحقیق (Inductive Method of Research) کہلاتا ہے۔ قدیم یونانی فلاسفر استقرائی طریقے سے اپنے فلسفیانہ مسائل کے حل میں کام لیتے تھے جن کی بنیاد محض غور و فکر پر ہوتی تھی۔ مسلمان سائنس دانوں نے جن میں ابن الہیثم بھی شامل ہے تجربات سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر کسی مسئلہ کے حل کے لئے اس طریقے کو استعمال کیا۔

ابن الہیثم کے نزدیک اسلامی اصول تحقیق کے مطابق کوئی سائنسی نظریہ محقق کی اپنی معلومات اور اس کے دور کی معلومات کے مطابق قائم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ اس سلسلے میں معلومات کا دائرہ وسیع ہونے پر اس نظریہ میں ترمیم یا تبدیلی کرنی پڑے۔ اس

سلسلے میں بیہقی اپنی کتاب۔ تتمۃ عنوان الحکمۃ میں ابن الہیثم کے ایک رسالے کی عبارت سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔ یہ عبارت علم الفلک سے متعلق نظریات کے سلسلے میں لکھی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

اجرام سماوی کی حرکات کے لئے ان حرکات کے مطابق مناسب اوضاع کا تصور پیش کیا ہے۔ پس اگر ہم ان اوضاع کے سوا کچھ اور مناسب اوضاع کا تصور کرلیں تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا کیونکہ اس بات کی کوئی برھان قائم نہیں ہوئی ہے کہ ان اوضاع کے علاوہ ان حرکات کے مناسب کوئی اور اوضاع نہیں ہوسکتیں۔

مغربی سائنسی اصولوں کی حقیقت:

ابن الہیثم اور دوسرے مسلمان سائنس دانوں نے سائنسی طریقہ تحقیق کی اسلامی اصولوں کے مطابق جو بنیاد رکھی اور اُس کے جو خطوط متعین کئے وہ جدید سائنس کے ارتقاء پر منتج ہوئے۔ یہاں اہل یورپ کے اس دعوے کی قطع تردید ہو جاتی ہے کہ بیکن (Bacon) پہلا شخص تھا جس نے سائنس کے تجرباتی طریق (Experimental Method) کی بنیاد رکھی۔ اس دعوی کی تردید خود انگلستان کے ایک مفکر رابٹ بریفالٹ (وفات ۱۹۴۸ء) نے اپنی کتاب میکنگ آف ہیومینٹی (Making of Humanity) میں انتہائی پُرزور الفاظ میں کی ہے۔ اس نے واضح کیا کہ بیکن کی حیثیت بانی کی نہیں مبلغ کی تھی اور وہ یہ بیان کرتا ہوا نہیں تھکتا تھا کہ اہل یورپ کے لئے سائنس میں ترقی کرنے کا واحد ذریعہ عربی زبان اور عربوں کے سائنسی اسلوب ہیں۔ بریفالٹ نے یہ تصریح بھی کی کہ یورپ کے جس شخص نے مسلمانوں کے کسی انکشاف یا کارنامہ سے تعارف کرایا وہ اسی کے نام سے منسوب کردیا گیا۔ (7)

بقیہ سائنسی علوم کے مسلم ماہرین:

محمد بن موسیٰ خوارزمی جن کا انتقال ۲۲۰ھ ۸۳۵ء یا ۲۳۰ھ ۸۴۴ء میں ہوا اس دور

کے سب سے بڑے ریاضی دان تھے۔انہوں نے ریاضی، الجبرا اور علم فلکیات پر بڑی معیاری کتابیں لکھیں اور ان علوم میں نیا اضافہ کیا۔ یورپ والوں نے گنتی کے ہندسوں اور صفر کا استعمال ان ہی کی کتابوں سے سیکھا۔

میکانک یعنی مختلف آلے بنانے کے فن کو تین بھائیوں نے جو بنو موسیٰ بن شاکر کہلاتے تھے بڑے ترقی دی۔ اور ان علوم پر ایسی کتابیں لکھیں جو پہلے کبھی نہیں لکھی گئیں۔ مامون الرشید کے زمانے میں کرۂ زمین کی پیائش ان ہی بھائیوں نے کی تھی جن کے نام احمد، حسن اور محمد تھے۔ مشہور کیمیا دان جابر ابن حیان (متوفی ۱۶۱ھ) بھی اسی دور میں ہوا ہے۔ یورپ کے بعض سائنس دانوں نے اس کو جدید علم کیمیا کا بانی کہا ہے۔ علم کیمیا پر اس نے جو کتابیں لکھیں وہ ایک ہزار صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں اور یورپ میں چھپ گئی ہیں۔ یورپ میں دور جدید سے پہلے جو سائنس دان تھے انہوں نے جابر کی ان کتابوں سے فائدہ اٹھایا اور یہی وجہ ہے کہ یورپی سائنس دانوں نے جابر کو جدید علم کیمیا کا بانی کہا ہے۔

میڈیکل سائنس اور فلسفہ کے مسلم ماہرین:

علم طب میں سب سے زیادہ کمال محمد بن زکریا رازی (۲۴۰ھ ۸۶۴ء تا ۳۲۰ھ ۹۳۲ء) نے حاصل کیا۔ رازی نہ صرف اسلامی تاریخ میں سب سے بڑے طبیب مانے گئے ہیں بلکہ دنیا کے سب سے بڑے طبیبوں اور ڈاکٹروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے علم طب پر اسلامی اصول تحقیق کے مطابق جو کتابیں لکھیں ان کا بعد میں یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور ان کی مدد سے یورپ نے علم طب سیکھا۔

فلسفہ میں یعقوب کندی اور فارابی (۲۵۹ھ ۸۷۳ء تا ۳۳۶ھ ۹۵۰ء) نے شہرت حاصل کی۔ کندی خلیفہ ماموں الرشید اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں تھا اور پہلا عرب فلسفی سمجھا جاتا ہے۔ فارابی نے فلسفہ کو اور ترقی دی اور معلم ثانی کے نام سے مشہور ہوا۔ معلم اول ارسطو کو سمجھا جاتا ہے جو قدیم زمانے میں یونان کا سب سے بڑا فلسفی تھا۔

کندی اور فارابی جن کا ذکر آپ مقدمہ کے ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے ہیں کی کتابوں نے بھی یورپ کے فلسفیوں کا متاثر کیا۔

ادب اور شاعری کے مسلم ماہرین:

ادب اور شاعری کی ترقی کے لحاظ سے بھی عباسی دور کو بلند مقام حاصل ہے۔ لُغت اور گرائمر یا علم نحو نے بھی اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق باضابطہ شکل اسی زمانے میں اختیار کی۔ اس علم کے سب سے بڑے ماہر، محقق اور مصنف خلیل نحوی (۱۰۰ھ ۷۱۲ء تا ۱۷۵ھ ۷۷۸ء)، سیبویہ (متوفی ۱۷۷ھ ۷۷۰ء) اور اصمعی (۱۲۲ھ ۷۴۰ء ۲۱۶ھ ۸۲۸ء) تھے۔ یہ تینوں عربی لغت اور نحو کے امام اور بانی ہیں۔

ادب میں سب سے بڑی شخصیت جاحظ (۱۶۰ھ ۷۷۵ء تا ۲۵۵ھ ۸۶۸ء) کی ہے جن کا عربی زبان کے سب سے بڑے ادیبوں شمار ہوتا ہے۔

ان کی کتاب الحیوان ان چار کتابوں میں شمار کی جاتی ہے جو اسلامی اصولِ تحقیق کا شاہکار اور جن پر عربی ادب کا دار و مدار ہے۔ عربی ادب کے ان چار شاہکاروں میں سے باقی تین بھی اسی دور میں لکھے گئے۔ یعنی ابن قتیبہ (۲۱۳ھ ۸۲۸ء تا ۲۷۶ھ ۸۸۹ء) کی ادب الکاتب اور عیون الاخبار اور مبرّد (۲۱۰ھ ۸۲۶ء تا ۲۸۵ھ ۸۹۸ء) کی الکامل فی الادب۔

سادہ طرزِ تحریر، خیالات کی گہرائی، شاعرانہ رنگینی اور ظرافت، جاحظ کی تحریر کی خصوصیات ہیں۔ وہ نسلاً حبشی تھے اور عقائد کے لحاظ سے معتزلی۔ اس دور کے وہ واحد مصنف ہیں جنہوں نے ملوکیت کے نظام پر سخت حملے کیے۔ ان کی کتابوں میں سے کتاب الحیوان اور کتاب البیان نے شہرت جاوید حاصل کی۔

ابن قتیبہ کی عیون الاخبار دس جلدوں میں ہے یہ اسلامی اصولِ تحقیق اور ادب کا ایسا نمونہ ہے جس کی بڑے بڑے ادیبوں نے تقلید کی عیون الاخبار اور مبرّد کی الکامل فی الادب اس زمانہ کی معاشرت اور زندگی کے بارے میں معلومات کا بہت عمدہ ماخذ

ہیں۔(8)

ان تمام سطور کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی مانند عیاں ہو جاتی ہے کہ عالم اسلام نے علمی میدان میں کبھی کسی دوسری قوم، نظریہ یا تہذیب کی اندھی تقلید نہیں کی بلکہ ہر دور میں اپنا راستہ اپنی دینی بنیادوں کے مطابق مرتب کیا ہے اور یہ طریقہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی عالم اسلام بانجھ نہیں ہوا اور سابقہ روایات کے مطابق علمی میدان میں اپنے تفوق کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

دورِ حاضر میں اصول تحقیق کی اہمیت اور مغربی اصولِ تحقیق کے اثرات:

دور حاضر میں اصول تحقیق ایک فن سے ترقی کرتا ہوا باقاعدہ ایک علم بلکہ ایک اہم علم کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ عالم اسلام کی تمام یونیورسٹیوں، علمی اداروں، مدارس اور کلیات میں تمام علوم پر تحقیق زور شور سے جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول تحقیق تمام عالم اسلام کی یونیورسٹیوں میں عموماً اور برصغیر کی جامعات اور متعدد اداروں میں خصوصاً نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اِن تمام اداروں میں بھی جہاں گریجویٹ اور اس کے بعد کی کلاسوں میں مقالہ لکھوایا جاتا ہے یا ایم فل و ڈاکٹریٹ کی باقاعدہ کلاسیں ہوتی ہیں وہاں تحقیق نگاری یا اصول تحقیق کی بھی باقاعدہ تدریس ہوتی ہے۔ اس طرح اصول تحقیق، تحقیق نگاری، فن تحقیق یا تحقیق کا علم جامعات اور مزید علمی اداروں میں بہت زیادہ اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق عالم اسلام کے مختلف ممالک مثلاً مصر مراکش، تیونس، سعودی عرب، شام، لبنان، اور برصغیر میں یہ جدید تحقیقی عمل تقریباً ایک سو سال یعنی بیسویں صدی کے اوائل سے جاری و ساری ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حیرت انگیز امر ہے کہ پوری اس ایک صدی میں ہم نے اصول تحقیق کی تدریس میں یورپ کو ہی امام مانا ہوا ہے اور ہر معاملہ میں یورپی و مغربی اصول تحقیق اور انہیں کی تحقیق کو ہی حرف آخر مانا جاتا ہے۔

اس تمام عرصہ میں عالم اسلام کے جن زعماء نے اصول تحقیق کے میدان میں جو تصانیف کی ہیں، اُن تمام میں مغربی تحقیق نگاری کا عکس واضح طور پر نظر آتا ہے مثلاً شلبی مصری کی کتاب ''کیفَ تکتبَ بحثاً'' ڈاکٹر طفیل ہاشمی ''اسلام میں تحقیق کے اصول ومبادی'' ڈاکٹر رفیع الدین ''اسلام تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریقہ کار'' اور اس طرح کی مختلف کتب جو اکیسویں صدی میں پاک وہند کے مختلف مصنفین نے لکھی ہیں اُن کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارے اہل علم کا جمود ہے جس کی وضاحت مولانا مودودیؒ نے اس طرح کی ہے۔

''جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ جمود کا لازمی نتیجہ انحطاط ہے اور انحطاط کا لازمی نتیجہ مغلوبیت ہوتا ہے۔ لیکن اگر اپنے اصول تحقیق مرتب کر کے اُن کے مطابق علمی تحقیقات کی جائے اور مسلسل کی جائے اور نئی نئی معلومات فراہم کی جائیں اور ان کی بنیاد پر نئے نئے فلسفہ زندگی تیار کیے جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حرکت پیدا ہوتی ہے اور اُس قوم کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ غلبہ حاصل ہونے کے بعد جمود پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو قوم غالب ہے اور جس کے اپنے اصول تحقیق ہیں اور جو تحقیقات کر رہی ہے، علوم وفنون کو جمع کر رہی ہے، معلومات فراہم کر رہی ہے اور ان کو مرتب کر کے ایک تہذیب بنا رہی ہے وہ لازماً اپنی تہذیب کے ساتھ غالب آتی ہے۔ محض اپنی سیاست، اپنے اسلحہ اور اپنی فوج ہی سے غلبہ نہیں پاتی بلکہ اس کی پوری تہذیب مغلوب قوم پر غالب آنی شروع ہو جاتی ہے یہ نقشہ ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ کوئی تمدن ہے تو اہل مغرب کا ہے علم وفن جو کچھ بھی ہے اہل مغرب کا ہے ہمارا کام ان کا پس خوردہ کھانا ہے، ہمارا کام ان کے پیچھے چلنا ہے ہمارا کام ان کی تقلید کرنا ہے عموماً یہی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ چاہے زبان سے ہم انکار کریں، چاہے زبان سے ہم مزاحمت کرنے کی کوشش کریں اور زبان سے ہم اظہار براءت کریں لیکن دیکھئے عملاً کیا ہو رہا ہے؟ عملاً یہی ہو رہا کہ ہمارے اُوپر مغرب کے افکار اور فلسفے، ان کی طرزِ زندگی، ان کی تہذیب اور تمدّن سب

کچھ چھاتا چلا جا رہا ہے۔ اس میں جو بات آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم نئے سرے سے اپنے تحقیقی اصول مرتب کر کے علمی تحقیقات کا کام کریں۔"(9)

یہی شکوہ علامہ اقبالؒ کو بھی تھا!

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق
حلقہ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید وزوالِ تحقیق

علومِ اسلامیہ کے ماہرین کی ذمہ داریاں:

یہاں یہ امر بھی باعثِ حیرت ہے کہ مغرب کی یہ تقلید ہم اُس صورت میں کر رہے ہیں کہ جب ہم ہی وہ قوم ہیں کہ جنہوں نے دنیا میں تحقیقی اصولوں کی بنیاد رکھی۔ ورنہ مسلمانوں سے پہلے جس طرح آپ مقدمہ کے ابتدائی صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ کسی قوم کے پاس کوئی باقاعدہ علمی سرمایہ تھا اور نہ ہی اصول تحقیق۔ اس لئے اب ضرورت اِس امر کی تھی کہ انہیں سابقہ اصول تحقیق کا دوبارہ احیاء ہو اور علوم اسلامیہ کے ماہرین صرف اپنے اصولوں کی تعلیم دیں، اُن کی حقیقت کو طلباء اور باقی اہل علم طبقوں پر واضح کریں، مغربی اصول تحقیق کے دیوالیہ پن اور رکاکت کو عیاں کریں اور اپنے اصول تحقیق کے مطابق، تحقیقِ علم اور تحقیق نگاری کا آغاز کر کے پھر دوسرے علوم کے ماہرین مثلاً لسانیاتی علوم، قدرتی سائنسی علوم، معاشرتی سائنسی علوم، بنیادی سائنسی علوم اور مزید تمدنی علوم کے ماہرین کو اسلامی اصول تحقیق کی حقیقت سے آشنا کر کے اُن کو بھی انہیں اصولوں کے مطابق تحقیق نگاری کا درس دیں۔ صرف اسلامی اصول تحقیق ہی فطری ہیں، ازلی ہیں، ابدی ہیں اور صرف انہیں کی بنیاد پر علوم نافعہ مدون کیے جا سکتے ہیں۔ علوم نافعہ کی ہی بنیاد

پر ہم دنیا میں امن، سکون، پریم، مودت اور محبت و ہم آہنگی کی فضا قائم کر سکتے ہیں۔ مغربی اصول تحقیق کے بارے میں تو علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

علامہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مغربی اصول تحقیق فطری نہیں بلکہ اُن کی حقیقت یہ ہے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے

کتاب تحریر کرنے کی وجہ:

اسلامی اصول تحقیق کی اس کتاب کو لکھنے کا محرک دراصل یہی جذبہ تھا کہ علوم اسلامیہ کے ماہرین بہترین اصول رکھنے کے باوجود خود بھی اور اپنے طلبہ کو بھی اس میدان میں ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر عطش درانی، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر اعجاز راہی، ڈاکٹر ایس ایم ناز وغیرہ، کی کتب سے ماخوذ اصول تحقیق پڑھاتے ہیں اور اس میدان میں اُنہیں کے بیان کردہ اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام مصنفین تحقیق کو ایک ماورائی علم کی حیثیت دینے کے علاوہ اپنی کتب میں اسلامی اصول تحقیق سے متعلق کوئی خاطر خواہ بحث یا طریق کار واضح نہیں کرتے۔ بلاشبہ میں نے بھی اس کتاب میں مختلف فنی موضوعات کے بارے میں ان کتب سے خوشہ چینی کی ہے لیکن یہ کوشش بھی کی ہے کہ وہ استفادہ اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ برصغیر میں

اصولِ تحقیق پر تحریر شدہ اکثر کتب اردو زبان و ادب یا تعلیمی تحقیق سے متعلق ہیں۔

لہٰذہ اِس صورت حال میں مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ میں برصغیر پاک وھند میں علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کے لئے اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھ کر اسلامی اصولِ تحقیق پر ایک کتاب لکھنے کی کوشش کروں اور یہ شرف حاصل کروں۔

یہ کتاب دراصل دور نبوی ﷺ، دور صحابہ و تابعین، دور ائمہ کرام اور مزید مختلف اسلامی علمی ادوار کے اصولِ تحقیق کا جدید ایڈیشن اور اُن کا تسلسل ہے۔ یہ دعویٰ قطعاً نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جدید اصول ہیں اور صرف اِسی کتاب میں ہی میسر ہیں اور کہیں نہیں ملتے۔ مزید یہ امر بھی واضح ہو جانا چاہیئے کہ یہ کتاب صرف میری ذاتی تحریر و تصنیف نہیں بلکہ متعدد کتب کے منتخب قیمتی تحریری سرمائے کا مجموعہ ہے اور میری کوشش صرف حسن انتخاب اور حسن ترتیب ہے۔

کتاب کا اسلوب:

کتاب کے اولین ابواب میں کچھ ابتدائی نوعیت کی نظریاتی و تاریخی بحثیں ہیں جن کا اصولِ تحقیق سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ کیونکہ اِس موضوع پر برصغیر میں تقریباً اولین کوششوں میں سے ہے اِس لئے اسلامی اصولِ تحقیق کا تاریخی پس منظر بیان کرنا ازحد ضروری تھا۔ اِس نظریاتی و تاریخی بحثوں میں بھی اصولِ تحقیق اور تحقیق نگاری کو شامل کرنے کی مکمل کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں پوری طرح کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ کی سادگی کے ساتھ ایسا آسان طرزِ تحریر اختیار کیا جائے کہ عام طالب علم بھی آسانی سے اُس سے استفادہ کر سکے۔ بھاری بھرکم ترکیبات، مشکل الفاظ، نامانوس استعارہ و کنایہ اور ثقیل تلمیحات سے پوری طرح دور رہنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اساتذہ، طلباء اور قارئین کرام اصولِ تحقیق کو ایک واقعاتی اور واضح زمینی حقائق کا حامل علم شمار کریں اور کسی ماورائی یا "ستاروں کے آگے

جہاں اور بھی ہیں" کی مانند کسی اور جہاں کے علم کی کوئی شاخ یا حصہ تصور نہ کریں۔

اس کے باوجود بھی بعض وہ مشکل الفاظ وتراکیب استعمال کی گئی ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں تھا۔ اُن کا تحریر کرنا اس لئے ضروری تھا کہ یہ کتاب محققین کے لئے لکھی گئی ہے جن کا ذہنی معیار گریجویشن سے بلند اور ماسٹر، ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح کا ہوتا ہے۔

کتاب میں ابواب بندی کی ترتیب:

کتاب اسلامی اصول تحقیق کی ابواب بندی کو میں نے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں ترتیب دیا ہے کیونکہ میں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی فیکلٹی برائے عربی و اسلامیات میں بحیثیت پروفیسر آف اسلامک لاء، چیئر مین شعبہ اور ڈین فیکلٹی دس سال گزارے ہیں۔ اس عرصہ میں اپنی یونیورسٹی اور پاکستان کی بقیہ تمام یونیورسٹیوں مثلاً پنجاب یونیورسٹی لاہور، پشاور یونیورسٹی پشاور گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، جی سی یونیورسٹی لاہور، بنوں یونیورسٹی بنوں، سندھ یونیورسٹی جامشور، گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ اور بقیہ یونیورسٹیوں میں ایم اے۔ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے طلبہ کو اصول تحقیق پر لیکچر دیتے ہوئے یا عمومی گفتگو میں جو اصول پیش کیے یا طلباء و اساتذہ میں جو کمی بیشی خامی یا اُن میں کوئی تشنگی محسوس کی تو اُس کو سامنے رکھ کر اس کتاب کو مرتب کیا ہے تاکہ یہ کتاب اہم تحقیقی مراحل کے حقیقی مسائل کا حل اور حقیقت کی عکاس ہو اور صرف نظریاتی بحثوں تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ مزید یہ بھی کوشش کی ہے کہ تحقیقی دنیا کے راہ نوردوں یعنی تحقیقی کاروں کو تحقیق کے ابتدائی مراحل سے لے کر آخری مرحلہ تک جن امور سے واسطہ پڑتا ہے ان کا حل اسلامی اصول تحقیق کی روشنی میں باقاعدہ ترتیب کے ساتھ عام فہم، زمینی حقائق کی طرح اس کتاب میں آسانی سے مل جائے۔ پر پیچ، پیچیدگی کا حامل اور گورکھ دھندوی ترتیب وترکیب سے ہر سطح پر کنارہ

کش ہونے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کتاب میں اسلامی تحقیق کے مختلف نظریاتی پہلو بیان کرنے کے بعد دورِ حاضر میں برصغیر کے طلبہ کے لئے تحقیقی مقالہ تحریر کرنے کے متعدد تحقیقی مراحل کے اہم حصوں کے بارے میں مختصر مگر جامع ہدایات موجود ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اصولِ تحقیق ومقالہ نگاری دونوں عنوان سمیٹ رہی ہے۔اس کے باوجود بھی یہ علمِ تحقیق کی مکمل کتاب نہیں ہے۔اس کی تشنگی کو دوسری کتب کے مطالعہ سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب کیونکہ برصغیر کی تمام یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں کے معلمین اور متعملین دونوں کے لئے تحریر کی گئی ہے اِس لئے کتاب میں بعض اہم امور کی تکرار بھی روا رکھی گئی ہے تا کہ طالب علم کے ذہن میں تحقیق سے متعلق اہم باتیں ذہن نشین ہو جائیں اور وہ اِن ہدایات کو ہر وقت پلے باندھ کر تحقیقی عمل کا آغاز کرے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ اہم امور کی تکرار متعلم کے لئے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

حدیثِ دل:

کتاب کے مقدمہ کی آخری سطور لکھتے ہوئے میرا سر رب ذوالمنن کے حضور سجدہ ریز اور آنکھیں جذبہ شکر سے اشکبار ہیں کہ اُس عظیم ترین ذات نے مجھ ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ میں اسلامی اصولِ تحقیق کی نشاۃ ثانیہ کی اولین مساعی میں سے ایک کوشش کے طور پر اِس کتاب کو لکھ کر اپنی دنیوی سرخروئی اور اُخروی نجات کا سرمایہ بنا رہا ہوں۔

کتاب مکمل کرتے ہوئے مجھے اِس اُمر کا بھی مکمل احساس ہے کہ اس کتاب میں کافی کمی کوتاہی اور غلطیاں ہیں۔اس سلسلہ میں میری مطالعہ نگار حضرات اور قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ مجھے اُن غلطیوں سے آگاہ کر کے شکریہ کا موقع دیں تا کہ میں اُن کی اصلاح کر سکوں۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ کتاب ایک ابتدائی سی کوشش اور اہل علم کو اس موضوع پر مزید اُفق آشکارا کرنے کی دعوت ہے۔جس طرح آپ کو معلوم ہے کہ ابتدائی کوشش ہمیشہ نامکمل اور صرف کسی فن کے آغاز کی نشاندھی کرتی ہیں۔ کچھ یہی صورت

حال میری اس کتاب کے ساتھ بھی ہے۔ آخر میں میں اپنے تمام دوستوں کا جنہوں نے اس کتب کی تکمیل کے سلسلہ میں مشوروں سے نوازا، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ خصوصاً میرے عزیز رفیق کار ڈاکٹر محی الدین ہاشمی صاحب اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فکر اسلامی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کہ انہوں نے بہترین آراء دیں اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر عطاء فرمائے۔

و ما توفیقی اِلّا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب.

خاکسار: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ڈین رچیئرمین

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد پاکستان

یکم اپریل 2012

حوالہ جات

مقدمہ

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

1- مقالات سیرت۔(سالانہ سیرت کانفرنس،1978)وزارتِ مذہبی امور اسلام آباد ص:74(مقالہ غلام جیلانی برق)

2- ندوی سید سلیمان۔سیرۃ النبی ﷺ لاہور مکتبہ تعمیر انسانیت 1975۔32/3

3- مودودی۔سید ابوالاعلی۔علمی تحقیقات کیوں اور کیسے۔دہلی نمبر 6 مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی 1984۔ص:6

4- ماھنامہ فکر ونظر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد جلد:7 شمارہ:6 دسمبر 1969۔ص 453۔مقالہ ڈاکٹر محمد سعود۔

5- ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر۔مسند الشھاب۔بیروت۔موسسہ الرسالۃ۔1986 65/1

6- فکر ونظر۔ص:445

7- فکر ونظر۔ص:452

8- ثروت صولت ڈاکٹر۔ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ۔لاہور۔اسلامک پبلکیشنز 1993۔ص:240.

9- مودودی۔سید ابوالاعلی۔علمی تحقیقات کیوں اور کیسے ص:10

پہلا باب:

اسلام میں علم وتحقیق کی حقیقت، مآخذ اور خصوصیات

فصل اول:

اسلام میں علم وتحقیق کی اہمیت وارتقاء

اسلام میں علم وتحقیق کا مقام واہمیت:

اسلام دنیا کا واحد مذہب، دین اور نظریہ حیات ہے جس کی ابتداء لفظ "اقرأ" یعنی پڑھو سے ہوئی ہے، اس وجہ سے اس کے تمام امور کی بنیاد علم وتحقیق پر ہے۔ دنیا کے تمام قدیم مذاہب اور جدید نظریات اس خوبی کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسلام نے اپنی آمد کے ساتھ ہی عالم ارضی کی علمی دنیا میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کیا اور بنی نوع انسان کو نفع آور علوم سے متعارف کرایا۔ اسلام کی اِس جدید علمی لہر نے سابقہ اقوام کے تمام علوم کو اپنے رنگ میں رنگنے کے ساتھ ان کے تمام پہلوں پر بھی اپنے اثرات ڈالے، جن میں تہذیب وتمدن دونوں ہی شامل ہیں کیونکہ یہ دونوں بھی اسلام کے نزدیک علمی دنیا کا اہم حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کلچر چند اسلامی ترمیمات کے ساتھ مسلم کلچر کہلایا، عربی زبان مسلمانوں کی مذہبی زبان کہلائی اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور آسان ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمان جہاں گئے اس جگہ کی علمی محفلوں، علمی دنیا، درس وتدریس کے حلقوں اور تہذیب وتمدن پر چھا گئے۔

اسلام نے ذہنی فکر ودانش کی طاقت (Intelectual Power) یعنی علمی وتحقیقی فضاء کو پروان چڑھانے کیلئے نبی کرام ﷺ کے فرائض منصبی میں "یعلمهم الكتاب

والحکمه" (وہ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے) کو داخل کیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اُس فرض کو عظیم مقام عطا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے علم و کتاب و حکمت سے بہرہ ور افراد کا ذکر بڑے ہی اہتمام سے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا "فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ" (النساء:54) اور ہم نے تو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطاء کی۔ طالوت علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔ "وزاده بسطة فی العلم والجسم" اور اللہ نے ان کو دماغی اور جسمانی دونوں قسم کی طاقتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق کہا ہے "اتیناه الحکمة وفصل الخطاب" ان کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔ حضرت لقمان کے بارے میں فرمایا ہے "ولقد اتینا لقمان الحکمة" اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی۔

اسلام میں تحقیق بھی اِس کی علمی دنیا کا حصہ اور اُس کا عروج ہے۔ اس لئے نبی کریمؐ نے ابلاغ علم یعنی علم، دوسرے لوگوں تک پہنچانے کو ہر ایک مسلمان پر فرض قرار دیا اور فرمایا "بلغوا عنی ولو آیة" "میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ ابلاغ کا دائرہ نہایت وسیع ہے اس میں علمی ماحول کو برقرار رکھنے کے لئے تحقیقی اصول وضع کرنا، نئے علوم کی ایجاد، ایجاد شدہ علوم کی حفظ و تلقین، یاد رکھنا اور دوسروں کو علمی مواد فراہم کرنا، لسانی ادب، تمدنی فروغ نیز نقل کتاب وغیرہ کے لئے تمام وسائل کی فراہمی داخل ہے۔ لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے تحقیقی اصولوں کے مطابق تصنیف و تالیف اور نقل و کتابت کو فرض و واجب کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ارشاد نبویؐ ہے حاضر غیر حاضر کو بات پہنچائے ممکن ہے وہ اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھے۔(1)

اسلام: علم و ادب کی ایک عالم گیر تحریک:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادب کا فروغ اور علوم کی صنف وار ترتیب و تبویب

یعنی تحقیقی عمل کبھی فرض، کبھی واجب، کبھی مستحب اور کبھی مباح ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب وحی نازل ہو رہی تھی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قلم بند کرایا، یہ امر واجب تھا اسی وجوب پر قیاس کرتے ہوئے تحقیقی اصولوں کے مطابق دینی کتب کی تصنیف اور حالات کے پیش نظر ان کا ذخیرہ کرنا ان کی تبویب و ترتیب، اسلامی ادب کو فروغ دینا کبھی واجب کبھی مستحب اور کبھی مباح ہے۔ ان کی تفصیل آپ آئندہ سطور میں مطالعہ کریں گے۔(2)

یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ابلاغ علم و ادب کو اتنا عام کیا اور علم کی ایسی اشاعت کی جو علم و ادب کی ایک عالمگیر تحریک کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ امیر، غریب، چھوٹا، بڑا عورت مرد ہر ایک اس تحریک سے متاثر ہوا اور اس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے پروان چڑھانے میں حصہ لیا۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ تک یہ تحریک بار آور ہوئی، ہر جگہ پھولی پھلی، شاہی محلات میں بسیرا کیا، وزیروں کے ایوانوں میں رہی، امیروں کے محلوں میں پروان چڑھی فقیروں کی جھونپڑیوں میں پلی بڑھی، حتی کہ عالم، ادیب فقیہہ، مفسر، شاعر، مفکر، حکیم، صوفی لغوی، نحوی، مورخ، مہندس، خطاط، وراق، فنکار، صنعت کار، تاجر سب کے گھر کر گئی، نظریاتی طور پر مخالف و برسر پیکار گروہوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔ اور ہر ایک کے دل و دماغ کو اس تحریک نے شعوری و غیر شعوری طور پر متاثر کیا۔ عہد عباسی میں ہر شہر، قریہ، بستی، محلہ، گلی، کوچہ معبد، مسجد، تکیہ، سرائے، محل سرا، مہمان خانہ، خانقاہ، سیر گاہ، گلستان، قبرستان، دریا کے کنارے، مدرسے، ادارے، بازار، دکان ہر چھوٹی بڑی مرکزی جگہ میں اس نے اپنا علمی مظاہرہ کیا۔

علوم کی تعلیم جہاں فرض ہے وہیں منجملہ اور پیشوں کی طرح ایک پیشہ بھی ہے۔ جب معاشی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو انسان کی علمی زندگی میں مزید لطافت آجاتی ہے اور وہ موجودہ علوم کی تحقیق کر کے اس کی مزید کئی اقسام دریافت کرتا ہے اور یہی معاشی آسودگی ہے جس کا ایک مظہر ادب ہے اور اسی آسودگی کی وجہ سے انسانوں کو علوم و فنون اور صنعتوں

سے شغف ہو جاتا ہے۔(3)

مسلمانوں میں علمی دنیا کا آغاز وارتقاء:

اسلامی تمدن کی پہلی اینٹ مکہ میں رکھی گئی، سب سے پہلا مدرسہ مکہ میں کوہ صفا پر دارارقم میں بنا، اس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا۔ اسی درسگاہ میں رسالت مآبؐ نے صحابہؓ کو اسلام کی دعوت وقرآن کی تعلیم دی۔ افراد کی سیرت وکردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے قرآن کی تفہیم کو ذہنوں میں اتارا جس نے شعور کو بیدار کیا۔ ابلاغ اور علم وادب کی تحریک کی داغ بیل ڈالی، علم وکتاب کا چرچا شروع ہوا تا آنکہ دور خلفاء راشدین، دور بنوامیہ اور بعد میں عباسی دور خلافت میں کتب خانوں کی تحریک اتنی عام ہوئی کہ کتب وکتب خانے مسلم معاشرے کے لوازم حیات بن گئے۔

مکہ کے بعد اسلام کے تمدن کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا، یہ شہر سب سے پہلے اسلام میں عوامی تعلیم کا مرکز بنا مسجد نبوی کو اسلام کی پہلی درسگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا پھر مدینہ کی نو مسجدوں میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ مدینہ میں علم کی سوتیں پھوٹیں یہی شہر مرکز بنا اور ''دارالسنۃ'' کے لقب سے ممتاز ہوا۔(4)

مذکور بالا اصول کے مطابق اسلامی عہد میں جو شہر تمدنی حیثیت سے ممتاز وفائق رہے وہ تعلیم کے مرکز بھی رہے چنانچہ عہد صحابہ میں مدینہ منورہ کو سب سے پہلے ''مدینۃ العلم'' کا لقب ملا پھر حجاز مرکز علم قرار پایا۔ دور مرتضویؓ میں مرکز جب عراق منتقل ہوا تو یہ شرف کوفہ وبصرہ کو حاصل ہوا، اس کے بعد دور اموی میں دارالخلافہ جب سرزمین شام میں لے جایا گیا تو مرکز علم دمشق بنا، زوال بنی امیہ کے بعد عباسی دور میں بغداد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو بغداد معدن علم بنا۔ پھر یہ فضیلت وامتیاز مصر ونیشیا پور وغیرہ کو اور مغرب میں قیروان وقرطبہ کو حاصل ہوا، ابن خلدون لکھتے ہیں:

''بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ کوفہ کو دیکھو جب یہاں اسلام کے ابتدائی

زمانہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی درجہ کمال کو پہنچی تو ان شہروں میں علم و ادب کے سمندر جوش مارنے لگے، یہاں کے باشندے تعلیمی اصطلاحات و مسائل کے استنباط میں تفنن طبع دکھانے لگے اور متقدمین سے بھی گویا سبقت لے گئے لیکن جب یہاں تمدن کو زوال آیا اور حالت ابتر ہوئی تو بساط علم الٹ گئی اور علم و تعلیم یہاں سے مفقود ہو کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گیا''۔

''جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں قرآنی آیت "تلك الايام نداولها بين الناس" (آل عمران:140) کے اصول کے تحت مٹ گئیں تو ان شہروں کی قائم کی گئی علمی بنیادوں پر بڑے بڑے شہر آباد ہوئے اور علم کا مرکز ان علاقوں سے مزید اسلامی ممالک میں منتقل ہو کر خراسان و ماوراء النہر میں قائم ہوا پھر برصغیر میں دہلی اور افریقہ میں قاہرہ میں منتقل ہوا، قاہرہ کی تمدنی حیثیت چونکہ مسلسل قائم رہی اس بنا پر یہ زمانے میں علم کا مرکز رہا، اسی لئے جو لوگ دیار مغرب سے علم حاصل کرنے کے بعد دیار مشرق میں آتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اہل مشرق کی عقل و ذہانت اہل مغرب سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ فطری طور پر ان سے زیادہ عقل مند و تیز ہوتے ہیں۔اسی طریقہ سے وہ مغرب (یورپ، ہسپانیہ) اور مشرق (ایشیاء و افریقہ) کے باشندوں کی انسانی خصوصیات میں فرق سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے اہل مشرق تمدنی ترقیوں اور مسلسل مشق جاری رکھنے کے باعث اہل مغرب سے بڑھ گئے ان کی تمام عقلی ترقیوں کا حقیقی سبب یہی ممارست و انہماک علمی ہے''(5)

اسلامی علوم کی بین الاقوامی ترویج:

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم کا آغاز ہوا لیکن سو سال کی مختصر سی مدت میں بے انتہا علمی وادبی ترقی ہوئی فتوحات اسلامی کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا گیا تعلیم کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع تر ہوتا گیا چنانچہ علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

> ''جسے تاریخ کا تھوڑا سا علم ہے وہ یقیناً یہ بات جانتا ہے کہ تابعین نے خلفا راشدین اور بنو امیہ کے دور میں ہی سندھ، خراسان، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیار ربیعہ، دیار مصر، شام، افریقہ، اندلس، حجاز، یمن، پورا جزیرہ عرب، عراق، فارس، کرمان، سجستان، کابل، طبرستان، جرجان، جبال اور سندھ و ملتان میں اسلام پھیلایا اور نور علم سے گوشہ گوشہ کو منور کر دیا تھا، الحمد للہ ان مذکورہ شہروں کی کوئی بستی نہ تھی جس میں ''مفتی'' اور مقری'' اور قاضی نہ ہو، اکثر بستیوں میں تو ایک سے زیادہ ''مفتی'' و ''مقری'' موجود تھے۔(6)

یہاں یہ امر واضح رہے کہ جہاں علم موجود تھا یا جہاں علوم اسلامی تھے وہاں علوم عربیہ یعنی صرف ونحو بلاغت وغیرہ بھی تھے کیونکہ علوم اسلامیہ کی بنیاد عربی زبان وادب پر ہے۔

مورخ شمس الدین ذہبی تذکرہ الحفاظ میں طبقہ ثانیہ کے اختتام پر سنہ ۱۰۱ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

> ''پہلی صدی ہجری میں اہل علم اور ائمہ اجتہاد، زھاد، عباد، اقطاب، غوث اور ابدالوں کی ایک بڑی تعداد بلاد اسلامی میں آباد تھی ممکن ہے کہ ہم نے ان میں سے جن کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے وہ ان سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے علم وفضل، عبادت وریاضت، اور کارناموں میں زیادہ بڑھ چڑھ کر

ہوں۔ پہلی صدی ہجری میں اسلام کا خوب بول بالا ہوا اور گوشہ گوشہ میں اسلام پھیل گیا تھا" (7)

اسلام اور تحقیق:

تحقیق قدیم ہو یا جدید، مخصوص انداز فکر کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے جو ہمیں شے کی حقیقت معلوم کرنے کی طرف راغب کرتی ہے اور واقعات یا بیانات کی اصلیت کا کھوج لگانے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی تمام علوم کا منبع اور اس کی توسیع کا وسیلہ ہے۔

مسلمانوں کی سماجی تاریخ کے آغاز ہی سے ہمیں اس اندار فکر کی جھلک ملتی ہے۔ واقعات کی صحت معلوم کرنے کا بنیادی اصول خود قرآن کریم نے یہ کہہ کر قائم کر دیا تھا کہ جب کوئی جھوٹا یا فاسق خبر لائے تو اچھی طرح چھان پھٹک کر لیا کرو، مسنون دعاؤں میں بھی اسی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا کہ "اے اللہ تو ہمیں اشیاء کی حقیقتیں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔" "اے اللہ تو ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق دے"۔ ان کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

تدوین اور حفظ متن، دستاویزی تحقیق کا ایک اہم شعبہ ہے جس طرح اللہ تعالی نے سورہ العلق میں فرمایا کہ اس نے انسان کو قلم سے سکھایا۔ اس کی پہلی موثر ترین مثال تدوین قرآن کی صورت میں سامنے آتی ہے جو نہایت حزم و احتیاط سے انجام دی گئی۔ (8)

اسلامی معاشرے میں تحقیق کی دوسری اہم روایت تدوین حدیث کی صورت میں روبہ عمل آئی۔ محدثین نے روایت اور درایت کے جو اصول منضبط کئے ہیں ان پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ بلا شبہ محدثین کے یہ اصول تحقیق نہایت قوی ہیں۔ اسی قدیم انداز تحقیق کو ہندو پاکستان کے دیگر علوم و ادب کے مایہ ناز محققین نے اپنایا اور اسی پہچان کی بدولت اختصاص پایا۔ (9)

سیرت نبوی کے جو واقعات قلمبند کئے گئے وہ تقریبا نبوت کے سو برس بعد قلمبند

ہوئے۔ اس لئے کہ عمومی طور پر مصنفین کا ماٰخذ کوئی کتاب نہ تھی بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں۔ لیکن مسلمانوں نے فن سیرت کا جو معیار قائم کیا تھا وہ بہت بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا۔ اگر خود نہ تھا تو واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ عالم تھے یا فاضل؟۔ ان روایتوں کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے الفاظ جملوں میں کسی قسم کی خامی و کمزوری یا مقررہ قواعد کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی۔ معانی اور مفہوم میں عقل، مشاہدہ، تجربہ، زمانے کے طبعی تقاضے کی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو لازم نہیں آئی۔ جن سے کسی طرح شان نبوت پر حرف آئے یا فرمودات نبوی میں سطحیت کا اندیشہ ہو۔

اسلام میں تحقیق مثبت جذبوں کی شدت وفراوانی سے جلا پاتی ہے۔ جن میں سچائی، دیانتداری، محنت ولگن اور متانت وسنجیدگی جیسی حسین قدریں شامل ہیں۔ احادیث نبویؐ کی روشنی میں یہی قدریں تحقیق کے مفہوم میں کارفرما نظر آتی ہیں۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ واقعات کو بیان کرنے کے لئے ان کا عینی مشاہدہ کیا جائے۔ ذاتی طور پر انھیں سنا جائے اور انھیں روایت کرتے وقت محتاط رویہ اختیار کیا جائے۔

سچائی اور دیانت واری وہ بنیادی ستون ہے جس پر تحقیق کی عمارت استوار ہوتی ہے محقق حقیقت شناس، حقیقت کا متلاشی اور صداقت شعار ہوتا ہے۔ شارع علیہ الصلاۃ و السلام کے ارشادات صداقت وسچائی پر مبنی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ نے وہم وگمان کو جھوٹی ترین بات قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے:

"ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث" (10)

ترجمہ: تم ظن وگمان سے بچتے رہو کیونکہ ظن وگمان جھوٹی ترین بات

ہے۔

قرآن مجید میں تحقیقی اصول:

تحقیق کے لغوی معنی چھان بین، دریافت اور جستجو کے ہیں۔ یہ عربی لفظ ہے۔ لیکن اصطلاحی طور پر تحقیق کسی شے کو اس کی اصل صورت میں دیکھنے کو کہتے ہیں۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق مسلسل، جستجو اور کھوج لگانے کا وہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے حقائق معلوم کیے جاتے ہیں اور پھر ان کی تصدیق کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا بہترین ذریعہ ہے۔ جس سے سچ اور جھوٹ، حق و باطل، صحیح و غلط الگ الگ ہو جاتے ہیں اور نتیجے کے طور پر جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں ان کی صداقت مستند اور صحیح ہوتی ہے۔

تحقیق کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. (الصف:۲)

"وہ بات کیوں کہتے ہیں جس پر عمل نہیں کرتے؟"

مطلب صاف ہے محض زبانی جمع خرچ اور کھوکھلے دعوے کرنا، یہ بات اللہ کو بہت ناگوار ہے۔ اس لئے قرون اولیٰ کے مسلمان بلا تحقیق کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ تدوین حدیث کے معاملے میں روایت، درایت اور جرح و تعدیل کے ایسے اصول وضع کیے کہ آج تک ان کی مثال ملنا محال ہے۔

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (الحجرات ۶)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو تم نادانی سے نقصان پہنچا دو۔ پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔"

سورہ التوبہ میں ارشاد ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (التوبہ:30)

''اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔
یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں۔''

کلام الٰہی کی مندرجہ بالا تین آیتوں کو ملا کر اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ:
تحقیق سے مراد سچائی تک رسائی، جاننا، سمجھنا اور بات کو بلا کسی خوف و خطر، کھول کر بیان کرنا ہے تحقیق دراصل سچائی، حق اور حقیقت ہی کا دوسرا نام ہے۔ یوں بھی اس کا مادہ (ح ق ق) ہے اور اس کا مطلب حق کا ثبوت ہی لیا جا سکتا ہے۔

حق کی ضد باطل ہے اور سچ کا متضاد جھوٹ ہے۔ اس لحاظ سے تحقیق کے بغیر چیزوں کا مان لینا جہالت اور حماقت ہے اور ان سے نہ بچنا گمراہی ہے محض زبانی اور بے دلیل دعوؤں کیلئے کلام حقیقی نے ''ذلك قولهم بافواههم'' کی صورت میں سخت تنبیہ کی ہے انہیں اسلامی اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس سے آپ صحیح اور غلط میں امتیاز کرتے ہیں اور پھر صحیح کی مدد سے اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہیں۔ جب آپ نے تلاش و جستجو سے جسے آپ تحقیق یا ریسرچ کا نام دیتے ہیں'' صحیح کو تلاش کر لیا تو پھر آپ جو نتائج نکالیں گے، جو رائے قائم کریں گے اور جو بات اس کی روشنی میں کہیں گے وہ بھی مستند اور صحیح ہو گی۔ (11)

بالفاظ دیگر قرآنی اصولوں کے مطابق علم و ادب کے میدان میں تحقیق و جستجو کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کھرے اور کھوٹے اور حق و باطل میں امتیاز اور تاریخی و علمی روایات تحقیق کی بے لاگ چھانٹ سے گزر کر ہی سند کا درجہ حاصل کرتی ہیں۔ ہمارے اسلاف نے رسول اکرمؐ کے اقوال و احوال کی تحقیق اور تصدیق کیلئے جن مصائب اور دشواریوں کا سامنا کیا وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہیں اور تحقیق کے مختلف میدانوں میں

رہنما بھی۔

تحقیق اور محقق کے بارے میں اسلامی اصول:

اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق تحقیق، مخصوص حالات میں مخصوص شواہد اور روایات کی روشنی میں اس صداقت کی تلاش ہے جو محقق کی دسترس میں ہو یا اس کی دسترس میں ہو سکتی ہو۔ اِس کو اجتہاد کا نام بھی دیا گیا ہے یعنی صداقت اور حقیقت تلاش کرنے کے لئے مقدور بھر کوشش کرنا۔ اس صورت میں تحقیق مطلق سچائی کی دریافت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ عین ممکن ہے کہ آج جن معلومات کو مستند سمجھ کر نتائج اخذ کئے گئے ہیں کل وہ ناقص ثابت ہوں یا آج جن شواہد کو حرف آخر مانا گیا، ان کے بالکل متضاد شواہد سامنے آ جائیں اور آج کے دعووں کو باطل کر دیں۔ اس لئے تحقیق اپنے زمان و مکان میں رہ کر صداقت کو تلاش کرنے کا نام ہے۔ مطلق صداقت اس کے دائرے اور دسترس سے باہر ہے۔ تحقیق کا مقصد نئے حقائق کی تلاش اور معلوم حقائق کی توسیع یا ان کی خامیوں کی تصحیح ہوتی ہے۔ جس موضوع پر تحقیق کی جاتی ہے اس میں متعلقہ موضوع پر نئی بات کہی جاتی ہے یا نیا پہلو تلاش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ بات بالکل نئی ہو۔ موضوع پر پہلے کہی ہوئی بات میں جدید معلومات کا اضافہ بھی تحقیق ہے۔ پہلے سے تحقیق شدہ موضوع کو نئے پہلو سے تلاش کرنا یا اس کے نئے پہلو پر بحث کرنا یا روشنی ڈالنا بھی تحقیق ہے۔

اسلامی اصولِ تحقیق میں یہ بھی واضح ہے کہ انسانی زندگی ایک نظام یا ضابطے کے تحت ہے اسے دیکھنا، سمجھنا اور پرکھنا تحقیق ہے۔ دراصل ذہن، شخصیت اور جذبے کی تنظیم و ترتیب علم کی بنیاد ہے۔ اس ترتیب کو اصول اور ضابطے کے ماتحت ہونا چاہئے۔ انسانی زندگی کو محض اتفاقات کا مجموعہ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے پیچھے کارفرما اصول دریافت کرنے چاہئیں۔ اور ایک بار یہ فارمولا ہاتھ آ جائے تو اس کا پوری دیانتداری اور غیر جانبداری سے انطباق کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں محقق کی بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔

محقق کی موضوع پر گرفت مضبوط ہونی چاہئے۔ کیونکہ ایمانداری اور تلاش حقیقت میں ان دونوں کی بہت اہمیت ہے۔ بغیر ثبوت اور دلیل کے کوئی بات تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو۔ روایت اور تعصبات کے پردے میں چھپی ہوئی صداقتوں کے چہرے سے نقاب الٹنے کی ہمت ہو۔ محقق کا مطالعہ بہت وسیع ہونا چاہئے۔ محقق بیدار، مستعد اور منطقی ذہن کا مالک ہو، تحقیق کے لئے ذاتی دلچسپی ضروری ہے۔ شوق اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ صداقت اور تلاش حق کی لگن اور ذوق بھی ہو۔ محقق کو بہت زیادہ احتیاط، زیادہ محنت اور زیادہ دیانتداری کی ضرورت ہے۔ کیونکہ محقق کے قلم کی ہر لغزش اور فکر کی ہر بے ربطی سے اس کی تہی مائگی اور کوتاہ فکری کا اظہار ہوگا جو اسلامی اصولِ تحقیق کے منافی ہے۔(12)

تحقیق دور حاضر کے ماہرین کی رائے میں:

بعض ماہرین کی رائے میں تحقیق ایک باضابطہ فن نہیں بلکہ ایک علمی رویہ ہے ''جو کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے''۔ اس کا مقصد حقیقت کی بازیافت ہے۔ دوسرے لفظوں میں ''حقیقت کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے کا نام تحقیق ہے۔ اس کے اپنے اصول اور ضابطے ہیں جن کی مدد سے تحقیق ہر بیان یا واقعہ کو منطقی انداز سے پرکھ کر صحت یا غلطی کا تعین کرتی ہے''۔ کسی امر کی اصلی شکل کی دریافت اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ صحیح صورت حال معلوم ہو سکے۔ اس سلسلے میں جو شہادتیں مہیا کی جائیں اور جو معلومات حاصل کی جائے وہ ایسی ہونی چاہئے کہ استدلال کے کام آسکے تاکہ واقعات کی ترتیب میں صحیح طور پر اس سے مدد ملے اور حدود تحقیق کے اندر نتائج نکالے جاسکیں۔

اِن ماہرین کی رائے کو مطلقاً درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تحقیق ایک مسلسل عمل ہونے کی حیثیت سے ایک علم اور ایک باضابطہ فن ہے اور اس میں اصلیت کا تعین، اس وقت تک حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے اور اس عمل میں جب بھی ایسی نئی معلومات حاصل ہوں گی جو اصول تحقیق کے مطابق قابل قبول ہوں تو انہیں لازماً قبول کرلیا جائے

گا۔ خواہ وہ نئی معلومات پچھلے مسلمات کی تکذیب کرتی ہو یا ان کی مزید تصدیق کرتی ہو یا اس کی مدد سے اضافے ممکن ہوں۔ دریافت کا عمل اسی طرح جاری رہتا ہے۔(13)

خلاصہ

مختصر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اسلام میں تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔ اس کی بنیاد تلاش و جستجو، مشاہدات تجربات اور علوم کی افہام و تفہیم پر ہوتی ہے۔ تحقیق ایک محتاط، سرگرم جستجو اور مسلسل کاوش کا اظہار ہے، جس میں مروجہ حقیقتوں کی تصدیق، نئی حقیقتوں کی تلاش اور سچائی کا کھوج مضمر ہے۔ اس کا مرکز کوئی موضوع یا مسئلہ ہوتا ہے جسے حل کیا جاتا ہے یا کوئی نئی بات، پہلے کہی ہوئی بات کی تصحیح یا اُس کا نیا پہلو دریافت کیا جاتا ہے۔ تحقیق کو بطور ایک طرز زندگی اپنانا، اور سچی لگن رکھنا، مختلف علوم سے واقفیت، اہم، مستند اور بنیادی مآخذ تک رسائی حاصل کرنا، حقائق کی تلاش اور چھان پھٹک، مواد کی ترتیب و تنظیم اور پیشکش تحقیق کے بنیادی لوازم ہیں۔ ان تمام لوازم اور اسلامی اصول تحقیق کے مآخذ، شرعی حیثیت اور اُس کے مقاصد پر آئندہ ابواب میں تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

حوالہ جات

پہلا باب (فصل اول)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ الشاطبی الامام ابراھیم بن موسیٰ۔ کتاب الاعتصام۔ قاھرہ مکتبہ المنار 1331ھ 244/1 مزید دیکھیے۔ڈاکٹر صلاح الدین ثانی۔ تحقیقی مقالات کی ترتیب۔کراچی۔ مکتبہ یادگار شیخ الاسلام 2008 ص:1-5

۲۔ الجوزیہ۔ابن قیم۔ الطرق الحکمیۃ والسیاسۃ الشرعیۃ تحقیق محمد جمیل غازی۔قاھرہ۔ مطبعہ المدنی۔1377ھ ص۔403

۳۔ ابن خلدون۔ علامہ عبدالرحمٰن۔ مقدمہ ابن خلدون۔ البطعہ الثالثۃ بیروت۔ دارالکتاب العربی۔ 1956ء 754/1

۴۔ السمہودی۔وفاءالوفاءبأخبار دارالمصطفیٰ۔ تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید۔مصر۔مبطعہ السعادۃ 1374ھ 15/1

۵۔ ابن خلدون۔مقدمہ 784/1

۶۔ ابن حزم الظاھری الامام۔ الاِحکام فی اصول الأحکام تحقیق احمد شاکر۔مصر مطبعہ السعادۃ 1347ھ ص 104

۷۔ الذھبی الامام۔شمس الدین محمد بن احمد۔تذکرۃ الحفاظ الطبعہ الثالثۃ۔حیدرآباد دکن ہندوستان۔مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ۔1956۔ 70/1

۸۔ صبحی صالح ڈاکٹر۔علوم القرآن مترجمہ غلام احمد حریری۔ فیصل آباد ملک سنز۔1984۔ص 98-99

۹۔ اصول تحقیق۔ مرتبہ ایم سلطانہ بخش وغیرہ۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔ کوڈ نمبر 711۔ ص 8

۱۰۔ مسلم امام۔ صحیح مسلم۔ کتاب الفرائض 603/1۔ بلیق۔ منھاج الصالحین 282/

۱۱۔ ایم سلطانہ بخش ڈاکٹر۔ اردو میں اصول تحقیق۔ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان طبع اول ص 63-64

۱۲۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن۔ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان 40/1994

۱۳۔ اصول تحقیق (کوڈ۔ 711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد/34

پہلا باب:

فصل ثانی

اسلام میں علم و تحقیق کی حقیقت، تحقیق کی شرعی حیثیت، مآخذ واہم عناصر

تحقیق کا مفہوم

اسلام تمام سابقہ و جدید نظریات کے برعکس اپنی تمام اصطلاحات میں معنویت، حقیقت نگاری اور جامعیت کا حامل ہونے کے ساتھ انسان فطرت کا عکاس بھی ہے، نقاد بھی ہے اور نقاش بھی ہے۔ مثلاً لفظ اسلام کو لے لیں یہ لفظ اس نظریہ کی ساری حقیقت کو روز روشن کی مانند واضح کر دیتا ہے۔ اسی رویہ کے تحت اسلام نے علمی دنیا میں نئی دریافت کے لئے لفظ تحقیق اختیار کیا ہے۔

اسلام میں تحقیق نئے حقائق کی تلاش یعنی دریافت کا نام ہے بسا اوقات، اس سے مراد معلوم حقائق کو نئے انداز میں پیش کرنا بھی ہوتا ہے۔ اسلام نے اس عمل کے لئے لفظ تحقیق اس لئے منتخب کیا ہے کہ اس کا مادہ (ح۔ق۔ق) ہے، جس کا معنی حق کا ثبوت ہے۔ لفظ تحقیق اسی مادہ ''حق'' سے باب تفعیل کا صیغہ ہے۔ اس لفظ کو دور حاضر کی عربی زبان میں ''بحث'' یعنی غور کرنا اور تحقیق کرنے والے کو ''باحث'' بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ تحقیق اردو میں مروج ہے لیکن عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ اور تحقیق کرنے والے کو ''محقِق'' پہلے قاف کی زیر کے ساتھ کہتے ہیں۔ لفظ تحقیق باب تفعیل سے ہے اور باب تفعیل کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں کوئی چیز مبالغہ کی حد تک پائی جاتی ہے۔ مثلاً تفسیر، تصدیق، تسلیم

وغیرہ۔اس کے لغوی معنی چھان بین، دریافت، جستجو، تلاش اور کسی چیز کو کریدنا یعنی اس کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔(1) یہ امر واضح ہے کہ حق ہمیشہ باطل کی ضد اور برعکس ہوتا ہے۔اسی سلسلہ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل :۸۱)

اور اعلان کردو کہ ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا''۔

اس لئے لفظ تحقیق میں، حق یعنی سچائی، صداقت، حقیقت، پاکی، کھرا پن اور اصلیت کو پوری طرح حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں واضح انداز میں بیان کرنا ہے۔یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ جس طرح حق کا برعکس باطل ہے، اسی طرح سچ کا متضاد جھوٹ ہے۔اس لئے تحقیق سے مراد صداقت اور سچائی تک رسائی، ان کا ادراک، ان کو اچھی طرح سمجھنا اور پھر، ان کو بنی نوع انسان کے سامنے پیش کردینا ہے۔گویا کہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام میں تحقیق، صداقت، سچائی، حق اور حقیقت کا مطالعہ، ان کی آگہی اور، ان کے بیان کا نام ہے جس طرح ارشادِ ربانی ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (التوبہ :۳۰)

''یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔یہ سب بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔''

یعنی غیر حقیقی، جھوٹی، کھوٹی، مشکوک، باطل اور محض ظن و گمان پر مبنی معلومات و علمی اشیاء اسلامی اصول کے مطابق تحقیق نہیں کہلائی جاسکتیں۔

تنقید کا مفہوم:

تحقیقی میدان میں لفظ تحقیق کے ساتھ لفظ تنقید کا بھی اکثر استعمال ہوتا ہے مثلاً'' تنقیدی جائزہ لینا۔تنقیدی نوٹ لکھنا۔کتاب پر تنقید کرنا۔اسلوب نگارش پر تنقید کرنا

وغیرہ۔" اردو زبان وادب میں تو تنقید ایک فن بن چکا ہے اور اس پر مختلف کتب مثلاً "فن تنقید اور تنقیدیں" کے عنوان سے مرتب ہو چکی ہیں۔ علوم اسلامیہ میں بھی اعلیٰ تعلیمی ڈگری کے حصول کے لئے مقالہ نویسی میں اگر عنوان کے ساتھ تنقیدی جائزہ، تنقیدی مطالعہ، تنقیدی نظر وغیرہ، کے الفاظ نہ ہوں تو اُس عنوان یا موضوع کا مختلف کمیٹیوں سے منظور نہ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

تنقید اردو لفظ ہے جس کا معنی کسی چیز کو پرکھنا ہے، کسی چیز کی حقیقت کو یعنی اُس کے کھوٹے اور کھرے پن کو جانچنا۔ کسی چیز کی ماہیت اور اُس کی اچھائی برائی یا حُسن و قبح کا جائزہ لینا۔ کسی معاملہ یا خبر کی صداقت کو دریافت کرنے کے لئے اُس کی مختلف طریقوں سے آزمائش کر کے حقیقت کو واضح کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ اردو میں یہ لفظ عربی سے ماخوذ ہے، اس کا مادہ نَقْد اور حروفِ اصلیہ (ن۔ق۔د) ہیں۔ عربی زبان میں تنقید کے بجائے عمومی طور پر نَقَد کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس سے مراد ہے کلام کی خوبی اور بُرائی ظاہر کرنا، دراہم ودینار کو پرکھنا، کھوٹے سکّوں کو کھروں سے علیحدہ کرنا، کسی شاعر کے کلام کے عیب ظاہر کرنا۔" اسی سے لفظ "النقاد" نکلا ہے جس سے مراد وہ انسان ہے جو روپے پیسوں میں کھرے اور کھوٹے علیحدہ کر دے اور کسی کے کلام پر تنقید کرے۔ اردو میں لفظ نقد اُدھار کے برعکس بولا جاتا ہے۔

اس تمام لغوی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تنقید سے مراد کسی علمی معاملہ کی اچھائی برائی، حُسن و قبح، کذب وصدق کو پرکھنے، جانچنے اور حقیقت حال کو واضح کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے علوم اسلامیہ میں محدثین کے تنقیدی اصول یا سیرت نگاروں کے تنقیدی اصولوں وغیرہ سے مراد یہ ہے کہ ان علوم کی حقیقت، اچھائی برائی اور کذب و صدق کا جائزہ لے کر اُن کے محاسن اور عیوب کو واضح کر دینا ہے۔

تنقید کے اِس مفہوم اور تحقیق کے مفہوم میں مکمل اتفاق ہے اس لئے دونوں لفظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتے اور مل کر بھی استعمال ہوتے

ہیں مثلاً تحقیقی وتنقیدی جائزہ، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ وغیرہ۔

اسلامی اصول تحقیق کا مختصر تعارف:

اسلامی اصولوں کے مطابق تحقیق میں دعوے سند کے بغیر قابل قبول نہیں، اور سند کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ قابل اعتماد ہو۔ اس لئے علوم اسلامیہ میں، اس امر کا بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے راوی کون ہے اور کن حالات میں یہ روایت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تحقیقی عمل کے ذریعہ مطلق سچائی کو دریافت کرنے کی ہدایات نہیں دیتا بلکہ علماء اور سکالر حضرات کی رائے میں یہ مختلف زمانہ اور حالات کے لحاظ سے موجودہ شواہد کی بنیاد پر صداقت کو تلاش کرنے کا نام ہے۔ یہ امر ممکن ہے کہ ایک دور کے محقق نے کسی مسئلہ پر جن معلومات اور مآخذ کو بعض دلائل کی بنیاد پر مستند مان کر نتائج اخذ کئے ہیں وہ آئندہ ادوار میں اس بنیادی اہمیت کے حامل نہ رہیں اور بعد کے ادوار میں سابقہ تحقیقی نتائج سے مختلف یا اس سے متضاد نتائج اخذ ہوں۔ جس طرح تفسیری میدان میں ہر دور کے مفسرین قرآنی آیات کی تفسیر میں نئی سے نئی ایسی معلومات پیش کرتے ہیں جو سابقہ مفسرین کی کتب میں نہیں ہوتی۔ مزید مختلف احادیث کی قبولیت میں محدثین کا اختلاف یا فقہی مسائل میں فقہاء کا بسا اوقات ایک ہی مسئلہ پر بالکل متضاد آراء کا حامل ہونا اور اسی طرح بقیہ علوم اسلامیہ کے مطالعہ سے بھی یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ تحقیق اپنے زمان ومکان میں رہ کر حالات وزمانہ کی رعایت رکھتے ہوئے صداقت اور حقیقت کی تلاش کا نام ہے۔ اس لئے تمام علوم اسلامیہ میں صرف عقائد کے میدان کو چھوڑ کر تمام علوم میں اجتہاد کے دروازہ کھلے ہیں اور سابقہ پندرہ صدیوں میں کسی کی تحقیق بھی حرف آخر نہیں مانی گئی۔ آج کا محقق بھی ان سابقہ ائمہ، علماء، محققین اور سکالرز کی تحقیق کی جانچ پڑتال کرسکتا ہے۔ اور اپنے قوی دلائل کے ساتھ ان پر تنقید اور ان سابقہ اہل علم کے بیان کردہ نتائج سے ہٹ کر نئے نتائج پیش کرسکتا ہے۔ یہ کوئی خیالی بات نہیں بلکہ امام ابن تیمیہ ابن قیم جوزیہ علامہ ابن حجر

عسقلانی، شاہ ولی اللہ، انور شاہ کشمیری، ابن خلدون، ابن حزم ظاہری اور اسی طرح کے لاتعداد علماء کی تصنیفات اس تحقیقی نظریہ کی واضح دلیل ہیں۔

علوم اسلامیہ میں علم اور حکمت کی حقیقت:

جس طرح یہ بات واضح ہے اور اس کا آپ آئندہ سطور میں تفصیلی مطالعہ کریں گے کہ تمام علوم اسلامیہ مثلاً علمِ تفسیر علمِ فقہ، علمِ کلام، سیرت نبی ﷺ، علمِ تصوف، سیاسیات، معاشیات وغیرہ کے بنیادی مآخذ و مصادر دو ہیں۔

۱۔ قرآن

۲۔ حدیث یا سنت

ان دو مصادر میں ہمیں لفظ تحقیق، اُن معانی میں جس کا مطالعہ آپ اِس فصل کی ابتداء میں کر چکے ہیں، نہیں ملتا۔ اس لفظ کا مادہ (ح۔ق۔ق) ہے اور یہ لفظ حق قرآن مجید میں مختلف انداز سے سینکڑوں مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس سے مراد صرف علمی میدان میں حقیقت کو واضح کرنا نہیں ہے۔ ان دو مآخذ میں جو لفظ فنی طور پر تحقیق سے ملتے جلتے معنی میں استعمال ہوا ہے وہ حکمت ہے جس کو "الحکمۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ مسلم سکالر وعلماء کرام کی رائے میں حکمت اعلیٰ ترین درجہ کی علمی صلاحیت کا نام ہے۔ اس لئے تحقیق کو بھی ایک رائے کے مطابق حکمت کا ایک حصہ کہا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ رائے حتمی نہیں ہے اِس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت کے قریب تر ہے۔ جس طرح آپ سابقہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسلامی میں تحقیق اُس کی علمی دنیا کا حصہ اور اُس کا عروج ہے۔ اس لئے لفظ حکمت یا تحقیق کی بحث سے قبل علم کے مفہوم اور اقسام بیان کرنا ضروری ہے۔

لفظ علم کا مفہوم اور اِس کی دو اقسام: نافع و غیر نافع:

قرآن و حدیث میں اکثر مقامات میں دو لفظ علم و حکمت اکھٹے یا علیحدہ علیحدہ بیان

ہوئے ہیں گویا کہ علم پہلی سیڑھی ہے۔ اور حکمت اس علمی دنیا کا عروج ہے۔ علاوہ ازیں ایک لفظ کتاب بھی حکمت کے ساتھ متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے۔ اس میں لفظ کتاب سے مراد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ خالص وحی جسے ہم وحی متلو (جس کی تلاوت کی جائے) کہتے ہیں، یعنی یہ علم وحکمت کا ماخذ ہے۔ اور دوسرا لفظ علم سے مراد کسی چیز کی معرفت یا کسی امر کے بارے میں معلومات رکھنا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی موجودگی میں فرشتوں سے بعض چیزوں کے نام پوچھے تو انہوں نے جواب دیا کہ:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ (البقرہ ۳۲:۲)

انہوں نے کہا: نقص سے پاک آپ کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دیا

لیکن بسا اوقات یہ لفظ علم اچھی چیزوں کی معرفت کے ساتھ ساتھ بری اور ضرررساں اشیاء کی معرفت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی نوع انسانی کے لئے نفع بخش اور ضرررسان دونوں قسم کے معلومات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح قارون کے قصہ میں وارد ہے کہ جب اس کی قوم کے بعض لوگوں نے اسے اپنے عہدہ اور مال پر تکبر کرنے سے منع کیا تو اس نے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (القصص :۷۸)

''اس نے کہا کہ یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھے حاصل ہے۔''

اسی طرح سورہ الزمر میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب یہ مصیبت میں پھنستا ہے تو مجھے پکارتا ہے اور جب میں اس کسی نعمت سے نوازتا ہوں تو وہ کہتا ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ .(الزمر ۴۹)

"وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے اپنے علم کی بنا پر دیا گیا ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ المومن میں تذکیر بایام اللہ کے ذکر میں سابقہ تباہ شدہ اقوام کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنی مادی ترقی پر اس قدر غرور تھا کہ جب انبیاء ان کے پاس میرا پیغام لے کر آئے تو ان کا طرزِ عمل یہ تھا:

فَلَمَّا جَائَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

(المومن: ۸۳)

"جب ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو وہ اسی علم میں مگن رہے جو ان کے پاس تھا۔"

اسی طرح اور متعدد مقام پر لفظ علم سے مراد ایسی معرفت اور ایسی معلومات ہیں جو اس انسان یا ان اقوام کو فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ مثلاً سورہ المحمد: ۱۶، الجاثیہ آیۃ ۲۳ کا مطالعہ بھی اس نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ علم کے اس معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام میں علم کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو یہ ہیں:

۱۔ علم نافع

۲۔ علم ضار یا غیر نافع

اس لئے رسول اکرم ﷺ نے بھی یہ دعا مانگی تھی کہ:

اللھم أنی اعوذبك من علم لا ينفع. (2)

"اے اللہ تعالیٰ میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

اسلام نے علم نافع کو حقیقی علم شمار کیا ہے اور علم ضار یا غیر نافع کو جہالت کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ جس طرح قریش مکہ میں سے بنو امیہ کے عمرو بن ھشام نامی شخص کو علمی تبحر کی وجہ سے ابوالحکم کے نام سے پہچانا جاتا تھا لیکن اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہوئے بھی کچھ ذاتی اسباب کی وجہ سے اس پیغام حق کی مخالفت نے اس کو ابوجہل بنا دیا۔ کیونکہ اس کا علم، نفع کا

باعث نہیں تھا۔ یہی صورت حال آج کے یورپی معاشرہ کی ہے کہ جس کی نیچرل سائنس اور سوشل سائنس بنی نوع انسان کے لئے جزوی فائدہ لیکن عمومی نقصان کا باعث ہیں، جس کی وجہ سے ان کی علمی ترقی کو بھی ہم جدید جاہلیت کا نام دیتے ہیں۔

جاہلیت کے تین انداز معروف ہیں:

1- کسی چیز کے بارے میں مکمل معلومات نہ رکھنا جہالت ہے۔ مثلاً مجھے خالق کائنات کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ اس کے میرے اوپر کس قسم کے احسانات ہیں اور میرے اوپر اس کے کیا حقوق ہیں۔

2- کسی چیز کے بارے میں ناقص یا غلط معلومات رکھنا بھی جہالت ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اس کے بارے میں مبہم اور ناقص معلومات رکھنا کہ وہ خود تمام امور سرانجام نہیں دیتا بلکہ کچھ اور لوگوں کا محتاج ہے۔ ناقص علم اور جہالت ہے۔

3- کسی چیز کی صحیح معلومات ہونے کے باوجود اس کو اپنے مفادات کی وجہ سے غلط انداز سے پیش کرنا بھی جہالت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ○

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔"

اس کی دوسری مثال دور حاضر کے سائنسدانوں کی طرف سے کائنات کے آغاز کے بارے میں بگ بینگ (Big Bang) کا نظریہ پیش کرنا ہے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ کائنات کو کسی ایک ذات نے باقاعدہ تدبیر اور ایک نظام کے تحت پیدا کیا اور چلا رہا ہے۔

لفظ حکمت تحقیق کا مترادف:

اسلامی مآخذ علم میں لفظ حکمت عمومی طور پر علم کے ذریعہ حقیقت کو پا لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ گویا کہ حکمت بھی علمی دنیا کا ہی ایک حصہ یا اس کی بلندی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد مرتبہ مختلف انداز میں استعمال ہوا ہے، اور تمام سے تقریبا مندرجہ بالا مفہوم ہی مراد لیا جاتا رہا ہے۔ اور اس لفظ کے دقیق مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء کا فرض منصبی بھی کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا تھی۔ گویا کہ کتاب کے علوم کی حقیقت سے لوگوں کا آشنا کرنا اور اس کے مفہوم کو اس دور کے حالات کی روشنی میں بنی نوع انسان کے لئے اس طرح آشکارا کرنا کہ اس سے ان کو سراسر، سرتاسر اور سرتاپا فائدہ حاصل ہو حکمت کہلاتا ہے۔ اور یہ مقصد اردو میں لفظ تحقیق کا ہے جس کا مطالعہ آپ اسی باب کی فصل اول میں کر چکے ہیں۔ لفظ حکمت میں لفظ علم کی طرح نافع وغیر نافع کی اقسام بھی نہیں اور اس سے مراد صرف فائدہ پہچانا ہے۔ اس لئے علوم اسلامیہ کے یہ دو مآخذ قرآن وحدیث یا قدیم اسلامی لٹریچر میں لفظ تحقیق باقاعدہ اصطلاح کی صورت میں موجود نہیں تھا لیکن اس اصطلاح کی روح اور مکمل تعریف اپنی اعلی اقدار کے ساتھ لفظ حکمت یا الحکمۃ میں موجود تھی اور محقق کی جگہ لفظ حکیم مستعمل تھا۔ جس طرح لقمان حکیم، یہ لفظ دین اسلام کے دور اول سے آج تک مسلمانوں میں زبان زد عام اور تمام عالم اسلام میں مروج ہے۔ جس طرح دور حاضر کے دوسرے اسلامی علوم مثلا اسلامی سیاسیات، اسلامی معاشیات، اسلامی قانون بین المالک، اقتصاد اسلامی وغیرہ، ان موجود اسماء کے ساتھ دور قدیم میں متداول نہیں تھے بلکہ ان کے نام کچھ اور تھے اور دور حاضر کے اہل علم نے انہیں قدیم علمی مآخذ سے دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق علیحدہ علیحدہ کر کے ان اسماء سے موسوم کر کے یہ ثابت کیا یہ تمام علوم اوائل اسلام سے مسلمانوں میں صرف مروج ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس دور میں ہی انہیں عروج ثریا سے ہمکنار کر دیا تھا۔

اسی طرح لفظ تحقیق بھی دورِ قدیم میں لفظ حکمت کے معنی میں صرف مروج نہیں تھا بلکہ انہوں نے اس کو ایسی مضبوط بنیادیں قائم کی تھیں کہ جو آج تک اس فن میں روشنی کا عظیم مینار ہیں۔ اس سے اس امر کو بھی تقویت ملتی ہے کہ علم وحکمت بنیادی طور پر ایک ہی اصطلاح اور ہم معنی ہیں، البتہ علم پہلی سیڑھی ہے اور حکمت آخری سیڑھی ہے یا علم ابتداء ہے اور حکمت اس کا عروج وکمال ہے۔

حکمت کا مفہوم:

لفظ حکمت کا مفہوم بھی سابقہ سطور کے دعوے کو تقویت دیتا ہے۔

اس کے معنی کچھ اس طرح ہیں۔

اصابة الحق بالعلم و العقل. (3)

''علم اور عقل کے ذریعہ حق کو پالینا حکمت ہے۔''

عبارة عن معرفة افضل الاشياء با فضل العلوم. (4)

''حکمت بہترین علوم کے ذریعہ بہترین اشیاء کی معرفت حاصل کر لینا ہے۔''

الاصابة في القول و العمل. (5)

''قول اور عمل میں حق کو اختیار کر لینا حکمت ہے۔''

وضع كل شئى موضعه. (6)

''حکمت ہر شے کو اس کے حقیقی مقام عطاء کر دینا ہے۔''

ان تمام تعریفوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکمت حق یعنی کس چیز کی حقیقت کو سمجھنا اور اسے بیان کرنا ہے اور اسی عمل کا نام اردو میں تحقیق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی صاحب حکمت یعنی محقق کی تعریف اس طرح کی ہے۔

ومن يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا.(البقرة :٢٦٩)

اور جس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔

اس طرح اس حکمت یعنی ملکہ تحقیق کے بارے میں وارد ہے:

الحکمة ضالة مومن فحیث وجدھا اجدربھا. (7)

حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے، جس جگہ سے بھی اسے ملے وہ اس کو حاصل کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

حکمت انبیاء کا خاصہ، حکمت و تحقیق میں قدر مشترک:

جس طرح سابقہ سطور میں واضح ہو چکا ہے کہ کتاب وحکمت کی تعلیم دینا تمام انبیاء کا فرض منصبی تھا۔ تو اس سلسلہ میں قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وارد ہے۔

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ. (الزخرف: ۶۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔

حضرت لقمان کے بارے میں وارد ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ. (لقمان: ۱۲)

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہے:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ (ص: ۲۰)

اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اور اس کو حکمت عطاء کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے بارے میں ہے:

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ. (النساء: ۵۴)

ہم نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطاء کی

تمام انبیاء مرسلین کے بارے میں یہ واضح کر دیا کہ:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ.

(آل عمران :۸۱)

اور یاد کرو، اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں حکمت و دانش سے نوازا ہے۔

اسی روش کی مانند نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بھی واضح کیا۔

وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ. (البقرہ:۱۲۹، آل عمران ۱۶۴، الجمعہ:۹)

اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

حکمت کا عملی مظہر:

پھر انبیاء کے اس فرض منصبی کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکمت کے معنی بھی واضح کر دیئے کہ حکمت بنی نوع انسان کی خیر خواہی کا نام ہے۔ جس طرح سورہ لقمان کی تمام نصیحتوں کا مطالعہ اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۳ تا ۳۹ تک میں مکارم اخلاق کی نصیحتیں اور ابدی معاشرتی حقائق جو بنی نوع انسان سے محبت، اخوت، پریم، بھائی چارہ کا درس ہیں، دے کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ. (بنی اسرائیل:۳۹)

یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔

گویا کہ بنی نوع انسان کی خدمت کا جذبہ اور اس سے محبت حکمت ہے اور اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کا فرض منصبی فریضہ تبلیغ دین کی ادائیگی کے دوران لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا طریقہ واضح کرتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ. (النحل :۱۲۵)

اے نبی ﷺ اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دو حکمت کے ساتھ۔

ان تمام آیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکمت قرآنی تعلیمات اور

قرآنی علوم کے مطالعہ یا مدد سے ایسی اعلیٰ ذہنی صلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعہ ہر دور میں بنی نوع انسان کو درپیش مسائل حل کیے جاتے ہیں اور انسانوں کو ان کے حالات و زمانہ کی رعایت کے مطابق فائدہ پہچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا آغاز انبیاء کرام سے ہوتا ہے اور پھر ان کے مقرر کردہ اصولوں کو مدنظر رکھ کر جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں وہ اس میدان میں کامیاب اور جو انبیاء کے اصولوں کو ترک کر کے کوشش کرتے ہیں وہ ناکام اور علم غیر نافع کے داعی ہوتے ہیں۔ اور تحقیق کا فن بھی بے شمار ضوابط میں اسی حکمت کے اصولوں کا حامل ہے۔

اس تمام بحث کا مطالعہ کرنے کے بعد جب آپ اِسی باب کی فصل اول میں لفظ تحقیق کی تعریف کا تفصیلی مطالعہ کریں گے تو آپ کا ذہن گواہی دے گا کہ دورِ قدیم میں لفظ تحقیق بھی مروج تھا اور اس کے ساتھ ساتھ لفظ حکمت لفظ تحقیق کے بدل کے طور پر بھی مروج تھا۔ جس طرح فقہاء کے تحقیقی اصول، محدثین کے تحقیقی اصول، سیرت نگاروں کے تحقیقی اصول، مورخین کے تحقیقی اصول اور مختلف علوم کے ماہرین کے تحقیق اصول یا منہج کے الفاظ بھی مروج تھے، لیکن قرآن و حدیث کی زبان میں ان تمام اصولوں کو حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

تحقیق کی شرعی حیثیت:

اسلام میں حکم شرعی سے مراد کسی کام کی شرعی حیثیت کا تعین کرنا ہے، یعنی اِس کام کی اہمیت اسلامی شریعت میں کس قدر ہے۔ کیا یہ کام کرنا بہت ضروری ہے یا اس سے اجتناب بہت ضروری ہے یا اس سے رک جانا ضروری ہے یا غیر ضروری، اِن امور کی بحث اصول فقہ کا ایک ذیلی عنوان ہے۔ اس عنوان کے تحت حکم شرعی کو دو اقسام میں، 1 حکمِ تکلیفی، 2 حکمِ وضعی میں تقسیم کیا گیا ہے اور پھر حکمِ تکلیفی کو احناف نے آٹھ اقسام اور بقیہ فقہائے نے پانچ میں تقسیم کیا ہے، جو درج ذیل ہیں۔

1-احناف کی تقسیم:

ا۔ فرض ۲۔واجب ۳۔ سنت مؤکدہ۔
۴۔ سنت غیر مؤکدہ۔ ۵۔ حرام۔ ۶۔ مکروہ تحریمی۔
۷۔ مکروہ تنزیہی۔ ۸۔ مباح۔(8)

2-جمہور کی تقسیم:

ا۔واجب ۲۔مندوب یا سنت ۳۔حرام ۴۔مکروہ۔۵۔مباح

اس لحاظ سے اگر ہم تحقیق کی شرعی حیثیت کا مطالعہ کریں تو یہ تحقیق کی درج ذیل چار شرعی حیثیتیں واضح ہوتی ہیں۔

ا۔ فرض ۲۔ سنت ۳۔ مباح ۴۔ حرام (9)

مشہور اسلامی مصنف ابن اثیر (۶۰۶ ـ م) جو ''جامع الاصول فی احادیث رسول'' کے مصنف ہیں اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا حاصل کرنا فرض ہے اور دوسری وہ جس کا حاصل کرنا نفل ہے، پھر فرض کی دو قسمیں ہیں فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض کفایہ کے سلسلہ میں اولیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار صحابہ کی تحصیل علم کو حاصل ہے جو علوم اسلامیہ کا دوسرا ماخذ ہے۔

تحقیقی عمل کا فرض ہونا:

تحقیق میں نئے حقائق کی تلاش ہو یا معلوم حقائق کی حفاظت کر کے انہیں نئے انداز میں پیش کرنا ہو، یا کوئی اور قسم ہو، حالات وزمانہ اور واقعات کے تناظر میں کبھی مسلمانوں پر فرض ہو جاتی ہے، مثلاً اگر ضرورت کے وقت اہل علم واہل حکمت ودانش کسی علمی مسئلہ میں نئی تحقیق اور نئے حقائق سامنے نہیں لائیں گے اور اس مسئلہ سے متعلق حقیقت کو عوام الناس کے سامنے آشکارا نہیں کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے۔ اور قیامت کے دن عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس کو علوم اسلامیہ کی ایک اصطلاح ''کتمان علم'' میں واضح کیا گیا ہے۔

جس طرح حدیث میں وارد ہے۔

من سئل عن علم فکتمه، الجم یوم القیامة بلجام من نار.

(ابو داود ترمذی، کتاب العلم باب کتمان العلم) (10)

جس عالم دین یا سکالر سے کسی علم یا مسئلہ کی وضاحت کے بارے میں استفسار کیا گیا۔ اور اس نے اس مسئلہ کو جانتے ہوئے بھی اس سے لوگوں کو آگاہ نہ کیا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔

یہاں مسئلہ کی وضاحت سے مراد اس نئے مسئلہ کو تحقیق واجتہاد کے ذریعہ حل کر کے عوام کے سامنے پیش کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے جب حالات نئے علوم کی دریافت یا نئی تحقیق کو آشکارا کرنے کا تقاضہ کر رہے ہوں اور اہل علم سکالر حضرات اپنے حجروں کی آغوش میں تسبیح و مناجات میں مصروف ہوں، مزید کسی مسئلہ کے بارے میں نئی تحقیق، یا کسی اسلامی علم پر معترضین کے اعتراضات کا تحقیقی انداز میں جواب، یا کسی سابقہ اسلامی علم کی نئے حالات و واقعات کی روشنی میں جدید تحقیقی انداز میں ترتیب، یا علوم کی حفاظت کے نئے طریقہ، یا نئے دریافت شدہ علوم سے اسلامی اصولوں کے مطابق استفادہ کا طریقہ واضح نہ کر رہے ہوں تو اس قسم کے محققین، حکیم اور صاحب حکمت لوگوں کے لئے اوپر بیان کردہ حدیث میں وعید ہے کیونکہ اس وقت تحقیقی عمل فرض ہو جاتا ہے۔ اِس فرض کو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی ادا کیا تھا۔

رسول اکرم ﷺ پر حفاظت قرآن مجید کی فرضیت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی حفاظت کے متعدد متفق علیہ تحقیقی طریقہ اختیار کرنا فرض تھا۔ اس لئے آپ نے یہ فرض درج ذیل طریقوں سے ادا کیا:

۱۔ قرآن مجید کو تحریری صورت میں محفوظ کیا

۲۔ اس تحریری صورت کو ایک نہیں متعدد متقی لوگوں کے پاس محفوظ کرایا

۳۔ اس تحریری سرمایہ کو با قاعدہ ایک ترتیب دی جسے ترتیب توقیفی کہتے ہیں

۴۔ اس تحریری سرمایہ کے مطابق قرآن مجید کو حفظ کرنے کا اہتمام کیا

۵۔ اس محفوظ شدہ قرآن کے لاتعداد حفاظ اپنی موجودگی میں بنائے

۶۔ ان حفاظ کرام سے اسی ترتیب کے تحت متعدد مرتبہ قرآن مجید سنا

۷۔ اس قرآن مجید کے متعدد علماء کرام جو فقیہ صحابی یا قراٴ کے نام سے مشہور تھے تیار کئے

۸۔ اس قرآن مجید کے علماء کو جو قراء کے نام سے مشہور تھے تمام عالم عرب میں اس علم کی روشنی پہنچانے کیلئے بھیجا

۹۔ اس قرآن مجید کو روزانہ ناظرہ باقاعدگی سے خود بھی پڑھا اور تمام اصحاب کو صرف اس کی تلقین ہی نہیں کی بلکہ اس سلسلہ میں ان کی نگرانی کر کے ان کو اس کا باقاعدہ پابند بنایا

۱۰۔ اس قرآن کی تعلیمات کو تمام دنیا ارضی کے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا (11)

غرضیکہ یہ اور اس قسم کے اور متعدد امور اس کتاب کی حفاظت سے متعلق تھے۔ آپ پر فرض تھے۔ یہ تمام وہ تحقیقی طرق حفاظت تھے جن کی بنیاد پر آج اقوام عالم میں صرف اور صرف مسلمان ہی اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہماری کتاب قرآن مجید تمام تحقیقی معیاروں پر پوری اتر کر دنیا کی واحد الہامی کتاب ہے جس میں دور حاضر میں ایک حرف بھی غیر الہامی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ. الآیہ (المائدۃ:٦٧)

اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔

دوسرے مقام پر "بلاغ مبین" یعنی صاف صاف واضح انداز میں، شک وشبہ سے بالاتر اور تحقیقی اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں پر پہنچانا ہے اور یہ

تمام اصول دراصل تحقیقی اصول ہیں۔ جن کا آپ آئندہ ابواب میں مطالعہ کریں گے۔

صحابہ کرامؓ اور مزید علماء پر تحقیقی اصولوں کی پاسداری کی فرضیت:

اسی طرح صحابہ کرامؓ پر حدیث رسول کی حفاظت اور اسلام کے پیغام کو علمی انداز میں حالات وزمانہ کی رعایت کرتے ہوئے دوسری قوموں تک پہنچانا فرض تھا کوئی سنت یا مباح نہیں تھا۔ اس لئے متعدد صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے حفاظت حدیث کے تحقیقی اصول، تفسیر قرآن کے تحقیقی اصول، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے تحقیقی اصول واضح کئے جو آج ہمارے لئے روشنی کا مینار اور اقوام عالم پر اپنا علمی وتحقیقی رعب قائم کرنے کا باعث ہیں۔

اسی طرح پہلی صدی ہجری کے آخر اور دوسری صدی ہجری کے آغاز کے علماء کرام پر حفاظت حدیث کے لئے علم الاسناد، علم الجرح والتعدیل، علم الرجال، علم اقسام الحدیث اور اس قسم کے متعدد علوم کو تحقیقی بنیادوں اور معیاروں کے مطابق دریافت کرنا، قائم کرنا اور عوام الناس کو ان سے آشنا کرنا فرض تھا، جو انہوں نے بحسن خوبی ادا کیا۔ جس کی آج ہم شہادت دیتے ہیں۔

اسی طرح ہر دور میں اس دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر فقہی اجتہاد اور جو تحقیق کی ایک قسم ہے اور نئے علوم کی دریافت فرض عین یا فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے جس طرح دور حاضر میں رد استشراق، قرآن یا حدیث کی تفسیر سائنسی علوم کے ذریعہ، غیر مسلموں کے اسلام پر اعتراضات کا علمی جواب، اسلام کی حقانیت کو دور حاضر کے تناظر میں ثابت کرنے کی کوششیں اور اس قسم کی تمام علمی وتحقیقی کوششیں وکاوشیں اسلام میں فرض کا درجہ رکھتی ہیں۔

اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث بہت اہمیت کی حامل ہے جس میں اہل علم اور محققین کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے اُن کا فرض منصبی اور اُن کی خصوصیات احسن انداز

میں واضح کردی گئی ہیں وارد ہے،

اطیعو اللہ واطیعو الر سول وأولی الأ مر منکم . یعنی اھل الفقه والدین و اھل طاعة اللہ. الذین یعلّمون الناس معالی دینھم. یامرونھم. بالمعروف و ینھونھم عن المنکر فاوجب اللہ طاعتھم.(12)

اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اور یہ اولی الامر علم نافع رکھنے والے علماء و محققین (فقہاء) ہیں جو لوگوں کو اسلام کا باقی تمام مذاہب ونظریات پر دینی تفوق یعنی فوقیت برقرار رکھنے کے نئے نئے علوم سے آگاہ کرتے ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اس قسم کے علماء، سکالر اور محققین کی اطاعت اللہ تعالی نے فرض قرار دی ہے۔

تحقیقی عمل کا سنت یا مباح ہونا:

اسلام میں تحقیقی عمل حالات کے تقاضوں کے مطابق ہی فرض سنت یا مباح ہوتا ہے۔ اگر حالات نئے علوم کا شدت سے تقاضا کررہے ہیں تو ان علوم کی ایجاد فرض ہے۔ جس طرح ۱۸۷۰ء میں برصغیر میں حکومت برطانیہ کے جھنڈے تلے کلکتہ کے ایک عیسائی گورنر ولیم میور نے ایک کتاب 'حیات محمدؐ'(The life of Muhammad) تحریر کی اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق اپنی غلیظ زبان میں اس قدر بے بنیاد الزام لگائے کہ تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ اس دور میں اس کے الزامات کا جواب دینا مسلمان علماء و سکالرز پر فرض ہو گیا تھا۔ اس لئے برصغیر میں رد استشراق کے بانی سرسید احمد خاں نے لکھا ہے کہ میں وہ کتاب پڑھ کر کئی راتوں تک سو نہ سکا۔ اور آخر انہوں نے اس فرض کو ''خطبات احمدیہ'' کتاب لکھ کر پورا کیا اور علم رد استشراق کی بنیاد رکھی۔ اور

ولیم میور کے خبث باطن کو واضح کر کے حقیقی صورت حال کو آشکارا کیا۔ آج اس موضوع پر لکھنا سنت کے درجہ پر بھی اور اسی طرح علم اسماء الرجال کی بحثوں کو دور حاضر میں واضح کرنا مباحات کے درجہ پر ہے۔(13)

گویا کہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تحقیق کی شرعی حیثیت زمانہ کے حالات اور تقاضوں کے مطابق فرض، سنت، اور مباح کا درجہ حاصل کرتی جاتی ہے۔

تحقیقی عمل کا حرام ہونا:

اسلام بلا شبہ دنیا کا واحد دین، نظریہ، فکر یا زندگی گذارنے کا طریقہ ہے جس نے "دین کی چابی سے دنیا کے تالے کو کھولا ہے" یعنی دنیا ایک مخفی خزانہ تھی جس کو کسی مقام پر بند کر کے اس پر تالا لگا دیا گیا تھا۔ اب اس خزانہ کو استعمال کرنے کے مختلف طریقہ متعدد لوگوں نے آشکارا کیے، لیکن سب نے اس کو مختلف انداز سے کھولا۔ اسلام نے اس خزانہ سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ اور ذریعہ دین کو بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر دنیوی عمل عبادت ہے اور ان اعمال میں تحقیق اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ اس لئے صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے:

تعلموا العلم، فان طلبه عبادة، ومذاكرته تسبيح، والبحث عنه جهاد وتعليمه من لا يعلمه صدقة. يرفع الله به اقواماً فيجعلهم فى الخير قادة وائمة تقتص آثارهم ويقتدى بافعالهم وينتهي الى رايهم (14)

علم کو حاصل کرو کیونکہ اس کا حصول عبادت، اسکو یاد رکھنا اور علمی مشاغل میں مصروف رہنا تسبیح، اس میں تحقیق کر کے مزید علوم روشناس کرانا جہاد اور اس کو دوسروں تک پہنچانا یا عام لوگوں یا علم نا آشنا قوموں کو صاحب علم بنانا صدقہ ہے۔ اس علم کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ قوموں کو دنیا کی سیادت کا منصب عطا کرتے ہیں۔ اور وہ قومیں خیر اور بھلائی یعنی

بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے میں لوگوں کی قائد بن جاتی ہیں۔ انہیں کے نقش قدم پر قومیں چلتی ہیں اور ان کے عمل کی پیروی اور ان کے آراء کو حرف آخر مانا جاتا ہے۔

اس قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحقیقی عمل جہاد ہے اور اسلام نے جہاد کو فی سبیل اللہ سے مقید کیا ہے اور اس کا مقصد بنی نوع انسان کی بھلائی اور ان کو خیر پہنچانا متعین کیا ہے۔ اس لئے ایسا تحقیقی عمل جو بنی نوع انسان کو نقصان پہنچانے کا باعث ہو یا اس سے لوگوں کو نقصان پہنچے اسلام میں حرام ہے

مثلاً دین میں نئی تحقیق کے ذریعہ ایسے علوم ایجاد کرنا یا اسلامی عقائد کی اس طرح سے نئے انداز میں تشریح کرنا کہ جس سے امت میں فرقہ بندی ظہور پذیر ہو، مسلمانوں میں جنگ وجدل شروع ہو جائے، بے چینی کی فضا پیدا ہو جائے یا امت ٹکڑوں میں بٹ جائے حرام ہے۔ جس طرح معتزلہ نے فتنہ خلق قرآن، خوارج کا عقائد میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر اور غیر خارجی کو خارج از اسلام اور قابل قتل قرار دینا اور اس طرح کی دور قدیم کی تاریخ میں مثالیں یا دور حاضر میں اسلامی سوشلزم، اسلامی جمہوریت، فتنہ انکار حدیث، فتنہ انکار ختم نبوت، فتنہ متغربین وغیرہ قسم کی تحقیق حرام ہے۔

اس کے علاوہ نئی سائنسی ایجادات میں ایسی سائنسی ایجاد جو غارت گر انسان ہو۔ مثلاً جدید اسلحہ سازی، ہائیڈروجن بمب، نیوٹرون بمب، گیس بمب وغیرہ کی ایجاد بھی اس صورت میں حرام ہے کہ جب اس بات کا یقین ہو کہ جن لوگوں کو یہ اسلحہ بنا کر دے رہے ہیں انہوں نے اسے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ اسے نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کرنا ہے اصول فقہ کے اصول، سد الذرائع کے تحت حرام ہے۔(15)

گویا کہ ہر وہ تحقیقی عمل جس سے انسانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، مشہور فقہی ماخذ، "سد الذرائع" کی بنیاد پر اور مزید فقہی قاعدہ لاضرر ولا ضرار فی الاسلام (نقصان دینا یا نقصان کرنا اسلام میں جائز نہیں) کو مدنظر رکھتے ہوئے حرام ہے اس پر قرآن مجید کی یہ

آیت بھی دلالت کرتی ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد:۱۷)

جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔

اسلام کی تبلیغ کا تحقیقی طریقہ سے آغاز:

لفظ تحقیق کی بحث اور شرعی حیثیت کے بیان کے دوران یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت دنیا میں موجودہ ادیان، مذاہب، نظریات، افکار اور طریق ہائے زندگی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں صرف اور صرف اسلام ہے جس کا آغاز تحقیقی طریقہ سے ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اعلانیہ تبلیغ کا آغاز کرو جس طرح ارشاد باری ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء:۲۱۴)

اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو دین کی دعوت دو۔

تو آپ نے اپنے پیغام کو تحقیقی انداز میں پیش کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جو درج ذیل ہیں۔

1-رسول اکرم ﷺ کے شخصی کردار کا جائزہ:

سابقہ پیرہ میں بیان کردہ سورہ الشعراء کی یہ آیت نازل ہوئی تو آپ اِس آیت کے حکم پر تحقیقی طریقہ کے مطابق عمل کرنے کے لئے مکہ کی پہاڑی کوہ بنو قبیس پر پہنچے اور کھڑے ہو کر اس زمانہ کی روایت کے مطابق ایک خاص آواز لگائی اور اپنی چادر لہرائی۔ جس کے نتیجہ میں مکہ کے اکثر لوگ اس پہاڑی کے نیچے اکٹھے ہو گئے آپ نے ان سے فرمایا

یا معشر قریش أرائیتکم لو اخبرتکم ان خیلابا لوادی ترید

ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی(16)

اے قریش کے لوگو! تم مجھے بتاؤ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکل کر تم پر حملہ کرنے والی ہے تو تم میری تصدیق کرو گے؟

ان تمام لوگوں کا مشترکہ جواب یہ تھا کہ:

قالو نعم جرّبنا علیك الا صدقا(17)

اہل قریش نے کہا کہ ہاں ہم آپ کی خبر تسلیم کریں گے کیونکہ ہم نے کبھی آپ سے سوائے سچ کے اور تجربہ نہیں کیا۔

اب اس واقعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے یہ تحقیقی طریقہ اختیار کیا کہ پہلے اپنی شخصیت کی صداقت کا تمام سے اظہار کرایا۔ یعنی جو شخص آج تک جھوٹ نہیں بول سکا۔ تو اب اس پیغام میں کیسے جھوٹ بولے گا۔

پھر رسول اکرم کی شخصیت کی تحقیق کے بارے میں قرآن مجید میں بھی چیلنج کی صورت میں وارد ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (یونس ۱۶)

اور کہو اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہوتی تو میں قرآن مجید کبھی تمہیں نہ سناتا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتے۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گذار چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تحقیقی اصولوں کے مطابق کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چالیس سالہ قبل از دعویٰ نبوت زندگی میں کوئی اس طرح کی آفاقی باتیں، توحید کا درس، سابقہ قوموں کے حالات، آخرت کے احوال کا بیان، یا اس طرح کی مزید خبریں کبھی دیتے رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور آپ کی صداقت کا تمام کو یقین ہے تو تحقیقی اصولوں کے مطابق آپ کی باتوں کا منبع وحی شمار ہوگا۔

2- پیغام نبوی ﷺ کا تحقیقی جائزہ:

اسی طرح شخصیت کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد قرآن مجید نے آپ کے لائے ہوئے پیغام کو بھی تحقیقی اصولوں کے مطابق پرکھنے کا حکم دیا ہے اور نبی کے لائے ہوئے پیغام کی معاشرتی خوبیاں بیان کر کے ایک تحقیقی معیار مقرر کر دیا ہے جس طرح وارد ہے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۱۵۷)

وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لادے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

اب اس آیت کو کسی دین، مذہب، فکر وغیرہ کو پرکھنے کی کسوٹی بیان کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو اس کے مطابق پرکھنے کا واضح تحقیقی معیار پیش کیا گیا ہے۔

اسلام کے اس ابتدائی تحقیقی انداز، جو آج تک جاری و ساری ہے، میں اقوام عالم کے لئے ایک واضح اعلان ہے کہ اگر کسی بانی مذہب وفکر نے اپنی ذات کے بارے میں عوام الناس سے رائے لی ہو یا کسی پیغام یعنی دین، مذہب یا فکر نے اپنے پرکھنے کے لئے علمی و عملی معیار اپنی کتب میں بیان کئے ہوں تو وہ لائے۔ لیکن یہ خوبی اور شرف صرف اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ انہوں نے آغاز ہی تحقیقی اصولوں کے مطابق کیا اور یہی اصول اس مذہب میں ابھی تک رواں دواں اور جاری و ساری ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

اسلامی نظریہ علم و تحقیق کے بنیادی عناصر:

اسلام کے نظریہ علم اور تحقیق کے اسلامی اصول و آداب یا اسلام کے تصور تحقیق کے سلسلہ میں پہلی وضاحت یہ ہے کہ تحقیق یا اصول تحقیق بھی اسلام کے نظریہ علم کا ایک حصہ ہیں اور اس کی اونچائی یعنی عروج اور آخری سیڑھی ہیں۔ یہ اصول سابقہ اوراق میں بھی واضح کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں علم کے بارے میں جو تصور پایا جاتا ہے اسی سے اس کے اصول تحقیق بھی منسلک ہیں۔ اسلامی نظریہ علم و تحقیق کے درج ذیل پانچ عناصر ہیں جو اس کو باقی تمام علمی نظریات سے ممتاز یا بالکل علیحدہ وجود بخشتے ہیں۔

اسلامی اصولِ تحقیق کے پانچ اہم عناصر:

۱۔ تمام علوم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہمہ قسم کے اسلامی علوم کے دو مآخذ بنانا۔

(۱) قرآن مجید

(۲) حدیث یا سنت النبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ بنی نوع انسان کو علم کی وجہ سے تمام مخلوقات پر فضیلت دینا (گویا کہ انسانوں اور باقی جانداروں کے درمیان فرق کا باعث صرف علم ہی ہے)

۳۔ حصول علم کو انسانوں کے لئے فرض قرار دینا، اہل علم اور محققین کے مقام کو بہت بلند کرنا۔

۴۔ حدود علم کو وسیع کرنا۔

۵۔ علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا مقصود اور ماحصل یعنی نصب العین درج ذیل تین امور قرار دینا ہیں

الف۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان اور اس کا عرفان حاصل کرنا

ب۔ بنی نوع انسان کو نفع اور فائدہ پہچانا

ج۔ اس دنیا اور اس کے مابعد دنیا یعنی آخرت، دونوں میں کامیابی حاصل کرنا

ان پانچ عناصر کی وجہ سے اسلام کے نظریہ علم و تحقیق کے درج ذیل چار خصوصیات ہر دور میں واضح اور سورج کی مانند روشن رہی ہیں۔

۱۔ اسلام کی ابتداء سے دور حاضر تک اسلامی علمی و تحقیقی اصولوں کا تاریخی تسلسل یعنی اُن اصولوں میں یکسانیت اور یگانگت کا قائم رہنا۔

۲۔ ان تمام اصولوں کا فکری، نظریاتی، استنباطی وغیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ اور دوسرے علوم میں عملی، اطلاقی و تطبیقی ہونا۔

۳۔ علمی و تحقیقی میدان میں اخلاقی قدروں کی بنیاد رکھنا اور ان کو ہر دور میں قائم رکھنا۔

۴۔ علمی دنیا کے تمام میدانوں میں نئی تحقیق یعنی تجدد نہیں تجدید کا دروازہ کھلا رکھنا، اسلامی اصولوں پر مبنی نئی تحقیق کو خوش آمدید کہنا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنا۔

اِن عناصر کی اور اُن کے خصوصیات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ اسلامی اصولِ تحقیق کا پہلا عنصر:

علم کا منبع و مآخذ (اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس):

اسلام میں تمام علوم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اس نے بنی نوع انسان کو محدود علم سے نوازا ہے۔ کیونکہ لامحدود (Infinite) ذات صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے جس ذریعہ سے بنی نوع انسان کو دولت علم سے آشنا کیا ہے وہ وحی (Revelation) ہے۔ اس وحی کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وحی متلو (جس کی تلاوت کی جائے) اس کو قرآن کی زبان میں کتاب کہا گیا ہے

۲۔ وحی غیر متلو (جس کی تلاوت نہ کی جائے) اس کو رسولوں کی تعلیم کہا گیا ہے

اور یہ دونوں قسمیں قرآن اور حدیث وسنت کی صورت میں تمام علوم کا بنیادی مآخذ ہیں جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے منبع علم اور انسانوں کو محدود علم دینے کے بارے میں وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں خود واضح کرتے ہیں:

وَ لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ 255)

اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفت اور ادراک میں نہیں آسکتی اِلا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود اُن کو دینا چاہے۔

وَ مَآ اُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل:۸۵)

مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کو علم سے آگاہ کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدہ:۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی (دکھائیں گے) اور ان کے اپنے نفس (جانوں) میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے (ماخذ علم ہے)

کفار کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے وارد ہے

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یسین:۷۰)

اور وہ ہر ایک (طریقہ) تخلیق کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ .(الملک:۲۶)

اے رسول کہو، اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں تو بس صاف صاف خبردار کردینے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق فرشتہ بھی اس حقیقت کو اس انداز میں واضح کرتے ہیں

ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلماً (المومن:۷)

اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز پر چھایا ہوا ہے

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (الطلاق:۱۲)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کو اُس کی جاہلانہ باتوں کا جواب اس انداز میں دیتے ہیں،

إِنَّمَآ إِلَـٰهُكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا (طٰہٰ:۹۸)

لوگو تمہارا خدا تو بس ایک ہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے، ہر چیز پر اس کا علم حاوی ہے۔

ان تمام آیات اور اس طرح کی اور متعدد آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ منبع علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بنی نوع انسان کے پاس جتنا علم ماضی، حال یا مستقبل میں ہے یا ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت شدہ ہے اور بہت کم ہے۔

اولین معلّم: انبیاء کرام:

اس حقیقت کے بعد یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اللہ تعالیٰ یہ محدود علم بنی نوع انسان کو اپنے خاص بندوں کے ذریعہ دیتے ہیں اور ان بندوں کی ایک خاص قسم کے ماحول میں علمی و تحقیقی تربیت کر کے انہیں عامۃ الناس کی طرف بھیجتے ہیں اور انہیں رسول یا نبی کا خطاب دیتے ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ کے قصہ سے واضح ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ (آل عمران:۴۸)

(فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا) اور اللہ تعالیٰ اسے (حضرت عیسیٰ کو) کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے ذریعہ بنی نوع انسان تک علم پہنچاتا ہے ان کے ذہنی ساخت کو علم و حکمت یعنی دانائی کے خاص خزانوں سے بہرہ ور کرتا ہے پھر اس بات کا بھی برملا اعلان کرتا ہے کہ وہ رسول بنی نوع انسان کو ان اشیاء کی تعلیم

دیتا ہے۔ جن سے وہ آگاہ نہیں جس طرح ہے

وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ:۱۵۱)

تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

پھر یہ رسول ان تمام علوم کو واضح کر کے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ.

انکے پاس ان کے رسول کھلے دلائل اور صحیفہ اور روشن ھدایات (علم) دینے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ (فاطر:۲۵)

ان روشن دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی انبیاء کے علم یا تحقیق کو نہ مانے اور ان سے کج بحثی کرے تو اللہ تعالیٰ، ان لوگوں کے علم کو جاہلانہ بنیادوں پر مبنی قرار دے کر انہیں مباھلہ کی دعوت دے کر یہ بات واضح کرتے ہیں کہ میرے منبع علم کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف یہی رسول ہیں جس طرح آیت قرآنی ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا. (الآیۃ)

(آل عمران :۶۱)

یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اے نبی اس سے کہو کہ آؤ ہم اور تم خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

پھر ان تمام انبیاء و رسول یا جن کے اقوال کو مآخذ علم و تحقیق بنانا ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ متواتر اعلان کرتے ہیں کہ یہی لوگ صاحب علم و حکمت میں اور صرف اسی ماخذ سے تم حقیقی علم حاصل کر سکتے ہو: مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.

(یوسف :٦٨)

بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا مگر اکثر لوگ معاملہ کی حقیقت کو جانتے نہیں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا (یوسف ۲۲)

اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطاء کیے۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (النمل :١۵)

ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطاء کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا .(الانبیاء :۷۴)

اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم بخشا۔

حضرت ابراہیم کے متعلق ان کے ذریعہ کہلوایا:

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ. (مریم :۴۳)

ابا جان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت طالوت کی فضیلت کی وجہ بھی علم گنوائی۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ۔

(البقرة :۲۴۷)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے میں اُسے منتخب کیا ہے۔ اور اس کو علم اور بدنی قوتوں کی اہلیتیں فراوانی سے عطاء فرمائی ہیں۔

تمام انبیاء کے بارے میں متواتر طور پر اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے خاتم الانبیاء والمرسلین کے بارے میں بھی یہی اصول اس طرح واضح کیا:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا. (النساء :۱۱۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور وہ کچھ بتایا ہے جو آپ کو معلوم نہیں تھا۔ اور اس کا فضل تم پر بہت ہے۔

دوسرے مقام پر بتایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ (النجم. ۵.۴)

یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔

یہ اور اس طرح اور متعدد آیات یہ بات واضح کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو منبع علم ہے۔ جب اپنے علم سے بنی نوع انسان کو آگاہ کرتا ہے۔ تو صرف ان انبیاء اور مرسلین کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ اس لئے ان واضح آیات اور ابتداء اسلام سے دورِ حاضر تک تمام علماء، محققین اور سکالرز کی متفقہ رائے کی روشنی میں، جن کا مفہوم عبارۃ النص کے طور پر اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اسلامی اصولِ تحقیق میں مآخذ دو ہی ہیں۔

۱۔ قرآن مجید

۲۔ حدیث یا سنت صلی اللہ علیہ وسلم

ان دونوں مآخذ یا مصادر کی تفصیل کا آپ تیسرے باب میں مطالعہ کریں گے۔

۲۔ اسلامی اصولِ تحقیق کا دوسرا عنصر:

بنی نوع انسان کی علم کی وجہ سے فضیلت:

اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بے شمار مخلوقات پیدا کی

ہیں۔ جن میں چند کو انسان جانتا ہے اور اکثر سے ناواقف ہے پھر ان میں سے کچھ کو دیکھ سکتا ہے اور بعض کو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ یہ تمام مخلوقات گنبد نیلوفری میں مختلف مقامات پر رہائش پذیر ہیں لیکن انسان ابھی تک ان تمام کی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکا۔ ان تمام مخلوقات پر بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ نے اسی علم وحکمت کے جوہر کی وجہ سے فضیلت عطاء کی ہے۔

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے واضح ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (البقرۃ:۳۱)

اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر وارد ہے

خَلَقَ الْاِنْسَانَ . عَلَّمَهُ الْبَيَانَ. (الرحمٰن:۳-۴)

اس نے انسان کو پیدا کیا اور بولنا (علم) سکھایا۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ. (العلق:۴۔۵)

جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

اسی علم کی وجہ سے انسان کو مسجود ملائکہ بنایا اور مزید مقام عطاء کئے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ. (الحجر:۳۰)

چنانچہ تمام فرشتوں نے (انسان کو) سجدہ کیا۔

اسی طرح وارد ہے:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا.

(بنی اسرائیل:۷۰)

یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم (انسانوں) کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطاء کیں اور اپنی بہت سے مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

یہ آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سی مخلوقات پر اسے فوقیت اور فضیلت بخشی ہے۔ اگر انسان اپنے باعث فوقیت یعنی علم کو چھوڑ دے تو وہ باقی تمام مخلوقات سے بدتر ہو جائے گا اس کو یہ آیت واضح کرتی ہے۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ.

(الاعراف:۱۷۹)

وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔
یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔

۳۔ اسلامی اصولِ تحقیق کا تیسرا عنصر:

حصول علم کی فرضیت اور اہل علم کے لئے اعلیٰ مقام:

اسلامی نظریہ علم و تحقیق کے مطابق انسان کی عظمت وفوقیت اور فضیلت کا باعث علم ہے اس لئے حصول علم تمام مسلمانوں کے لئے خصوصا اور تمام انسانوں کے لئے عموما فرض قرار دیا گیا اور اس فرض منصبی میں مزید کشش اور رغبت پیدا کرنے کیلئے اہل علم کی بہت زیادہ تعریف، قدر دانی اور ان کے مقام کو بلند کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے مشہور حدیث ہے۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم(18)
علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله. (ترمذی کتاب العلم)(19)

جو علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلا وہ اللہ کے راستے میں ہے گویا کہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

وان الملائکہ لتضع اجنحتها لطالب العلم.

(ترمذی کتاب العلم)(20)

اور جب بھی طالب علم حصول علم کے لئے نکلتا ہے تو فرشتہ اس کی عظمت کی وجہ سے اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

اسی طرح پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دیا گیا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ. اقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ.

(العلق۔۱،۳)

پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔

پھر فرمایا کہ زمین میں چل کر علم حاصل کرو جس طرح آیت ہے:

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ. الآیہ.

(العنکبوت:۲۰)

ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی۔

پھر صاحب علم لوگوں کی اس طرح مدح سرائی اور تعریف کی۔

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ.

(المجادلۃ:۱۱)

تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اور اللہ اُن کو بلند درجہ عطاء فرمائے گا۔

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ. (العنکبوت:۴۳)

یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لئے دیتے ہیں۔ مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور آیت میں واضح فرمایا کہ:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ . (الزمر:۹)

ان سے پوچھو کیا جاننے والے (عالم) اور نہ جاننے والے (جاھل) دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی طرح حدیث میں بھی اہل علم لوگوں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

و ان العالم یستغفرله من فی السماوات و من فی الارض حتی الحیتان فی الماء، و فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب و ان العلماء ورثه الانبیاء و ان الانبیاء لا یور ثوا دینارًا ولا درهما انما ورثو العلم. (ترمذی. کتاب العلم).(21)

اہل علم، محقق و سکالر کا یہ مقام ہے کہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء حتی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کو عابدین و زاہدین پر ایسے فضیلت ہے جس طرح چاند کو تمام ستاروں پر علماء کرام اور محققین کا یہ مقام ہے کہ وہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء کرام اپنے ورثہ یا وراثت میں مال و دولت نہیں چھوڑے بلکہ وہ صرف علم کی دولت چھوڑتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث اہل علم کی فضیلت کو بار بار اور روز روشن کی طرح واضح کرتی ہیں۔ حتی کہ آل عمران کو آیۃ :۳۱ میں علمی دنیا میں ان کا مقام اللہ تعالیٰ اپنے برابر لے آتا ہے اور اس حدیث میں تو ان کی انبیاء کا قائم مقام، جانشین اور وارث شمار کیا گیا ہے ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل علم کو یہ مقام کوئی اور نظریہ، مذہب، دین یا فکر عطاء نہیں کرتی جو اسے اسلام کے نظریہ علم میں ملتا ہے۔

۴۔اسلامی اصولِ تحقیق کا چوتھا عنصر:

علمی حدود کی وسعت:

سابقہ تمام نقاط کا مطالعہ یہ بات واضح کرتا ہے کہ اسلام کے نظریہ علم و تحقیق میں علم کو کسی خاص دائرہ میں محبوس یا محدود نہیں کیا گیا، کہ صرف قرآن کی آیات کا مطالعہ اور حدیث رسول ﷺ کی تعلیم ہی علم ہے اور بقیہ علوم کا حصول علم نہیں ہے۔ اسلام نے تمام علوم جن میں بنیادی سائنس (Basic Science) قدرتی سائنس (Natural Sciences) معاشرتی سائنس (Social Sciences) لسانیات (Languages) اور اس طرح کے تمام شعبوں کو علم قرار دیا ہے۔ سابقہ سطور میں اہل علم کی تعریف کی گئی ہے، لیکن کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ اس سے مراد دور حاضر کے مدارس میں معروف صرف علوم قرآنیہ، علوم حدیث، فقہی علوم یا علم الکلام کے ماہرین ہیں، بلکہ ان آیات و احادیث میں حکم عام ہے خاص نہیں ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں سورۃ العنکبوت: ۲۰ میں وارد ہے کہ کیا ان لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) کس طرح مخلوق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں سیاحت کا حکم دیا اور اس میں تمام علوم حاصل کرنے کی نصیحت کی ہے۔ یہ علوم علم کائنات، علم فلکیات، علم حیاتیات، علم حیوانات اور علم نباتات وغیرہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان علوم کی اور پھر عام علوم کے ماہرین کی تعریف کی ہے۔

علمی وسعت کی بنیادیں:

اس عنوان کے تحت ساری بحث میں یہ بات بنیاد، جڑ اور اساس ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی علوم کے بنیادی مآخذ قرآن و حدیث سے آگاہی حاصل کئے بغیر دوسرے علوم کی تحصیل میں منہمک ہوگا تو اسے ان علوم کی مہارت حقیقی علمی مقاصد سے ہٹا دے گی اور اس کا وہ علم بنی نوع انسان کے لئے نقصان کا باعث ہوگا۔ اس لئے اسلامی اصول تحقیق کے مطابق ان بنیادی مآخذ سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے بعد پھر بقیہ تمام علوم کا مطالعہ اور ان میں تحقیق بنی نوع انسان کیلئے فائدہ کا باعث ہوگی ورنہ سراسر، سرتاسر اور سرتاپا وہ علم غیر نافع اور جہالت کی ایک قسم ہوگی۔ جس طرح قران مجید میں واضح کیا گیا ہے۔

> وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا. (الکھف: ۵۷)

> اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات (کائنات میں پھیلی ہوئی واضح نشانیاں) سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ ان سے منہ پھیر لے اور اس بڑے انجام کو بھول جائے جس کا سروسامان اس نے اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انہیں قرآن کی بات (پہلا مآخذ) نہیں سمجھنے دیتے۔ اور ان کے کانوں میں ہم نے گہرائی پیدا کر دی ہے۔ تم انہیں ہدایت (دوسرا مآخذ) کی طرف کتنا ہی بلاؤ وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

اس لئے اسلامی اصول علم و تحقیق کے مطابق ابتدائی طور پر ان دو مآخذ سے آگاہی،

ان کی معرفت اوران کی ہدایت کا مطالعہ کسی محقق یا صاحب علم کے لئے از حد ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ قرآنی علوم یا حدیث کے علوم میں گہرائی اور گیرائی حاصل کرے بلکہ ان کے بنیادی قواعد اور اصولی مباحث سے اس کی مکمل طور پر واقفیت ضروری ہے۔ ان مآخذ سے آشنا ہونے کے بعد پھر تمام کائنات کے علوم کا حصول یا ان میں تحقیق اسلامی تحقیق اور اسلامی علوم شمار ہوں گے اور قرآن مجید تو حدود علم کو بہت ہی وسعت دیتا ہے مثلا چند گوشے ملاحظہ ہوں۔

وفی الارض آیات للموقنین و فی انفسکم افلا تبصرون و فی السماء رزقکم. الایة(الزاریات:۴۹)

اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے۔اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہے۔کیا تم کو سوجھتا نہیں؟ آسمان ہی میں تمہارا رزق بھی۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ . الآية.(ق:٦)

اچھا تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کس طرح ہم نے اسے بنایا ورآراستہ کیا اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اُگادیں۔ یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں۔(علمی موضوعات ہیں) ہر اس بندے کے لئے جو(حق کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند بالا کھجور کے درخت پیدا کر دیئے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہہ بہ تہہ لگتے ہیں۔ یہ انتظام ہے۔بندوں کو رزق دینے کا۔اس پانی سے ہم مردہ زمین کی زندگی بخش دیتے ہیں(مرے ہوئے انسانوں کا زمین سے) نکلنا بھی اس طرح ہوگا۔

اسلامی علوم کی تفصیل:

سابقہ بیان کردہ آیات کی طرح سورۃ البقرہ: ۱۶۴، سورۃ الزاریات: ۴۹۔۴۷، النازعات: ۳۳۔۲۷۔آل عمران: ۱۹۰، لقمان ۱۱۔۱۲، فاطر: ۲۸ اور متعدد آیات جن علوم پر غور فکر کی دعوت اور ان کے مطالعہ و تحقیق کی طرف بلاتی ہیں وہ عمومی طور پر علوم شرعیہ کے علاوہ گہرائی میں جائے بغیر درج ذیل علوم بنتے ہیں:

۱۔ علم کائنات (Cosmoloay) الانبیاء: ۳۰۔حم السجدۃ: ۱۱، الملک: ۳۔

۲۔ علم الفلکیات (Astronomy) الصافات: ۶، حم السجدہ: ۱۲، الرعد: ۲

۳۔ علم طبیعات (Natural Sciecne) یونس: ۱۰۱، آل عمران: ۱۹۱۔

۴۔ علم پارچہ سازی (Taxtile) النحل: ۹۲

۵۔ علم الحیاتیات (Biology) المومنون: ۱۲، الحجر: ۲۶۔۲۸، السجدۃ: ۷۔

۶۔ علم التولد (الجنین)۔(Embryology) النجم: ۴۵، القیامۃ: ۳۹، الدھر: ۲۔

۷۔ علم البشریات (Anthropology) الصافات: ۱۱، المومن: ۵۷، النازعات: ۲۷۔

۸۔ علم نفسیات (Psychology) البقرۃ: ۷۴، الحج: ۴۶

۹۔ علم تاریخ: (History) الاعراف: ۱۰۱، ھود، ۴۹، المومن: ۷۸

۱۰۔ علم جغرافیہ: (Geography) النحل: ۱۵، الانبیاء: ۳۱، لقمان: ۱۰

۱۱۔ علم ارضیات: (Geology) فاطر: ۲۷

۱۲۔ علم معاشرت: (Sociology) الحشر: ۹، الحاقۃ: ۱۳، البلد: ۱۷

۱۳۔ علم آثار قدیمہ: (Archacology) آل عمران: ۱۳۷، طٰہٰ: ۱۲۸، الحج: ۴۵

۱۴۔ علم شہریت: (Civics) النور: ۲۷۔۲۹ لقمان: ۱۹،

۱۵۔ علم سیاسیات (Political Science) آل عمران: ۷۹، الحج: ۴۱، الشوریٰ: ۳۸

۱۶۔ علم نباتات: (Botany) الرعد:۳، یسین:۳۶، الذاریات:۴۹

۱۷۔ علم جنگلات: (Forestry) النحل:۱۰، یسین:۸

۱۸۔ علم الحیوانات: (zoology) الشوریٰ:۱۱، النور:۴۵

۱۹۔ علم طیور (Ornithology) النحل:۷۹، الملک:۱۹، الواقعۃ:۲۱

۲۰۔ علم حشرات: (Antomology) النحل:۶۸۔۶۹

۲۱۔ علم دھات (Metallurgy) آل عمران:۱۴، زخرف:۳۵، سباء:۱۲

۲۲۔ علم کان کنی (Mineralogy) الحدید:۲۵، الکھف:۹۶

۲۳۔ علم اسلحہ سازی (Armory) الانبیاء:۸۰، سباء۱۰۔۱۱

۲۴۔ علم بحریات (Oceanology) یسین:۴۱، شوریٰ:۳۳، البقرہ:۱۶۴

۲۵۔ علم جہازرانی (Navigation) یسین:۳۶ ۴۴ ۴۴، الرحمان:۲۴، النحل:۱۵

۲۶۔ علم جہازسازی (Shipyord) ھود:۳۷، القمر:۱۳، الحاقۃ:۱۱

۲۷۔ علم آب پاشی (Irrigation) الاعراف:۵۷، الروم:۳۰، الشوریٰ:۲۸

۲۸۔ علم آب (متحرک) (Hydrology) الانبیاء:۳۰، النور:۴۵

۲۹۔ علم غوطہ خوری وتیراکی (Divery & Swimming) الانبیاء:۸۲

۳۰۔ علم تعمیرات (Civil Engineering) الشعراء: ۱۲۸۔۱۲۹، سباء:۱۸۔۱۵، البقرہ:۱۲۷

۳۱۔ علم ھوابازی (Aironatics) النحل:۷۹، الملک:۱۹

۳۲۔ علم اصول تجارت (Comerce & yards) فاطر:۲۹، الروم:۳۹، البقرہ:۱۹۸

۳۳۔ علم شماریات: (Statistics) البقرہ:۶۰، الاعراف:۱۶۰

۳۴۔ علم زراعت: (Agriculture) السجدہ:۲۷، حم السجدہ:۳۹، البقرہ:۱۹۸

۳۵۔ علم ثقافت وفن (Culture & Civilization) الفرقان:۵۴، النحل: ۷۲، الروم:۲۲

۳۶۔ علم ریاضی (Mathematic) البقرہ:۲۶۱، الاحزاب:۳۰، آل عمران:۱۳۰

قرآن مجید نے ان تمام علوم کا ذکر تفصیلاً یا مختصراً مختلف پیرایہ میں تفصیلی طور پر یا ضمناً متعدد بار کیا ہے۔ اب یہ تمام علوم، قرآنی علوم شمار ہوں گے جس طرح قرآن مجید میں بیان ہونے والے قصہ قرآنی قصص، اس میں وارد ہونے والی مثالیں امثال القرآنیہ اور اس میں ذکر کی گئی شخصیتیں قرآنی شخصیات شمار ہوتی ہیں اسی طرح یہ علوم بھی قرآنی علوم کہلائے جائیں گے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نے ان تمام امور کو صرف ذکر نہیں کیا بلکہ ان پر غور و فکر اور تدبر یعنی تحقیق کرنے کی دعوت دی ہے جس طرح، فاطر:۲۸' میں وارد ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اس طرح انسانوں، جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اب یہاں پر علم رکھنے والوں کے علمی میدان کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ جس میں پانی برسنا، بادل، فلکیات، پہاڑ یعنی طبقات الارض و ارضیات، حیوانات، زراعت، حیاتیات، اور کئی علوم پر غور و فکر کرنے اور تحقیق کرنے کی اللہ تعالیٰ پر زور انداز میں دعوت دے رہے ہیں۔ اس آیت کا ابتدائی حصہ "کیا تم دیکھتے نہیں ہو" تحقیق کی دعوت دیتا ہے، درمیانی حصہ علوم کی وسعت پر دلالت کرتا ہے اور آخری حصہ ان علوم کے محققین کی صفات بیان کرتا ہے۔ گویا کہ اسلامی تحقیق کے بنیادی مآخذ سے آگہی حاصل کرنے کے بعد جب انسانی ذہن کی سمت اور رخ سیدھا ہو جائے تو یہ تمام علوم اسلامی شمار ہوں گے۔ کیونکہ ان علوم کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد مطالعہ نگار اور محقق پیچیدہ اور ظن و گمان پر مبنی نتائج کے بجائے حقیقت نگاری اور واضح یقینی نتائج کو اخذ کرتا ہے۔

۵۔اسلامی اصولِ تحقیق کا پانچواں عنصر:

علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے تین مقاصد:

الف۔ اللہ تعالیٰ (خالق کائنات) کی پہچان

ب۔ بنی نوع انسان کو فائدہ پہچانا

ج۔ دنیاوآخرت کی کامیابی

الف: اللہ تعالیٰ کی پہچان:

اسلامی اصول تحقیق کے مطابق تمام زمین وآسمان کے علوم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔اس نے بنی نوع انسان کو یہ ارضی وفانی وجود عطا کیا اور پھر علم کے زیور سے بھی آراستہ کیا اور مزید یہ کہ اس نے جو علم عطا کیا ہے وہ محدود ہے لامحدود نہیں جس طرح سابقہ عنوانات میں گزر چکا ہے۔ اس لئے تمام تحقیقات کا مقصود و ماحصل اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننا یعنی اُس کا عرفان اور اس کے علوم مرتبت کو اجاگر کرنا ہوگا۔جس طرح ایک طالب علم اپنے استاد کی عزت،عظمت،تعریف اور مدح سرائی اس وجہ سے کرتا ہے کہ اس نے اس سے علم حاصل کیا ہے۔اب جب استاد کی پہچان،اس کی عزت وتوقیر،اس کے علمی احسانات کا موقعہ بہ موقعہ ذکر اور اس کی قدر و منزلت کو بیان کرنا طالب علم کا فرض منصبی ہے تو جو اس علم کا منبع ہے اس کے حق میں یہ تمام اوصاف بیان کرنا تو حقِ اولین ہے بلکہ وہ تحقیق کا مقصود ومطلوب ہونا چاہئے اس لئے امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

من اشرف ثمرة العقل معرفة الله (22)

عقل (علم) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اس کا بہترین ثمرہ (پھل) ہے

تحقیقی مقصود کی نقلی دلیل:

اس لئے قرآن مجید میں وارد ہے کہ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے

آسمان اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان بحری جہازوں میں جو انسانوں کی ضروریات زندگی کا سامان ان کو پہنچانے کے لئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ آسمان سے برسا کر بنجر اور بے فائدہ زمین کو کارآمد اور زراعت کے قابل بناتا ہے۔ اور پھر ان تمام سابقہ بیان کردہ چیزوں کے ذریعہ زمین میں ہمہ قسم کی مخلوقات کو سامان زندگی مہیا کرنے میں ہواؤں کی گردش اور بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنے میں بے شمار نشانیاں ہیں کہ انسانوں اور ان تمام اشیاء کا خالق اور منبع علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن بعض لوگ ان کھلی کھلی واضح نشانیوں کے باوجود اپنی تحقیق کا مقصود اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شے کو سمجھتے ہیں۔

پھر آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱ میں یہ بھی وارد ہے کہ ان تمام نشانیوں پر غور کرنے کے بعد یعنی تحقیق کرنے کے بعد وہ علمی میدان میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے گن گاتے رہتے ہیں جس طرح وارد ہے۔

یذکرون اللہ قیاما و قعودا. (آل عمران ۱۹۱)

وہ صاحب عقل یعنی محققین اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کو ہی یاد کرتے رہتے ہیں گویا کہ ان کی تحقیق کا مقصود و منتہیٰ ذات باری تعالیٰ کی کبریائی اور تقدیس بیان کرنا ہوتا ہے اور وہ آفاق و انفس کے تمام گوشوں پر تحقیق کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف اور اس کی بزرگی کا بیان کرتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا و ما یذکر الا اولی الالباب. (آل عمران :۷)

جو لوگ علم میں گہرائی کے حامل ہیں (محققین) وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے اور یہ سب (علم) ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کسی چیز سے

صحیح سبق صرف دانشمند (محققین) لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

اسی مضمون کو سورہ النساء: ۱۶۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل علم کی تمام علمی سر گرمیاں کا منتہا اور نتائج اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے احکام کی بجا آوری ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں وارد ہے۔

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ(23)

علمی سرگرمیوں کا عروج خدا خوفی ہے۔

العالم من یخاف اللہ (24)

صاحب علم یا محقق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

تمام صاحب علم لوگوں نے بھی یہی روش اختیار رکھی مثلاً حضرت یوسف اور حضرت داؤد وہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تاویل اور مزید علوم سے نوازا تھا۔ تو انہوں نے بھی اپنی علمی مساعی کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرفان، اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کی کبریائی بیان کرنا قرار دیا تھا۔

جس طرح وارد ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ . (یوسف ۱۰۱)

اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کہ تہہ تک پہچانا سکھایا۔ زمین و آسمان کو بنانے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے۔

یہی مضمون النحل: ۱۹ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ سے بیان کیا گیا ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ تحقیقی سرگرمیوں کا مقصد ذات باری تعالیٰ کا عرفان، اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کے احسانات کا شکر ادا کرنا ہوگا۔

تحقیقی مقصود کی عقلی دلیل:

اس مقصد کو ایک اور عقلی دلیل کے ذریعہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی ایک ملک، مملکت یا سلطنت میں تمام اہل علم چاہے وہ سائنسدان ہوں، موجد ہوں، علماء ہوں، فلاسفر ہوں یا مصلح وغیرہ ہوں کی تمام علمی سرگرمیوں کا مقصد اس ریاست کو مضبوط رکھنا اور اس ریاست کی حکومت کو قائم دائم رکھنا ہوگا۔ آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ یورپ، ایشاء یا دوسرے براعظم کے کسی ملک کے سائنسدانوں نے اپنے ملک کی تباہی کیلئے کچھ نئے ہتھیار ایجاد کئے ہیں یا کسی مصلح، فلاسفر یا سکالر نے اپنے ملک کو برباد کرنے کیے لئے ایک بہترین فارمولا اور کلیہ ایجاد کیا ہے۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے آپ کسی عہد میں بھی اس کی مثال نہیں پا سکیں گے۔ جب ایک انسان اپنی ریاست وحکومت جس کے ذریعہ سے اسے تمام سہولتیں میسر ہوتی ہیں، کے خلاف کوئی نئی علمی ایجاد یا تحقیق نہیں لاتا تو اللہ تعالیٰ جو منبع علم ہیں اس کے بیان کردہ اصولوں کے خلاف کوئی تحقیق پیش نہ کرنا یا کوئی تحقیقی عمل نہ کرنا تو اولیٰ ہے۔ اس لئے اسلامی اصول تحقیق کے مطابق تمام علمی وتحقیقی سرگرمیوں کا مقصود منتہی اور ان کا آخری نقطہ اللہ تعالیٰ کی پہچان یا اس کی رضا کا حصول اور اس کے احکام کی بجا آوری ہوگا۔

ب۔ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا:

اس موضوع پر اِسی فصل کے سابقہ صفحات میں عنوان ''لفظ علم کا مفہوم اور اِس کی دو اقسام'' میں بھی روشنی ڈالتے ہوئے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلام میں علم کی دو قسمیں ہیں۔

1- علم نافع۔
2- علم ضار (نقصان دہ) یا غیر نافع

دوسری قسم کو اسلام نری جہالت تصور کرتا اور اس کے بارے میں ذرہ برابر بھی نرمی کا

رویہ نہیں رکھتا۔ اسی نظریہ کو مدنظر رکھ کر علامہ اقبالؒ نے بھی یورپ کی تمام علمی ترقیوں کو بد نیتی پر مبنی جہالت قرار دیا ہے۔ جس طرح آپ لکھتے ہیں

رکھتا ہے اب تک مہ خانہ شرق
وہ مہ کہ جس سے روشن ہو ادراک
اہل نظر ہیں یورپ سے نومید
ان امتوں کا باطن نہیں پاک

اول الذکر شعر میں "مہ خانہ شرق" سے مراد اسلامی علوم یا اسلامی اصول تحقیق ہیں اور "یورپ سے نومید" ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے علمی و تحقیق اصولوں کی بنیاد بنی نوع انسان سے محبت اور فائدہ پہنچانے پر نہیں بلکہ وہ ان کے اصولوں کی بنیاد علاقائیت، قوم و نسل، زبان، رنگ وخون اور اپنے خطوں کے نظریات کو نفع پہنچانے پر ہے۔

سابقہ صفحات میں اسلامی اصول تحقیق کی فرضیت وحرمت میں بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے۔ کہ جس طرح تحقیق کا مقصود ذات باری تعالیٰ کا عرفان اور اس کے احکام کی بجا آوری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک بڑا حکم اس کی مخلوق سے محبت اور اس کو نفع پہچانا ہے کیونکہ یہ بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے جس طرح حدیث میں وارد ہے۔

الخلق عیال اللہ (25)

مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون کے ماہرین فقہاء کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے دو مقاصد ہیں۔

"جلب المنفعه و دفع الضرر" (26)

بنی نوع انسان کو نفع پہنچانا اور ان سے نقصان کو دور کرنا۔

...اس کلیہ کی بنیاد ان قرآنی آیات پر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مختلف اشیاء

کے بارے میں یہ واضح کیا ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہیں کسی ایک خاص علاقہ، قوم، خطہ یا نظریہ کے حامل لوگوں کے لئے نہیں جس طرح کشتی کے بارے میں وارد ہے۔

وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ. (البقرۃ:۱۶۴)

ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں۔

جانوروں کے بارے میں ہیں

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ. (النحل :۵)

اس نے جانور پیدا کئے جن میں تمہارے لئے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی اور طرح طرح کے دوسرے فائدہ بھی۔

عبادات کے بارے میں ہے:

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى. (الحج:۳۳)

تمہیں ایک مقرر وقت تک ان قربانی کے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

لوہے کی بارے میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید :۲۵)

اور لوہا اُتار جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔

اور پھر یہ کلیہ بتا دیا گیا۔

وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد :۱۷)

اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔

اس طرح حدیث میں وارد ہے:

خير الناس من ينفع الناس(27)

بہترین انسان (محقق) وہ ہے جو (اپنی تحقیق سے) بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے۔

اللهم انی اسئلك علما نافعا.(28)

اے میرے رب میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو سراسر نفع کا باعث ہو۔

اللهم انی اعوذبك من علم لا ينفع(29)

اے میرے رب میں ایسے علم سے تیری پناہ میں آتا ہوں (یعنی اس علم سے مجھے محفوظ رکھ) جو بنی انسان کے لئے فائدہ مند نہ ہو (یعنی ایسی تحقیق جو بنی نوع انسان کے لئے سودمند نہ ہو)۔

ان أشد الناس عذابا يوم القيامة عالم لم ينفعه الله بعلمه(30)

قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں وہ صاحب علم ڈالا جائے گا جس نے اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یعنی اپنی تحقیق سے لوگوں کو آگاہ نہیں کیا یا اس کی تحقیق فائدہ مند نہیں تھی۔

اس طرح قرآن مجید میں ھاروت ماروت کے علم کی مذمت علم غیر نافع ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے۔

وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ (البقرہ:۱۰۲)

وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کے لئے نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی۔

اشیاء کو حرام بھی اسی وجہ سے قرار دیا مثلاً شراب کے بارے میں وارد ہے۔

اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرۃ:۲۱۹)

اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا نقصان ان کے فائدہ سے زیادہ ہے۔

ان تمام آیات واحادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ

اسلام میں تحقیقی و علمی عمل کا مقصود بنی نوع انسان کو فائدہ پہچانا ہو گا۔ اس کو نقصان پہچانا ذلیل کرنا اور اس کی اہانت نہیں ہوسکتا۔ یہاں پر یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ نئی سائنسی ایجادات جو تحقیقی عمل کا ایک حصہ ہیں، میں اگر جدید اسلحہ دنیا سے ظالموں کو ختم کرنے اور ظلم کی بیخ کنی کے لئے ایجاد کیا جاتا ہے تو یہ نفع آور عمل ہے اور اگر جذبہ قومیت، وطنیت یا علاقائیت وغیرہ کی تسکین کے لئے، دنیا میں فتوحات حاصل کرنے کے لئے، کھوپڑیوں کے مینار بنانے کے لئے یا دولت حاصل کرنے کے لئے اسلحہ سازی کی جائے تو یہ تحقیقی عمل نقصان کا باعث ہے اور حرام ہے۔ کیونکہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اس لئے اس سلسلہ میں محقق کی نیت کا جائزہ لینا پڑے گا۔

سیرۃ النبی ﷺ میں بے شمار مواقع ایسے آئے کہ جنگوں کے دوران یا چند اور مواقع پر دشمنان اسلام بھوک، پیاس یا قحط کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہوتے تھے لیکن آپ اس وقت اگر جنگ ہوتی تو محاصرہ اٹھا لیتے اور اگر کوئی اور موقع ہوتا تو اس حالت میں دشمنوں کی بھی مدد کرتے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں جنگی عمل بھی بنی نوع انسان کو فائدہ پہچانے کے لئے ہے نقصان کے لئے نہیں تو اسلحہ سازی کے تحقیقی عمل میں بھی اسی نیت کو مکمل طور پر برقرار رکھا جائے۔ (31)

ج۔ دنیا و آخرت کی کامیابی:

اسلامی اصول تحقیق میں محقق کی خصوصیات کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ تقوی کی صفت سے متصف ہو۔ تقوی کی متعدد تعریف مروج ہیں لیکن اسلامی اصول تحقیق میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ سے محبت، اُس کا خوف اور بنی نوع انسان سے محبت ہے۔ اور یہی دو نقاط اس عنوان سے ماقبل گزر چکے ہیں، کہ ذات باری تعالیٰ کی پہچان اور بنی نوع انسان کو فائدہ پہچانا۔ یہی دو نقاط تقوی کا عروج ہیں جن کو اسلامی ماخذ علم سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ دو مضامین اس طرح بھی بیان کئے جاسکتے ہیں کہ ایک محقق

اسلامی مآخذ پر ایمان لا کر جب بنی نوع انسان کے لئے سودمند تحقیق سامنے لائے گا تو وہ دنیاوی کامیابی حاصل کر رہا ہوگا اور جب اس کی وہی تحقیق اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور علو مرتبت کو واضح کر رہی ہوگی تو یہ اس کی اخروی کامیابی ہوگی۔ کیونکہ اسلام زندگی کو دو حصوں معاش اور معاد میں تقسیم کرتا ہے اور ثانی الذکر کا انحصار اول الذکر پر ہے یعنی اخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار اس دنیاوی زندگی پر ہے۔ اگر ایک محقق کی دنیاوی زندگی سابقہ دو امور کے مطابق گزر گئی تو اس کی اخروی زندگی خود بخود کامیابی سے ہمکنار ہوتی جائے گی اس لئے علامہ اقبال نے اس شعر میں یہ حقیقت واضح کی ہے،

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے　　　پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اور حدیث میں وارد ہے:

الدنیا مزرعة الآخرة.(32)

دنیاوی زندگی اُخروی زندگی کی کھیتی ہے۔

اور قرآن مجید میں بھی صاحب علم اور محققین کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہیں کہ وہ علمی تحقیق اور غور وفکر کے نتائج بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ انہیں جس طرح دنیا میں حقائق سے آگاہ کر کے کامیاب کر رہا ہے اسی طرح آخرت میں بھی انہیں کامیاب کرلے۔ جس طرح وارد ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(آل عمران :۱۹۱)

زمین وآسمان کی ساخت پر غور فکر کرتے ہیں اور (بے اختیار بول اٹھتے ہیں)

پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر (آل عمران : ۷) وارد ہے کہ دانشمند لوگ (محققین) اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جب تو ہمیں سیدھے راستہ (متقین والے) پر لگا چکا ہے تو

پھر ہمارے دلوں کی کجی میں مبتلاء نہ کر دیجیو (یعنی ہمارے تحقیق عمل کو بنی نوع انسان کے لئے نقصان کا باعث نہ بنایا) پروردگار تو سب لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے تو ہمیں خزانہ فیض سے رحمت (علم نافع) عطاء فرما تو حقیقی فیض دینے والا ہے۔

ان سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محققین اپنی تحقیق کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دنیا کی کامیابی اور آخروی کامیابی کے متمنی ہوتے ہیں اور اپنے تحقیق عمل کے دوران ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ان ہر دو کامیابیوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔

یہ اسلام کے نظریہ علم و تحقیق کے پانچ عناصر ہے ان عناصر کی وجہ سے عمومی طور پر اس کی چار خصوصیات ہر دور میں بہت نمایاں رہی ہیں جن کا مطالعہ آپ اسی باب کی اگلی فصل میں کریں گے۔

حوالہ جات

پہلا باب (فصل ثانی)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ افریقی ابن المنظور۔لسان العرب تحقیق علی شیری تفصیل مادہ حقق

۲۔ ابوداؤد امام۔سنن أبي داؤد، شرح عون المعبود باب الدعا۔ 567/1 مزید دیکھیے حاکم امام۔مستدرک حاکم بیروت۔دارالکتاب العربی س۔ن 105/1

۳۔ الاصفہانی، امام راغب، المفردات فی غریب القرآن۔تفصیل لفظ ''الحکمۃ''

۴۔ افریقی ابن منظور۔لسان العرب۔تفصیل مادہ ''حکم''

۵۔ رازی فخر الدین امام۔تفسیر مفاتیح الغیب تفسیر البقرہ: 127-129

۶۔ تقی امینی مولانا ۔ حدیث کا درایتی معیار۔کراچی قدیمی کتب خانہ۔1986۔ ص: 68

۷۔ ابوداؤد۔سنن أبي داؤد کتاب العلم باب کتمان العلم

۸۔ علی حسب اللہ ۔ اصول التشریع الاسلامی ۔ کراچی ادارہ القرآن و العلوم الاسلامیہ 1987 ص 335، 340

۹۔ احمد حسن ڈاکٹر۔جامع الاصول لاہور مطبع مجتبائی۔1986 ص 51

۱۰۔ ابوداؤد۔سنن أبي داؤد۔کتاب العلم۔باب کتمان العلم مزید۔حاکم امام۔مستدرک حاکم۔ 102/1

۱۱۔ صبحی صالح۔علوم القرآن ص 89-99

۱۲۔ حاکم امام۔مستدرک حاکم۔کتاب العلم 123/1

۱۳۔ سید صباح الدین۔ اسلام اور مستشرقین۔ اعظم گڑھ انڈیا۔ دارالمصنفین 187/3, 2003
۱۴۔ بالیق۔ عزالدین۔ منہاج الصالحین۔ بیروت۔ دارالفتح 1978۔ص 207 بحوالہ ابن عبدالبر
۱۵۔ احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الأصول۔ص 385
۱۶۔ بخاری امام محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر باب تفسیر سورہ تبت
۱۷۔ ایضاً مزید دیکھیں۔ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر تفسیر تبت: ا
۱۸۔ ابن ماجہ امام سنن ابن ماجہ۔ باب فضل العلم والحث علی طلب العلم 260/1
۱۹۔ جامع ترمذی۔ کتاب العلم بحوالہ منہاج الصالحین عزالدین بلیق۔ص:204
۲۰۔ حاکم امام۔ مستدرک حاکم۔ بیروت۔ دارالکتاب العربی (س۔ن) 100/1
۲۱۔ دارمی امام۔ سنن الدارمی دمشق۔ دارالقلم۔1996 باب 29-93/1
۲۲۔ اصفہانی راغب۔ الذریعہ إلی مکارم الشریعۃ۔
۲۳۔ بیہقی امام۔ سنن البیہقی کتاب شعب الایمان۔ بیروت۔ دارلکتب العلمیہ 1410-470/1
۲۴۔ دارمی امام۔ سنن الدارمی۔ باب العلم الخشیہ وتقوی اللہ (29) 94،86/1
۲۵۔ ابویعلی امام۔ مسند أبی یعلی۔ 274/3 حدیث نمبر 3315 مزید دیکھیے منصور پوری۔ سلیمان۔ رحمۃ للعالمین۔ لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز 379/3
۲۶۔ علی حسب اللہ اصول التشریع الاسلامی۔ص 263
۲۷۔ رازی فخر الدین امام تفسیر مفاتیح الغیب۔ تفسیر سورہ النور: 21۔ مزید دیکھیے۔ الہندی امام۔ کنز العمّال 128/16 بیروت۔ موسسۃ الرسالۃ۔ 1981
۲۸۔ حاکم امام۔ مستدرک حاکم۔ باب اول۔ کتاب المناسک بیروت دارالکتب العلمیہ 1990-646/1

۲۹۔ ابوداؤد۔سنن أبي داود۔باب الدعا 567/1

۳۰۔ البیھقی الامام۔شعب الایمان ۔ ریاض۔ مکتبہ الرشد للنشر و التوزیع ۔2003۔273/3

۳۱۔ منصوری پوری۔ قاضی محمد سلیمان سلمان رحمۃ للعالمین۔لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز(ت۔ن)75/3

۳۲۔ غزالی امام۔احیاء علوم الدین۔باب بیان العلم الذی ھو فرض۔17/1

پہلا باب

فصل ثالث

اسلامی اصول تحقیق کی خصوصیات وتقابل

اسلامی نظریہ علم وتحقیق کی چار اہم خصوصیات:

جس طرح آپ سابقہ فصل میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسلامی نظریہ علم وتحقیق کے پانچ اہم عناصر ہیں، اور جن کی وجہ سے عمومی طور پر اس کی چار اہم ترین خصوصیات ہر دور میں نمایاں رہی ہیں وہ خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ علمی وتحقیقی اصولوں میں تاریخی تسلسل

۲۔ علمی وتحقیقی اصولوں کا فکری، تطبیقی واطلاقی ہونا

۳۔ علمی وتحقیقی میدان میں اخلاقی اصولوں کی بنیاد رکھنا

۴۔ علمی دنیا میں نئی تحقیق ''تجدید'' کا دروازہ ہر دور میں کھلا رکھنا

پہلی خصوصیت: علمی وتحقیقی اصولوں میں تاریخی تسلسل:

اسلامی اصول تحقیق کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ اس کے جن تحقیقی اصولوں کی بنیاد رسول اکرم ﷺ نے رکھی اور پھر اس کو ابتدائی عملی شکل صحابہ کرام نے عطاء کی، آج پندرہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی مسلمانوں کے تمام علوم کے بحر بے کنار میں وہی اصول تحقیق مروج ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں چند لوگوں نے کچھ نئے اصول رواج دینے کی کوشش کی ہے تو آئندہ آنے والی نسلوں نے ان کو خارجی، معتزلی، قدری، جبری یا شذوذ کے اصول قرار دے کر ان کو اور ان فرقوں دونوں کو ٹھکرا دیا۔ مثلا

۱۔ تفسیر کے میدان میں صحابہ کرام کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر امام طبری نے جن

ضابطوں کو تشکیل دیا آج تک وہی مروج ہیں۔

۲۔ حدیث کے میدان میں تیسری صدی ہجری میں صحابہ کرام کے قبول حدیث کے اصولوں کو بنیاد بنا کر جو قبول ورد حدیث کے ضابطہ امام بخاری نے تشکیل دیئے آج تک وہی مروج ہیں امام بخاری اور ان کے زمانہ سے پہلے کی تصنیفات اور انور شاہ کشمیری کی چودھویں صدی کی تصنیفات میں جوہری یکسانیت موجود ہے۔

۳۔ فقہ و اصول فقہ کی جو بنیادیں خلفاء اربعہ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور دوسرے فقیہ صحابہ کرامؓ نے رکھی تھیں انہیں کی روشنی میں ائمہ اربعہ نے جو اصول مرتب کیئے آج تک اسلامی قانون اور اصول قانون کے میدان ان کی پیروی کی جا رہی ہے۔ انہیں اصولوں کی بنیاد پر آج بھی تمام مسائل حل کیئے جاتے ہیں۔

۴۔ سیرت النبی ﷺ کی جو بنیادیں ابن اسحاق اور ابن ھشام نے دوسری صدی ہجری میں ڈالی تھیں، آج بھی تمام سیرت نگار انہیں بنیاد بنا کر سیرۃ النبی کی کتب تحریر کر رہے ہیں۔

۵۔ یہی صورت حال باقی تمام علوم علم تاریخ، سیاسیات، اقتصادیات، عمرانیات، عقائد، تصوف وغیرہ میں ہے۔

اس خصوصیت کے بیان میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس یکسانیت کی وجہ جمود یا تقلید محض نہیں بلکہ اس کی وجہ ان کا انسانی فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہونا ہے۔ جس طرح انسانی فطرت حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے اب تک ایک ہی ہے اس میں تبدیلی ممکن نہیں اس طرح یہ اصول بھی ہر دور میں تسلیم کیئے جاتے رہے۔ البتہ ان اصولوں کی بنیادوں پر عمارتیں مختلف انداز میں تعمیر کی جاتی رہیں اور اب بھی کی جارہی ہیں۔(01)

دوسری خصوصیت: علمی و تحقیقی اصولوں کا فکری، تطبیقی و اطلاقی ہونا:

مسلمانوں کے تحقیقی اصولوں کا طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے علمی مآخذ سے اصول تحقیق اخذ کر کے ان کو فکری وجود بخشا اور پھر ان کو عملی طور پر منطبق کر کے بھی دکھایا۔ مثلاً مقتدر اعلیٰ یعنی کائنات کا مالک اور دنیا ارضی میں بنی نوع انسان پر علی الاطلاق مقتدر ہونے کا حق صرف درج ذیل صفات کی حامل ہستی کو ہو سکتا ہے۔

۱۔ جو انسانوں کی محتاج نہ ہو بلکہ تمام انسان اس کے محتاج ہوں۔

۲۔ جو قوت، طاقت اور عزت کے لحاظ سے تمام انسانوں سے برتر ہو۔

۳۔ جس کی تمام صفات ذاتی ہوں کسی سے عاریۃً نہ لی ہوں یعنی قدیم ہوں حادث نہ ہوں۔

۴۔ جس پر انسانوں کی طرح کبھی موت نہ آئے۔

۵۔ جس سے اس کے حکم کے بارے میں کوئی سوال نہ کر سکے۔

اگر ایک ہستی یا شخصیت اپنے وجود میں آنے یا اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں اپنے ہم جنس یا کسی اور کی محتاج ہے تو وہ اقتدار اعلیٰ کی حامل نہیں ہو سکتی۔ ہر مسلمان ماہر سیاسیات نے اپنی تحریروں میں یہ فکری اصول بیان کئے۔

پھر ان اصولوں کی عملی تطبیق اس طرح سے کی کہ اللہ تعالیٰ کو مقتدر اعلیٰ قرار دے کر قرآن مجید کی مختلف آیات سے اس سلسلہ میں استدلال کیا مثلاً

۱۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (البروج:۱۶) جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے

۲۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص:۸۸)

ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس ذات کے

۳۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء:۲۳)

وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہے اور سب جواب دہ ہیں۔

۴۔ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن:۲۹)
زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں سب اپنی حاجتیں اس سے مانگ رہے ہیں۔
۵۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المومنون:
۸۸) اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اسکے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

اس طرح اس باب میں متعدد اصول وضع کئے اور ان کی عملی تطبیق سب سے پہلے اپنے مذہب پر کی اور تمام دنیا کے علمی حلقوں کو چیلنج کیا کہ اس سے بہتر اصول لا کر دکھائیں مزید یہ کہ وہ بھی اپنے علاقوں میں مقتدر اعلی کے لئے انہیں صفات کا اتباع کریں۔(02)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے قول فعل وتقریر یعنی حدیث کے قبول کے لئے کچھ عقلی ونقلی وفکری اصول راویِ حدیث اور متنِ حدیث کے لئے وضع کئے۔ پھر ان کو بنیاد بنا کر تمام احادیثوں کی ان اصولوں پر جانچ پرکھ کی یعنی ان اصولوں کی عملی تطبیق کی اور جو حدیث ان فکری اصولوں کے مطابق نہیں تھی اسے مردود قرار دے دیا جس طرح بخاری میں حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے بارے میں وارد ہے۔

خلق الله آدم وطوله ستون ذراعا (03)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ذراع تھا (ہاتھ سے کہنی تک کی لمبائی کو ذراع کہتے ہیں)

ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث پر تاریخی طور پر یہ اعتراض ہے کہ قدیم قومیں عاد وثمود وغیرہ کے جو حالات بیان ہوئے ہیں ان میں اور ان کے گھروں سے یہ بات پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی کہ ان کے قد اس طرح سے تھے جیسے کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے (04)

اسی طرح ایک اور حدیث امام ابن قیم جوزیہ نے نقل کی ہے:

من عشق وكتم فعف فمات فهو شهيد (05)
جس شخص نے کسی دوسرے انسان سے عشق کیا اور پھر پاک دامن رہا، وہ

مر گیا تو شہید ہے

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن قیم لکھتے ہیں۔

فلو کان اسناد ھذا الحدیث کالشمس کان غلطاً ووھما(06)

اگر اس حدیث کی اسناد سورج کی طرح روشن اور واضح طور پر صحیح ہوں تو پھر بھی یہ حدیث غلط اور وہم ہے۔

اسی طرح بے شمار احادیث کو ان مقرر فکری اصولوں پر جانچ کر ضعیف قرار دیا گیا جس سے حدیث کے طلباء آگاہ ہیں۔

یہی صورت حال سیرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب، کتب تاریخ، کتب عقائد اور تمام علوم کے میدان میں ہے کہ اسلامی اصول تحقیق فکری طور پر بھی اعلیٰ فکری پیمانوں کے حامل ہیں اور پھر ان کی عملی تطبیق کا آغاز بھی مسلمان محققین نے اپنے علوم سے کیا ہے۔

تیسری خصوصیت: علمی و تحقیقی میدان میں اخلاقی اصولوں کی بنیاد رکھنا:

مسلمانوں نے اپنے نظریہ علم و تحقیق میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بنیاد رکھی ہے۔ اسکی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی دین اسلام کی بنیاد اعلیٰ اخلاقی قدروں کو قرار دیا ہے جس طرح ارشاد ہے

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق(07)

مجھے رسول بنانے کا مقصد اخلاقیات کے اعلیٰ اصولوں کی تکمیل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی اس خوبی کو مسلمانوں نے تحقیقی میدان میں بھی اجاگر کیا۔ اور مختلف قسم کے اخلاقی اصول مثلاً جھوٹ سے اجتناب، حق کی تائید، دل شکنی و دل آزاری سے پرہیز، ذاتیات پر اعتراضات سے کنارہ کشی، تحریری انداز میں وقار کو ملحوظ رکھنا اور اس طرح کے متعدد اصول مرتب کئے اور ان پر عمل بھی کیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی کتب سے آج تک تمام ادیان کے حامل لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔ ان اخلاقی اقدار کی بنیاد بھی

قرآن وحدیث میں ہے، جس طرح وارد ہے:

وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا (المائدہ ۸)

کسی گروہ کی دشمنی تم کو (تحقیقی عمل میں) اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَکْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

(البقرہ :۴۲)

باطل کا رنگ چڑھا کر تحقیق کو مشتبہ نہ بناؤ اور جانتے بوجھتے ہوئے حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف ۲)

تم کیوں وہ بات کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرے

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ (البقرہ:۴۴)

تم دوسروں کو تو (تحقیقی میدان میں) بھلائی اور خیر کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو مگر (جب خود تحقیق کرتے ہو) اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

كفي بالمرء كذبا ان يحدث لكل ما سمع (08)

کسی محقق کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ کسی کا قول سنے اور اسے بغیر تحقیق کیے آگے نقل کردے

دع ما يريبك الى مالا يريبك(09)

مشکوک علمی اشیاء بیان کرنے کے بجائے شک سے بالاتر علمی حقائق بیان کرو

ان اصولوں کو بنیاد بنا کر مسلمانوں نے کبھی کسی دوسرے مذہب و نظریہ کی تضحیک نہیں کی ان کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کیا یا ان کے شعائر کا

مذاق نہیں اڑایا اور اگر کسی مسلمان نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے تو بقیہ تمام علماء و محققین نے اس کی مخالفت کی ہے۔

مسلمانوں کی لکھی ہوئی تقابل ادیان کی کتب جس کو سابقہ ادوار میں "الملل والنحل" کا علم کہا جاتا تھا اور علم الکلام کی کتب ان اخلاقی قدروں کی حفاظت کا اہم ترین ثبوت ہیں۔

چوتھی خصوصیت: علمی دنیا میں نئی تحقیق (تجدید: اجتہاد) کا دروازہ ہر دور میں کھلا رکھنا:

اسلامی نظریہ تحقیق کے مطابق تحقیق ایک فطری اور متواتر عمل ہے، جس طرح انسانی زندگی کے لئے سانس لینا ایک متواتر عمل ہے اور جس دن یہ عمل ختم ہوگا ایک انسان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اسی طرح علمی میدان میں تحقیق ایک متواتر عمل ہے اور اس عمل کا رک جانا یعنی جمود اور تقلیدِ محض علمی و تحقیقی زندگی کے خاتمہ کی علامت ہے۔ اسلام علمی میدان میں تجدید و اجتہاد کا تو قائل ہے لیکن تجدد کا قائل نہیں ہے۔اس لئے اسلام نے ہر دور میں نئے مسائل کے حل کے لئے فقہی میدان میں تحقیق یعنی تجدید احیاء دین اور اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ تمام علوم میں اس اصول کو علمِ عقائد کے علاوہ خوش آمدید کہا جاتا ہے اور ان میں ابھی تک تحقیق جاری ہے۔

جس طرح ڈاکٹر صبحی صالح رقمطراز ہیں:

ان باب الاجتهاد لم يقفل في الحديث كما لم يقفل في الفقه ويجب ان يظل بابه مفتوحا في كل من هذين العلمين (10)

اجتہاد کا دروازہ فقہ کی طرح حدیث میں بھی بند نہیں ہوا۔ ان دونوں علوم میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنا ضروری ہے۔

اسی خوبی کی وجہ سے ہر دور میں نئے نئے انداز کی تفاسیر لکھی جاتی ہیں، اصول

حدیث میں نئی اقسام سامنے لائی جاتی ہیں۔جس طرح علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے متواتر کی چار اقسام بیان کی ہیں جب کہ سابقہ ادوار میں صرف دو اقسام قولی اور فعلی مروج تھیں۔ یہی صورت حال فقہی میدان میں ہے۔علاوہ ازیں نئے نئے علوم مثلاً رد استشراق۔ ردّ منکرین سنت، ردصیہونیت، رد مغربیت، رد فتنہ اباحیت، اور قرآن حکیم او رجدید ایجادات کا علم وغیرہ معرض وجود میں آرہے ہیں۔ان تمام امور میں لطف کی بات یہ ہے کہ اسلامی اصول تحقیق کے مآخذ قرآن وحدیث ہونے کی وجہ سے جن محققین کی کتب ان مآخذ سے مطابقت نہیں رکھتیں وہ اہل علم میں تجدد کی حامل قرار دے کر سابقہ خارجی، معتزلی، قدریہ جبریہ اور دوسرے فرقوں کی طرح مردود شمار ہو جاتی ہیں۔اور جو ان مآخذ کے مطابق ہوتی ہیں مقبول شمار ہوتی ہیں۔یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اسلامی اور مغربی اصول تحقیق میں تقابل

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تحقیق کوئی جدید علم نہیں بلکہ اس کا تعلق قدیم انسانی زندگی سے بھی گہرا رہا ہے۔انسانی تہذیب وتمدن کے ارتقائی سفر میں اس علم کی حیثیت ہمیشہ ایک رہنما کی رہی ہے۔تحقیق کے ذریعہ ہی روح، ذہن اور مادہ کی مختلف شکلوں اور دور جدید کی سود مند سائنسی ایجادات تک ہماری رسائی ہوئی ہے۔اس علم کو منزل سے ہمکنار کرنے میں مغرب ومشرق دونوں نے اپنا مکمل کردار ادا کیا ہے۔علماء اسلام نے بھی سابقہ اقوام میں تحقیق کے ان مروجہ اصولوں میں سے جو اسلامی مآخذ سے متصادم نہیں تھے ان کو فقہی نافذ قانون ''عرف'' کے ذریعہ قبول کر لیا لیکن جو شریعت اسلامیہ سے متصادم تھے ان کو رد کر دیا اور پھر وہ اصول مرتب کئے جو آپ سابقہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

دور حاضر کے مغربی اصول تحقیق جن کی بنیاد پر بنیادی سائنس، جنرل سائنس، قدرتی سائنس، سوشل سائنس، لسانیاتی سائنس، اور مختلف میادین میں تحقیق جاری ہے بہت اہمیت کے حامل ہیں، ان اصول تحقیق کی بنیاد پر آج بنی نوع انسان بہت سہولت سے

زندگی گزار رہی ہے۔ گھر میں بیٹھے سہولیات کی فراہمی، ذرائع وسائل کی تیزی سے فاصلوں کا سمٹ جانا، کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے ساری زمین کا ایک شہر یا گاؤں کی طرح ہو جانا، آفاق و انفس کے بارے اس طرح کے لا تعداد امور مغربی اصول تحقیق کے رہین منت ہیں۔ اس مغربی تحقیق کی بدولت یہ سہولتیں دن بدن مزید بڑھتی جا رہی ہیں۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اصولوں کی ہی وجہ سے آج بنی نوع انسان تباہی سے دو چار ہو چکی ہے۔ اور تمام ممالک سے سکھ، چین اور سکون نامی چیز عنقاء ہوتی جا رہی ہیں۔

اس وجہ سے اسلامی اور مغربی اصول تحقیق میں کچھ امور میں اختلاف ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ مغربی اصول تحقیق کے مآخذ متعین نہیں ہیں۔

۲۔ مغربی اصول تحقیق کے مقاصد واضح نہیں۔

۳۔ مغربی اصول تحقیق فکری ہیں لیکن تطبیقی و اطلاقی نہیں۔

۴۔ مغربی اصول تحقیق میں اخلاقی قدروں کا انحطاط ہے۔

۵۔ مغربی اصول تحقیق ہیں دور قدیم سے دور حاضر تک یکسانیت اور یگانگت کا عنصر مفقود رہا ہے۔

۶۔ مغربی اصول تحقیق میں اخروی زندگی کا کوئی تصور نہیں۔

۷۔ تحقیقی عمل کا مقام یعنی شرعی حیثیت متعین نہیں۔

۱۔ مغربی اصول تحقیق کے مآخذ:

اس اصول تحقیق میں محققین کو کسی خاص ماخذ کا پابند یا مآخذ تک محدود نہیں کیا گیا۔ عمومی طور پر اکثر اہل علم عقل کو مآخذ مانتے ہیں بعض وحی کو بھی یہ درجہ، عطا کرتے ہیں چند ایک ایسے بھی ہیں جو قوت، اقتدار اور حکومت کی خواہش کو یہ مقام دیتے ہیں۔ تمام یورپین

مفکرین بطلیموس، افلاطون، ارسطو، سقراط بقراط سے لے کر دور حاضر کے سائنسدانوں اور مفکرین کا مطالعہ کرلیں تمام اس بارے میں متعدد آراء کے حامل ہیں اور کسی ایک ماخذ پر قطعاً متفق نہیں۔ اس نقطہ نظر کی وجہ سے تمام اہل فکر و محققین میں ایک فکری انتشار یونانی دور سے لے کر رومی دور، تاریک دور اور جدید دور بیداری تک میں موجود ہے اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ

ضمیر مغرب ہے تاجرانہ ضمیر مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ

ان تمام مفکرین کے مآخذ میں سے عقل اور وجدان بہت اہمیت کے حامل ہیں حالانکہ عقل انسانی ایک مکمل ماخذ نہیں ہے، گویا کہ ان کے تمام مآخذ ظن و گمان پر مبنی ہے جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے

مالھم بہ من علم الا اتباع الظن (النساء: ۱۵۷)

ان (مغربی مفکرین) کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان کی پیروی ہے۔

۲۔ مغربی اصول تحقیق کے مقاصد:

اسلامی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے تین مقاصد، مقصود یا نصب العین کے برعکس مغربی اصول تحقیق نے اپنے صاحب علم یا محققین کے لئے ان کی علمی و تحقیقی کوششوں کا خاص نصب العین یا مقصد متعین نہیں کیا۔ بعض مفکرین اللہ تعالی کے قائل ہیں لیکن ان کی تحقیق کا مقصود رضاء الٰہی کا حصول نہیں۔ بعض

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ: ۲۴)

اور گردشِ ایّام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو

یعنی گردش ایام کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ جو ہمیں ھلاک کرتی ہے کا نعرہ لگاتے

ہیں۔ چند مادہ کو خدا کا درجہ دیتے ہیں جیسے سائنسدان (Big Bang) بگ بینگ کے نظریہ کے ذریعہ مادہ کو خالق کائنات تصور کرتے ہیں۔

پھر علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے ذریعہ بنی نوع انسان کی خدمت یعنی علم نافع کا نظریہ ان کے هاں نہیں پایا جاتا تمام محققین ذات، قبیلہ، قوم، وطن، رنگ و خون اور علاقائیت کے رنگ میں اس قدر رنگے ہوئے ہیں کہ انسانیت سے محبت، بنی نوع انسان کی خدمت، دکھی انسانیت سے محبت، روئے زمین کے تمام انسانوں کی فلاح یا کلکم من آدم و آدم من تراب'' جیسے نظریات یا مقاصد مغربی تحقیقی اصول میں خال خال نظر آتے ہیں اور اگر ہیں تو صرف کتابوں تک محدود ہیں عملی طور پر ان کا وجود عنقاء ہے۔

۳۔ مغربی اصول تحقیق فکری ہیں لیکن تطبیقی و اطلاقی نہیں:

مغربی تحقیقی اصول فکری طور پر بہت دلکش، حسین اور انسانی عقل کو اپیل کرنے والے ہیں۔ اس سلسلہ میں باعث حیرت عمل یہ ہے کہ یہ اصول دوسرے نظریات کی جانچ پرکھ دوسرے قوموں کی شخصیات کا جائزہ لینے اور اقوام عالم کے واقعات کی چھان پھٹک کے لئے ہیں۔ یعنی ان تحقیقی اصولوں کا اطلاق اور ان کی تطبیق غیروں پر تو ہوسکتی ہے لیکن ان کے اپنے سابقہ تحقیقی امور کو ان اصولوں کے مطابق جانچا یا پرکھا نہیں جا سکتا۔ مثلاً مستشرقین قرآن مجید پر جو اعتراض کرتے ہیں ان اعتراضات کی بنیاد پر انجیل کا جائزہ نہیں لیتے۔

رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس اور حدیث نبوی ﷺ پر جو تنقید کرتے ہیں وہ بنی اسرائیل کے دوسرے پیغمبروں اور اپنے مذہبی پیشواؤں پر نہیں کرتے۔ یہی صورت حال سائنسدانوں کی ہے کہ وحی کی حقیقت کو نہیں مانتے۔ لیکن بگ بینگ کے ذریعہ کائنات کے خود بخود معرض وجود آجانے اور اتنی عظیم با تدبیر کائنات کے بغیر کسی مدبر کے رواں رہنے اور مزید بڑھنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح تمام علمی میدانوں میں ان کی یہ علمی و تحقیقی

خیانت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے علمی و تحقیقی اصول نظری اور فکری ہیں لیکن تطبیقی نہیں ہیں۔ ان کی اس کمزوری کو قرآن مجید نے بھی واضح کیا ہے یہ لوگ اپنے بارے میں بے حقیقت باتوں پر یقین کاملہ رکھتے ہیں۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (التوبۃ:۳۰)

یہودی کہتے ہیں عزیز اللہ کا بیٹا ہے۔ اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ (یعنی یہ باتیں ان کے اپنے تحقیقی اصولوں کے مطابق بھی نہیں)۔

۴۔ مغربی اصولِ تحقیق میں اخلاقی قدروں کا انحطاط:

مغربی تحقیقی اصولوں میں اسلامی تحقیقی اصولوں کے برعکس اخلاقی اقدار کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ اپنے موقف کے حق میں جھوٹ، فریب، غلط بیانی الفاظ کے ہیر پھیر اور اس قسم کے تمام امور کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان تمام کا کوئی ایک تحقیقی ماخذ نہیں پھر اُن تمام اصولوں کی بنیاد مادیت اور دنیا داری ہے خدا تعالیٰ پر ایمان نہ ہونے یا برائے نام ایمان ہونے کی وجہ سے مغربی تحقیقی میدان خدا خوفی کے عنصر سے خالی ہے۔ اس وجہ سے ان کے تحقیقی اصولوں میں مغربی محققین کے لیے کوئی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا اصول نہیں پایا جاتا۔ استشراقی لٹریچر اس کی روز روشن کی مانند مثال ہے۔ جس میں دور حاضر کے بڑے بڑے مغربی محققین نے رسول اکرم ﷺ پر اس قسم کے الزام لگائے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر ایک عام انسان بھی الامان والحفیظ پکار اٹھتا ہے کہ کیا ان کے تحقیقی میدان میں یہی اخلاقی اقدار ہیں؟ مثلاً ولیم میور کی لائف آف محمد (life of Muhammad) اور منٹگمری واٹ، شاخت اور اسپرنگر کی کتب کا مطالعہ، اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔ اسی طرح عالم عیسائیت کی اسلام دشمن کتب کا مطالعہ اس حقیقت کو مزید

واضح کر دیتا ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کو مانتے ہوئے بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں جس طرح قرآن مجید میں واضح کیا ہے:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۴۶)

وہ اس کو (اسلام کی حقانیت) ایسا پہنچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو پہنچانتے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک فریق جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپا رہا ہے۔

مغربی مفکرین نے مختلف یورپی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کئے ہیں وہ مختلف تراجم پڑھ کر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے وہ اپنے فکر کی پرچار کے لئے جھوٹ، فریب، دغا بازی، تحریف اور اس قسم کے دوسرے حربے بروئے کار لانا بالکل جائز بلکہ اپنا حق سمجھتے ہیں اور یہ ان میں اخلاقی قدروں کا انحطاط ہے۔

۵۔ مغربی اصولِ تحقیق میں یکسانیت و تاریخی تسلسل کا فقدان:

تحقیقی اصولوں میں یکسانیت کے بارے میں اسلامی تحقیقی اصولوں کی چار خصوصیات میں سے پہلی خصوصیت میں واضح کیا گیا ہے کہ ابتداء سے اب تک ایک ہی طریقہ پر تمام محققین کاربند ہیں لیکن مغربی تحقیقی اصولوں میں یہ خصوصیت ناپید ہے۔ بلکہ یہ اصول اس خوبی کے برعکس ہیں۔ ہر دور میں مختلف محققین مختلف الاصل نظریات کی اپنے دور میں پرچار کرتے رہے۔ جن کے درمیان بعد المشرقین ہوتا تھا مثلاً یونانی ادوار میں مدینہ الجاھلیہ، مدینہ التغلب، معاہدہ عمرانی اور اجتماع اقتضاء فطرت کے نظریات مروج کئے گئے۔ بعد کے ادوار میں عیسائیت کے مختلف نظریات مروج رہے۔ دور حاضر میں ڈارون کا نظریہ ارتقاء الفریڈ کا نظریہ جنسیت، جمہوریت، سرمایہ داری، کیمونزم، سوشلزم، نظریہ قومیت اور ہٹلر و مسولینی کا نظریہ ظلم مروج ہیں۔ یہ تمام نظریات باہم ایک دوسرے سے

متصادم ہیں اور ان میں کہیں بھی یکسانیت اور یگانگت نظر نہیں آتی۔ اور ابھی تک مغربی اصول تحقیق میں نئے نئے اصول ونظریات برآمد ہو رہے ہیں۔ جن کا سابق ادوار سے کوئی دور کا تعلق بھی نظر نہیں آتا۔

۶۔ مغربی اصول تحقیق میں اخروی زندگی کے تصور کا ناپید ہونا:

اسلامی اصول تحقیق میں ہر محقق اور صاحب علم اپنی ہر تحقیقی کوشش کا آخرت یعنی قیامت کے دن حساب دے گا اور اپنی علمی سرگرمیوں کے بارے میں جوابدہ ہوگا، یہ تصور مغرب میں ناپید ہے۔ عیسائیت سے قبل مغربی معاشرہ کی بنیاد شرکیہ عقائد تھی، عیسائیت، میں بھی سینٹ پال کی تعلیمات کے نتیجہ میں اُخروی نجات کی بنیاد انسانی اعمال نہیں بلکہ یسوع مسیح پر ایمان لانا قرار دیا گیا۔ آج کے یورپ میں علمی دنیا کی بنیاد انکار خدا اور الحاد پر ایمان ہے۔ ان تمام ادوار میں مغربی اصول تحقیق کسی اخروی جواب دہی کے خوف سے آزاد ہو کر بے لگام آزادی کے حامل رہے ہیں۔ آج بھی آپ مغرب کی علمی درسگاہوں میں چلے جائیں آپ کو کہیں بھی اس قسم کا درس یا خوف آخرت کی باتیں سننے کو بھی نہیں ملیں گیں اور اگر کہیں ان کا تصور بھی ہوگا تو مبہم ہوگا اور واضح ٹھوس بنیادوں پر نہیں ہوگا۔ اسی خوف کے معدوم ہونے کی وجہ سے مغربی تحقیق مادر پدر آزاد اور فتنہ اباحیت کی حامل ہے۔

۷۔ مغربی اصول تحقیق میں، تحقیق کی شرعی حیثیت کا معدوم ہونا:

تحقیقی عمل کبھی ضروری ہوتا ہے، کبھی غیر ضروری اور کبھی نقصان کا باعث بھی ہوتا ہے۔ لیکن مغربی اصول تحقیق میں ان تمام امور کی وضاحت نہیں کی گئی۔ تمام محققین جس قسم کی تحقیق لائیں انہیں اجازت ہے مثلاً اقتصادی میدان میں ترقی کرنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کی تحقیق منظر عام پر آئی اور مقبول ہوگئی۔ جس کے نتیجہ میں یورپ کی آبادی جو ۱۹۵۰ء میں دنیا کا 15% تھی اب گھٹ کر 10% ہوگئی ہے۔ جب کہ سائنسی ترقی کیوجہ سے وسائل معیشت یعنی کارخانہ، ملیں، مشینری وغیرہ بڑھ گئی ہیں۔ اب یہ تحقیق یورپ کے

لئے نقصان کا باعث تھی لیکن مقبول ہوگئی۔ کیونکہ ان کے تحقیقی اصولوں کی بنیادوں میں کوئی فرض، واجب، حرام اور مکروہ وغیرہ کا تصور نہیں۔ ہر شخص کی تحقیق چاہے اس کا تعلق جس قسم سے بھی ہو اگر عوام میں قبولیت حاصل کرگئی ہے۔ تو وہ ٹھیک ہے چاہے اس کا انجام تاریک تر ہی کیوں نہ ہو جس طرح علامہ اقبال نے فرمایا:

تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا

مغربی اصولِ تحقیق کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے:

انہی مغربی اصول تحقیق کے بارے میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا کام ہم یہ کرنا چاہتے ہیں کہ مغربی فکر اور مغربی فلسفہ حیات کا جو طلسم بندھا ہوا ہے اس کو توڑ ڈالا جائے۔ ایک معقول اور مدلل علمی تنقید کے ذریعے یہ بات ثابت کی جائے کہ مغربی اصول تحقیق اور اُن کی بنیاد پر متعدد علوم وفنون میں جتنے حقائق اور واقعات ترتیب دیئے گئے ہیں وہ تمام انسانی فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ پھر ان معلومات وحقائق کو جمع کر کے جو فلسفہ حیات اہل مغرب نے بنایا ہے وہ قطعی باطل ہے۔ ان کو مرتب کر کے جو طرز فکر اور کائنات کے متعلق جو تصور اور انسان کے بارے میں جو خیال انہوں نے قائم کیا ہے اور جس کے اُوپر اپنی پوری تہذیب کی عمارت اُنھوں نے اُٹھائی ہے، وہ ساری کی ساری از اول تا آخر باطل ہے۔ جو معاشرتی علوم (Social Sciences) انھوں نے مرتب کیے ہیں، جو معاشرتی فلسفہ (Social Philosophies) اُنھوں نے گھڑا ہے وہ موجب فتنہ وفساد ہے۔ وہ انسان کی فلاح کے لیے نہیں بلکہ انسان کی تباہی کے لیے ہے۔ خود اُن کی اپنی تباہی کے لیے ہے۔ یہ پہلا ضروری کام ہے جس کے ذریعے سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر مغربی فکر وفلسفے کا جو سحر ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ جس کے بغیر مسلمانوں کو اس ذہنی مرعوبیت اور ذہنی شکست خوردگی کی حالت سے نہیں نکالا جا سکتا اور

جب تک وہ اس ذہنی شکست خوردگی میں مبتلا ہیں اُس وقت تک آپ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ مقلِد کی زندگی چھوڑ کر محقق اور مجتہد کی زندگی اختیار کریں گے۔ اس وقت تک تو علمی میدان میں مسلمانوں کا کام آنکھیں بند کر کے اہلِ مغرب کے پیچھے چلنا ہے۔ اس حالت کو آپ نہیں بدل سکتے جب تک کہ اس سحر کو نہ توڑ دیں اور اس حقیقت کو واضح نہ کر دیں کہ علمی حقائق اور چیز ہیں اور علمی حقائق کو ترتیب دے کر ایک فلسفہ زندگی اور نظامِ حیات مرتب کرنا بالکل دوسری چیز ہے۔ مغربی اصولِ تحقیق میں بیان کردہ حقائق اپنی جگہ بالکل صحیح لیکن ان کو مرتب کر کے جو فلسفہ حیات بنایا گیا ہے وہ فی الحقیقت بالکل غلط ہے۔

اس کے آگے جو دوسرا کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی اصولِ تحقیق کے نقطۂ نظر سے تمام علوم وفنون کو نئے اسلوب اور نئے طریقے پر مرتب کیا جائے تا کہ وہ ایک اسلامی تہذیب کی بنیاد بن سکیں۔ اسی طرح اسلام کے مطابق ہمیں ایک فلسفہ درکار ہے جو انسان کے ذہن کی اس تلاش کو تسکین دے کہ حقیقت کیا ہے؟ مگر وہ فلسفہ یہ تسکین اس عقیدے کے مطابق دے جو اسلام نے ہمیں دیا ہے۔ حقیقت کی تلاش اور اس کی تڑپ انسان کی فطرت میں ہے۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر تلاش حقیقت کے مختلف راستوں میں صحیح راستہ ہمارے نزدیک وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ اس راستے کے مطابق تلاش حقیقت اور کائنات کی حقیقت اور حیات انسانی کی حقیقت نیز اُس کے انجام کو ایک فلسفے کی شکل میں مرتب کرنا تا کہ آدمی کو اس کے مطابق ڈھالا جائے اور ظاہر ہے یہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ہم ایک فلسفہ اسلام کے اصولِ تحقیق کے نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کریں۔ اس کے بغیر یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ آپ کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے یا نفسیات کے جو علوم پڑھائے جاتے ہیں یا دوسرے فلسفیانہ علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کو تبدیل کیا جا سکے اور ان کی جگہ کوئی دوسرا فلسفہ پڑھایا جا سکے۔ (11)

یہ اسلام کا نظریہ علم و تحقیق کا مختصر تعارف اور اسلامی و مغربی اصولِ تحقیق میں فرق کا عمومی جائزہ ہے۔

حوالہ جات

پہلا باب (فصل ثالث)

(اسلامی اصول تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔تاریخ تفسیر تاریخ حدیث، تاریخ فقہ وغیرہ

۲۔ تقی امینی۔ حدیث کا داریتی معیار۔ص 183-189 مزید علی حسب اللہ۔ اصول التشریع /258

۳۔ بخاری امام۔صحیح بخاری۔کتاب الانبیاء۔باب خلق آدم وذریتہ

۴۔ عسقلانی ابن حجر۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ شرح باب خلق آدم وذریتہ بیروت۔دارالمعرفۃ 1379-366/6

۶-۵۔جوزیہ ابن قیم امام۔زادالمعادفی ھدی خیر العباد۔بیروت موسۃ الرسالۃ 176/2,1986 حدیث من عشق ایضاً مزید دیکھئے۔سیوطی۔جلال الدین۔الفتح الکبیر فی ذنب الزیادۃ إلی الجامع الصغیر۔بیروت دارالفکر 33/3,2002

۷۔ ابن کثیر۔عمادالدین۔تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ القلم:4

۸۔ بالیق عزالدین۔منہاج الصالحین ص 278 بحوالہ مسلم

۹۔ ایضاً عزالدین۔منہاج الصالحین ص278 بحوالہ ترمذی

۱۰۔ صبحی صالح ڈاکٹر۔علوم الحدیث۔ص 277

۱۱۔ مودودی سید ابوالاعلی۔علمی تحقیقات کیوں اور کیسے۔ص 12-14

دوسرا باب:

اسلامی اصول تحقیق، آغاز وارتقاء

پہلے باب میں اسلام میں علم وتحقیق کا آغاز وارتقاء کے علاوہ تحقیق کی تعریف اور اسلام میں تحقیقی عمل کی حیثیت و مقام واضح کیا گیا ہے اب اس باب میں اسلامی اصول تحقیق سے متعلق مزید مختلف مباحث پیش کیے جائیں گے۔

قرآن حکیم میں تحقیق کی بنیادیں:

یہ بات ہمارے ذہن میں رہنی چاہیئے کہ قرآن حکیم صرف فن تحقیق وتنقید کی کتاب نہیں ہے، لیکن اس نے کلام الٰہی ہونے کے وجہ سے مختلف امور میں متعدد تحقیقی اصول بیان کئے ہیں، ان اصولوں میں چند کی بنیاد یہ آیتیں بھی ہیں: اس آیت میں رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا تحقیقی وتنقیدی بنیادوں پر جائزہ لینے کے بارے میں کہا گیا ہے۔ آیت ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۔ (یونس:16)

عمر کا بڑا حصہ میں تمہارے اندر گزار چکا ہوں۔

آیت میں تحقیقی صحت کی ضمانت زندگی کے اس حصہ کے لئے پیش کی گئی ہے جو قبل از نبوت ہے تو نبوت کے بعد کی زندگی اور اس کے فرمودات میں کیونکر ایسا نقص پایا جائے گا جس سے علم وعقل یا تحقیقی اصولوں کی خلاف ورزی لازم آئے۔

پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ کسی عام خبر کو بھی تحقیق کئے بغیر آگے نقل کرنے سے منع فرمارہے ہیں۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ (النساء: ۸۳)

جب ان کے پاس امن یا ڈر کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اگر اس کو رسولؐ اور اولوالا مر تک پہنچا دیتے تو جو ان میں ملکہ استنباط یعنی تحقیقی اصولوں میں مہارت رکھنے والے تھے وہ اس کو پوری طرح معلوم کر لیتے۔

اس آیت میں استنباط سے مراد کسی چیز کو اس کے منبع اور مخزن سے نکالنا ہے گویا کہ ہر معاملہ کی مکمل تحقیق کر کے اسے آگے بیان کیا جائے پھر یہ امر بھی واضح کیا گیا ہے کہ تحقیق ہر عام و خاص کا کام نہیں بلکہ محققین کے لیے اولی الأ مر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

''اولو الامر'' سے مراد اہل علم و صاحب فقہ یعنی تحقیقی اصولوں اور تحقیقی طریق کار کے ماہرین ہیں، جن کو اہل العلم و الفقہ کہا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم یعنی علومِ قرآنی ،علوم الحدیث کے ماہر اور فقہاء، حدیث کی داخلی تنقید و تحقیق اور اس کی صحیح حیثیت متعین کرنے پر مامور ہیں۔ پھر یستنبطونہ کے افاضہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس نقد و تحقیق کے زیادہ مستحق وہ اہل علم و صاحب فقہ ہیں جو ''ملکہ استنباط'' رکھتے ہیں۔(1)

قرآن حکیم کی کئی آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے کاموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس میں اہم کام ''تعلیم حکمت'' ہے۔ اگر آپ کی طرف منسوب الفاظ کے معانی اور مفہوم میں کوئی نقص پایا گیا تو حکمت کی خلاف ورزی ہوگی جو شان نبوت کے منافی ہے۔ اور پچھلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ لفظ حکمت تحقیق کا مترادف ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں تحقیق کی بنیادیں:

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر اپنی حدیث کو تحقیقی اصولوں کے مطابق پرکھنے کے بارے میں فرمایا:

اذا سمعتم الحدیث تعرفه قلوبکم و تلین له اشعارکم و ابشارکم و ترون انه منکم قریب فانا اولاکم به و اذا سمعتم الحدیث عنی تنکره قلوبکم و تنفر منه اشعار کم و ابشار کم وترون انه منکم بعید فانا ابعدکم منه.(2)

جب کوئی ایسی حدیث جسے سن کر تمہارے دل کو اُنسیت ہو اور تمہارے بال وکھال اس سے متاثر ہوں اور اپنے سے اس کو قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں یعنی اگر میرے کلام سے دل مطمئن ہو اور سکون حاصل ہو تو وہ میری حدیث ہو گی۔ اور جب کوئی ایسی حدیث تم سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے بال وکھال اس سے متوحش ہوں اور اپنے سے اس کو دور سمجھو تو میں تمہاری نسبت اس سے زیادہ دور ہوں۔

دوسری جگہ اس معیار کے بارے میں دوبارہ فرمایا:

ماحدثتم عن ماتنکرونه فلا تاخذوا به فانی لا اقول المنکر و لست من اهله. (3)

تم سے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارا دل نکیر کرے یعنی اُس کی طرف راغب نہ ہو، تو اس کو مت قبول کرو کیونکہ میں نہ منکر کہتا ہوں اور نہ اس کا اہل ہوں۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ روایتوں میں حدیث کی تحقیقی اصولوں کے مطابق شناخت سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا تعلق متن یا داخلی نقد حدیث سے ہے جس کے لئے خاص مناسبت اور محققانہ ذوق اور اس میدان میں فنی ذوق کی ضرورت ہے۔(4)

اوپر کہا گیا ہے کہ حدیث کا سرچشمہ شعور نبوت ہے جس کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کا فہم و تدبر ضروری ہے۔ اس بناء پر متعدد روایتوں میں فقہ و تفقہ (فہم وتدبر) اور تحقیقی

اصولوں سے کام لینے کا خاص طور سے ذکر ہے۔

دور صحابہؓ میں تحقیقی وتنقیدی اصول:

صحابہ کرامؓ بھی تمام امور میں تحقیقی اصولوں کی پاسداری کرتے تھے خصوصاً وہ علوم یا امور جن کا تعلق قرآن اور حدیث نبوی ﷺ سے ہوتا تھا اُن کا خصوصی تحقیقی جائزہ لیتے تھے کیونکہ یہ دونوں بنیادی علمی مآخذ ہیں۔ جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے جب یہ حدیث بیان کی کہ:

الوضوء مما مست النار ولو من ثور اقط.(5)

جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ پنیر کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔

تو ابن عباسؓ نے قرآنی ونبوی تحقیقی اصولوں کے مطابق اس حدیث کو قبول نہ کیا اور فرمایا:

انتوضا من الدهن انتوضا من الحميم.(6)

کیا ہم چکناہٹ اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کریں۔

یہاں وضو سے مراد کلی کرنا ہے۔ یہ محل متعین کرنے کی ضرورت اسی بناء پر پیش آئی کہ حدیث کا ظاہری پہلو "تحقیقی اصولوں" کے خلاف تھا۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، تو انہوں نے فرمایا:

حسبكم القرآن ولا تزرو ازرة وزر اخرى.(7)

تمہارے لئے قرآن کافی ہے جس میں مذکور ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

اس حدیث میں عذاب کو اس صورت پر محمول کیا گیا ہے جس میں مردہ نوحہ کرنے کا

سبب ہے یعنی رونے کی وصیت کر جائے یا کسی کو مقرر کر جائے اس کے بغیر قرآن سے ربط نہیں قائم ہو سکتا۔

محمود بن ربیع صحابیؓ نے ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی:

فان الله قدحرم على النار من قال لا اله الا الله يبتغى بذالك وجه الله.(8)

جس شخص نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے "لا الہ الا اللہ" کہا اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ حرام کر دی۔

حضرت ابوایوب انصاری نے سن کر فرمایا:

والله ما اظن رسول الله قال ماقلت قط.(9)

خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ جو تم نے کہا رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہ فرمایا ہو گا۔

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے چونکہ عمل کی اہمیت گھٹتی ہے جو اسلامی تحقیقی اصولوں کے خلاف ہے اس بناء پر ابتدائی مرحلہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کو اس کے قبول کرنے میں تامل ہوا لیکن حدیث کا محل متعین ہونے کے بعد تامل کی گنجائش نہیں رہتی، وہ یہ کہ لا الہ اللہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے تقاضے پر عمل بھی کیا ہو جو خالص رضائے الٰہی کے لئے کہنے کا لازمی نتیجہ ہے۔

محدثین کے تحقیقی وتنقیدی اصول:

قرآن وحدیث اور صحابہؓ کے فرمودات میں چونکہ یہ تحقیقی بنیادیں موجود تھیں اس بناء پر محدثین نے حدیث کی تحقیق میں داخلی تنقید سے کام لینے میں دریغ نہیں کیا جیسا کہ درج ذیل تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں:

رایت فی الجاھلیة قردا اجتمع علیھا قردة قد زنت فرجموھا فرجمتھا معھم.(10)

میں نے زمانہ جاہلیت میں بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اس پر بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا چنانچہ میں نے بھی ان کے ساتھ سنگسار کیا۔

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ حافظ ابن عساکر اپنی کتاب ''تاریخِ دمشق'' میں ایک انوکھا اور سبق آموز واقعہ نقل کرتے ہیں جو یہ ہے۔

حضرت ابوعبداللہ عمرو بن میمون الأوادِی رحمہ اللہ کا شمار اکابر تابعین اور محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زہد و تقویٰ کے سبب معروف تھے۔ آپ کی وفات سن ۷۴ ہجری میں ہوئی۔ ایک دن کوفہ کی ایک مسجد میں لوگ آپ کے گرد اکٹھے تھے۔ مجلس میں موجود ایک شخص نے پوچھا کہ دورِ جاہلیت میں آپ کے ساتھ سب سے عجیب واقعہ کیا پیش آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''دورِ جاہلیت میں میرے ساتھ سب سے عجیب معاملہ یہ پیش آیا ہے کہ میں نے انسانوں کے سوا بھی کسی مخلوق کو رجم (سنگساری) کی سزا پر عمل کرتے دیکھا۔ معاملہ یوں ہوا کہ میرے گھر والوں نے مجھے کھجوروں کے باغ کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا تاکہ میں بندروں کو باغ خراب نہ کرنے دوں۔ ایک دن میں باغ میں ہی تھا کہ اچانک کچھ بندر نمودار ہوئے، اُن میں سے چند درختوں پر چڑھ گئے اور بعض آرام کرنے کے لیے باغ ہی میں اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اتنے میں ایک بندر اور بندریا آئے اور آرام کرنے کے لئے اکٹھے لیٹ گئے، بندریا نے بندر کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا اور وہ اس پر سر رکھ کر گہری نیند سو گیا۔ اسے سوتا دیکھ کر، ایک اور بندر اس بندریا کے قریب آیا اور اسے چٹکی کاٹی۔ بندریا نے نہایت آہستگی سے پہلے بندر کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور دوسرے بندر کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں نے کچھ دور جا کر باہم مجامعت کی۔ میں یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بندریا واپس پہلے بندر کے پاس لوٹی اور دوبارہ آہستگی سے اپنا

ہاتھ اس کے سر کے نیچے گھسانا چاہا، لیکن اس کی آنکھ کھل گئی۔ بندر کو کچھ شک ہوا اور اس نے بندریا کو سونگھا، اور سونگھنے کے بعد زور زور سے چلانے لگا۔ اس کی آواز سن کر سب بندر جمع ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک ان کے درمیان یوں کھڑا ہوا گویا وہ کوئی خطبہ دے رہا ہو۔ پھر وہ سب اس بندر کی تلاش میں نکل پڑے جو بندریا کے پاس آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے پکڑ کر لے آئے اور میں بھی اسے پہچان گیا۔ پھر سب بندروں نے مل کر ان دونوں کے لیے گڑھے کھودے اور انہیں سنگسار کر کے مار ڈالا"۔

جبکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا:

"اللہ کی قسم میں نے رجم کی سزا دیکھی، حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث بھی نہیں فرمایا تھا۔"

حافظ ابن عبدالبر (مشہور محدث) نے اس واقعہ پر نکیر یعنی اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے۔

فیھا اضافة الزنا الی غیر مکلف و اقامة الحد علی البھا ئم و ھذا منکر عند اھل العلم.(11)

اس میں غیر مکلف کی طرف زنا کی نسبت ہے اور جانوروں پر حد (سزا) قائم کرنا ہے، جو تحقیقی اصولوں اور اہل علم کے نزدیک نا قابل قبول ہے۔

قرآن حکیم سے معنویت حاصل کر کے جو ہر انسانیت کی تربیت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو تحقیقی پروگرام مرتب کیا اور جس کی تفصیل علوم اسلامیہ کے مختلف ابواب میں موجود ہے ان میں علم حدیث کو فنی ماہرین نے اس کی صحت کو جانچنے کے لئے متن اور سند دونوں سے متعلق ایک معیار مقرر کیا ہے:

"متن" اصل حدیث اور "سند" اس کے پہنچنے کے ذریعہ اور راستہ کو کہتے ہیں۔

"سند" اگرچہ اصل حدیث کا جزء نہیں ہے لیکن چونکہ اولاً حدیث کی صحت کا مدار سند ہی پر ہے، اس بناء پر محدثین کے تحقیقی اصولوں کے مطابق اس کی حیثیت کسی طرح "جزء" سے

کم نہیں ہے۔ سند پر گفتگو کو ہم خارجی نقد اور متن پر گفتگو کو داخلی نقد کہیں گے۔ اور علم حدیث میں تحقیقی اصول سند و متن کے تحقیقی و تنقیدی جائزہ تک محدود ہیں جن کی تفصیل آئندہ سطور میں ہے۔

داخلی طور پر حدیث کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ:

ابن دقیق العید کہتے ہیں:

کثیر ا ما یحکمون بذالك ای بالوضع باعتبار امور ترجع الی المروی و الفاظ الحدیث.(12)

بسا اوقات حدیث کے وضع (جعلی) ہونے کا حکم محققین ان امور کی وجہ سے لگاتے ہیں جن کا تعلق مروی (متن حدیث) اور الفاظ حدیث سے ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں:

وقد یفهمون الوضع من قرینة حال الراوی او المروی فقد وضعت احادیث طویلة یشهد بوضعها رکاکة الفاظها و معانیها.(13)

تحقیق اصولوں کے مطابق کبھی حدیث کی وضعیت (جعلی یا جھوٹا ہونا) راوی یا مروی (متن) کی حالت سے سمجھی جاتی ہے، چنانچہ بہت سی طویل حدیث کے الفاظ و معانی کی رکاکت (سطحیت) خود وضعی ہونے کی شہادت دیتی ہے۔

ابوالحسن علی بن محمد کنانی کہتے ہیں:

قرینة فی المروی المخالفة لمقتضی العقل حیث لا یقبل التاویل ویلتحق به ما یدفعه الحس و المشاهدة و

العادة.(14)

علم حدیث میں تحقیقی وتنقیدی معیار کے مطابق مروی (متن) میں وضعی ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ وہ مقتضائے عقل کے خلاف اس طرح ہو کہ کوئی تاویل نہ قبول کر سکے، اسی میں وہ بھی شامل ہے جو حس، مشاہدہ و عادت کے خلاف ہو۔

مقدمہ المغنی میں ہے:

لم يقف العلماء عند نقد الحديث من حيث سندة بل تعدوا الى النظر في متنه فقضوا على كثير من الاحاديث بالوضع و ان كان سندا سالما اذا وجد وا في متونها عللا تقضي بعدم قبولها.(15)

علماء نے حدیث کے تحقیقی وتنقیدی جائزہ کے معاملہ میں صرف سند پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ متن کی طرف بھی توجہ کی، چنانچہ بہت سے ایسی حدیثوں کے وضعی یعنی جھوٹے ہونے کا فیصلہ کیا جن کی سندیں اگرچہ درست تھیں لیکن ان کے ''متن'' میں تحقیقی معیاروں کے مطابق خرابیاں پائی جاتی تھیں جن کی بناپر وہ قابل قبول نہ تھیں۔

خارجی طور پر حدیث کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ:

قرون اولی کے مسلمانوں نے علم حدیث کے بارے میں روایت اور درایت کے جو اصول منضبط کئے ہیں ان پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے، روایت کے بارے میں ان کے حزم واحتیاط کا عالم یہ تھا کہ سیر مغازی تو بہت بڑی چیز ہے، وہ عام خلفا اور سلاطین کے حالات اس وقت تک بیان نہیں کرتے جب تک کہ انکے پاس آخری راوی سے لے کر چشم دید گواہ تک تسلسل کے ساتھ روایت موجود نہ ہو۔ یعنی جو واقعہ لیا جائے وہ اس شخص کی

زبانی ہو جو خود شریک واقعہ رہا ہو اور اگر وہ خود شریک واقعہ نہیں تھا تو اس واقعے تک تمام درمیانے راویوں کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کیئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کی جائے کہ وہ لوگ کون تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کی سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ کہاں تک تھے؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس تھے؟ عالم تھے یا جاہل؟ تمام جزئی باتوں کا پتہ لگانا بہت دشوار تھا لیکن ہزاروں محدثین نے اس کام کے لئے اپنی عمریں وقف کر دیں اور ان تحقیقات سے اسماء الرجال کا ایک بے مثل فن ایجاد کیا کہ جس کی بدولت کم از کم ایک لاکھ شخصیتوں کے صحیح حالات معلوم ہو سکتے ہیں، اگر کسی راوی پر کذب، تہمت، غفلت، ثقات کی مخالفت یا حافظے کی کمزوری وغیرہ کا الزام ہے تو محدثین نے بلا تکلف اس کو مجروح اور اس کی روایت کو مردود، بدعت قرار دیا ہے۔(16)

مرفوع، موقوف، قولی وفعلی وتقریری، نیز آحاد ومتواتر، مشہور، عزیز وغریب، اسی طرح صحیح وحسن اور مقبول ومردود وغیرہ کتنی اقسام حدیث ہیں۔ جن کی تقسیم خود اپنی جگہ اس امر کی شاہد ہے کہ علماء اسلام کی نظر کس قدر گہری تھی اور ان کا معیار تحقیق کس قدر بلند تھا، فن روایت کے بعد درایت کا نمبر آتا ہے، یعنی ایک حدیث کے تمام راوی (شروع سے آخر تک) ثقہ اور مستند تو ضرور ہیں لیکن ممکن ہے کہ عقلاً اس روایت میں کوئی خامی موجود ہو، چنانچہ ایسی روایت بھی غیر معتبر قرار دی جائے گی، محدثین نے درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کو پرکھنے کے لئے اصول قائم کیئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ کیا واقعہ مذکورہ عقل سلیم کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ کیا اس زمانے میں لوگوں کا عام میلان واقعے کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ اگر واقعہ کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ واقعے کے متعلق راوی کے قیاس اور رائے کو کہاں تک دخل حاصل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعے کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے وہ واقعے کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس واقعے کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور اس کی تمام خصوصیات کا جائزہ نہیں لے سکا ہے۔

۶۔ اس امر کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے واقعے میں کیا کیا اور کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔(17)

درایت یعنی عقلی حیثیت سے واقعات کو جانچنے کے اصول اس قدر قوی ہیں کہ روایوں کی صداقت اور دیانت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی منافقین کی افترا پردازی کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ شمع رسالت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانوں میں سے ساڑھے سات ہزار ایسے ہیں جن کی روایات، کتب احادیث میں منقول ہیں اور سب کی سب مستند و معتبر ہیں، چنانچہ محدثین نے بے خوف ہو کر بڑے سے بڑے راوی اور روایت کو پرکھا ہے حزم اور احتیاط کے معاملے میں کسی رو رعایت کو جگہ نہیں دی، مشہور محدث امام وکیعؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ اپنے والد سے جب روایت کرتے ہیں تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے ہیں کیونکہ ان کے والد سرکاری خزانچی تھے، اس طرح محدث مسعودی کا واقعہ ہے کہ ۱۵۴ھ میں امام معاذؒ نے جب ان کے نسیان کا اندازہ کیا تو فوراً ان کے حافظے سے متعلق اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔

یہ اسلام کی وہ تحقیقی بنیادیں ہیں جن پر آج چودہ صدیں گذرنے کے باوجود ہم جتنا فخر کریں وہ کم ہے۔ دور حاضر کا کوئی مذہب یا نظریہ اِن تحقیقی بنیادوں کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ان تحقیقی بنیادوں پر استوار کی گئی علوم اسلامیہ کی عمارت آج تک اپنی شان برقرار رکھے ہوئے ہے جس کا ادراک آپ علوم اسلامیہ کی متعدد اصناف کا مطالعہ کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔

اسلام میں تصنیف و تالیف کا آغاز:

بلا شبہ عہد رسالت، خلاف راشدہ اور دور اموی میں بعض علوم کی تدوین کا آغاز ہوا لیکن عہد رسالت سے دور اموی تک خالص عربی تمدن جلوہ فگن رہا عربوں کے اپنے قوت حافظہ پر جیسا کچھ اعتبار و اعتماد اور فخر و ناز تھا وہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ اپنا پورا علمی و ثقافتی ورثہ نسب نامے، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے سب حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور انہیں قید تحریر میں لانا عار سمجھتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے ہاں کتابی مواد کوئی نہ تھا۔ دور نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کے معاہدات، فرامین، ذاتی و سرکاری خطوط، قرآن وسنت کا تحریری سرمایہ کافی تعداد میں موجود تھا۔ عربوں کا اپنے قوت حافظہ پر غیر معمولی اعتماد اور تحریری مواد کی قلت کی وجہ سے ان کی تحریر میں تنوع و کثرت نہیں آسکی تھی اور نہ بہت اعلی پیمانہ پر ان کے علوم وفنون کی تدوین ہی کی جاسکی تھی۔ اس لئے اس دور کے کتب خانوں کے ذخیرہ میں جامعیت، تنوع اور کثرت پیدا نہ ہوسکی تھی۔ اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کا وہ آغاز ہے جس سے علم و کتاب کے سلسلہ کا احیاء ہوا تھا۔

عہد عباسی میں تصنیف و تالیف اور کتابت و وراقت، کتب خانہ سازی کے ذخیرہ میں اضافہ کا سبب بنی اور سابقہ دور کے برعکس علمی سرمایہ کو قید تحریر میں لانے کا شمار علوم نافعہ میں کیا گیا، اور اس اُمر پر تقریباً اجماع ہوگیا کہ علم کو قید تحریر میں لانا ان کا دائمی نفع ہے، یہ دنیا و آخرت میں اجر و مسرت کا موجب ہیں، اس لئے اس کی طرف توجہ دلائی جاتی اور ترغیب دی جاتی تھی۔(18)

حکومت کی علمی سرپرستی.

عہد عباسی میں بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے اہل علم کو تخلیقات پر مائل کرنے

کیلئے تمام مناسب طریقوں سے کام لے کر مصنفین و محققین اور ائمہ فن سے اعلیٰ درجہ کی معیاری تخلیقات کرائیں اور علمی ثروت کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا، چنانچہ جاحظ، ابن قتیبہ، الخوارزمی، الفارابی، الرازی، البیرونی، ابن سینا جیسے عبقریوں کی تخلیقات وتحقیقات جن کی اہمیت وافادیت اور قدر و قیمت دائمی ہے اور وہ عربی زبان واسلامی تحقیقی ادب کا لافانی سرمایہ ہیں۔ غرض مذہب، اخلاق، فلسفہ، قانون، نظام حکومت، زبان، ادب سائنس، طب، صنعت وحرفت، فلکیات، تاریخ و سیر، وغیرہ کے موضوع کی سینکڑوں کتابیں اس دور کے اہل ثروت، حکام اور حکمرانوں کی ترغیب، امداد اعانت سے مدون ہوئیں اور اس طرح تحقیق اور علم وادب کی آبیاری ہوتی رہی، کتب خانوں کے مواد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

عہد عباسی میں علوم وفنون کی نشر واشاعت اور تصنیف وتالیف کا ذوق اہل علم میں ایسا رواج پا گیا تھا۔ کہ قید و بند کی سختیاں بھی ان کو ابلاغ اور علم کی خدمت سے نہ روک سکیں۔ درس وتدریس اور املاء کا سلسلہ جس طرح مسجد کے صحنوں اور مدرسوں کے ایوانوں میں جاری رہتا تھا اسی طرح کنوؤں کی تاریکی وقید تنہائی میں بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ واصولی شمس الائمہ ابی سہل امام سرخسی التوفی (۴۹۱ھ) پر ایک دور ابتلاء آیا کہ حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے حاکم بخارا نے ناراض ہو کر انہیں اور جند کے ایک کنویں میں قید کر دیا موصوف نے کنویں کے اندر سے علماء کو منڈیر پر بٹھا کر زبانی فقہ کی کتابیں املاء کرائیں جن میں سے ایک نہایت ضخیم کتاب ''مبسوط'' بھی ہے جو مصر سے تیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس لئے صاحب فضائل بلخ نے لکھا ہے۔

> ''موصوف کی گرفتاری بھی علم کی نشر واشاعت کا سبب ہوئی، اللہ تعالیٰ کو اُن کے نور علم کی روشنی پھیلانا منظور تھا''۔(19)

تحقیقی موضوعاتی کتب کا آغاز:

عہد عباسی میں مسلمانوں کا جب دوسری اقوام سے ربط وضبط بڑھا اور انکے ملحدانہ

افکار و نظریات کا اثر پھیلنے لگا تو خلیفہ مہدی نے ۱۵۸ھ میں مختلف مذاہب اور متعدد شخصیات کے ملحدانہ افکار مثلاً مانی، ابن الصان اور مرقیوس، ابن العوجاء، حماد عجرد، یحییٰ بن زیاد اور مطیع بن ایاس وغیرہ کے افکار کی تردید میں لکھنے کا فرمان جاری کیا۔(20)

اس فتنہ کی وجہ سے مسلمانوں نے زندیقی ادب کا مطالعہ کیا، سرکاری طور پر اسلام میں کلامی ادب کی تدوین ہوئی اور یہ موضوع ایسی وسعت اختیار کر گیا کہ اس موضوع پر ایک ایک عالم سینکڑوں کتابیں لکھنے لگا تھا۔ اس طرح کتب خانوں کے ذخائر میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

> ''تیسری صدی ہجری میں تصنیفی و تحقیقی معیار اتنا بلند ہو چکا تھا کہ شرعی علوم و ادبی موضوعات کے علاوہ سائنسی اور فنی علوم میں بھی تربیت (Training) حاصل کی جاتی تھی، قدماء کی کتابیں پڑھ کر تحقیق (Research) کی جاتی اور فن میں اختصاص (Specialization) کے بعد کسی موضوع پر قلم اٹھایا جاتا تھا۔ چنانچہ مشہور حکیم ابوالحسن علی بن ربن طبری المتوفی ۲۴۷ھ/ ۸۶۱ء نے جب طب میں ''فردوس الحکمہ'' لکھی تو آغاز کتاب میں تصریح کی کہ ''میری یہ کتاب بقراط، جالینوس وغیرہ اطباء کی کتابوں ارسطو اور دیگر فلسفہ کی طب میں کتابوں سے اور ہمارے زمانے کے شاہی طبیب یوحنا بن ماسویہ حنین وغیرہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے''

انہوں نے مزید کہا کہ صناعت طب میں جو تجربہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اساتذہ فن کی صحبت اختیار کرنا اور قدماء کی کتابیں پڑھنا چاہئیں، میں نے حکماء کی کتب کثیرہ کی جستجو کی، ان ثمرات و نتائج کو جمع کیا اور زیادہ سے زیادہ فوائد کو اس میں پیش کرنے کی سعی کی ہے، ایک مقالہ سنسکرت کی کتابوں سے ماخوذ ہے، میں نے اس کتاب کا ترجمہ سریانی زبان میں بھی کیا ہے۔ کثرت مطالعہ کے سبب میری علم میں یہ بھی بات آئی ہے کہ ایک

مولف نے دوسرے کی تالیف کو اپنے نام سے شائع کیا ہے جو ایسا کرتا ہے، وہ اللہ کی پھٹکار کا مستحق ہوتا ہے اور لوگوں کی سب دشتم کا نشانہ بنتا ہے۔ اسکی مثال اس کتے کی سی ہے جو شیر کے چھوڑے ہوئے چھوڑے ہوئے شکار کو کھا کر خوش ہوتا اور اتراتا ہے"

ابن ربن طبری کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں اختصاص (Specialision) حاصل کرنے کیلئے ماہرین سے تربیت حاصل کرنا، مصنفین کی کتابوں پر تحقیقی نظر ڈالنا اور بیرونی زبانوں سے واقف ہونا لازمی شرط تھی، اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ تیسری صدی ھجری سے یعنی آج سے بارہ سو سال پہلے مسلمانوں کا علمی و تحقیقی ذوق اس قدر بلند ہو چکا تھا کہ تمام مصنفین اور مولفین میں اپنی تصنیفات کے آغاز میں کتابیات یعنی مآخذ نقل کرنے اور اپنی تخلیقات کو مشرق و مغرب میں پہنچانے کا رواج ہو چکا تھا۔ مصنف کا مذاق اعلیٰ ہوتا تھا کہ وہ کتاب میں اپنی تحقیقات پیش کر کے خوش ہوتا اور دوسروں کی تحقیقات نقل کر کے اتراتا نہ تھا۔ جو مولف کسی دوسرے عالم کے علمی مواد کو ترتیب دے کر اپنے نام سے پیش کرتا تھا وہ اپنے آپ کو اس کتے کا مصداق بناتا تھا، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

ابن ربن طبری نے اخلاقی اور تصنیفی حس کو بیدار کرنے کیلئے جو غیرت مندانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عہد عباسی میں تحقیقی معیار، تالیفی ذوق اور تدوین کس قدر عام ہو چکی تھی اور اُن میں کس درجہ حزم واحتیاط سے کام لیا جاتا تھا، اس سے عہد عباسی کی تخلیقات و تحقیقات کے اعلیٰ معیار کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ علمی تفوق ہے جس کا آج بھی مستشرقین کو اعتراف ہے۔ (21)

ایڈیٹنگ (Editing) ترتیب کتاب کے جدید تصور کا آغاز اوائل عہد عباسی میں ہو چکا تھا چنانچہ ماکس مرہوف (Max Meyerhof) لکھتا ہے۔

"عہد عباسی میں غیر زبانوں سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرتے وقت ایک مترجم کتاب کے کم از کم تین ایڈیشن سامنے رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

چنانچہ حنین بن اسحاق (۱۹۴۔۲۶۰ھ/۸۲۰۔۸۷۳ء) کا بیان ہے

> ''میں ترجمہ کرتے وقت یونانی کتاب کے کم از کم تین نسخے سامنے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں'' (22)

تصنیفات میں حوالوں کا اہتمام اور کتابیات درج کرنے کا آغاز

عہد عباسی میں جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں استعمال میں آنے لگیں تو علماء مصنفین اپنی کتابوں میں حسب ضرورت ان کے حوالے دینے لگے تھے۔ بقول مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی تیسری صدی ہجری میں غالباً سب سے پہلے آئمہ لغت ابوزید انصاری بصری (۱۲۲۔۲۳۹ھ) نے کتاب النوادر فی اللغہ کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ میں نے جو اشعار قصائد میں نقل کئے ہیں وہ مفضل بن محمد ضبی کوفی سے سنے ہیں اور جو لغات ابواب رجز میں پیش کئے ہیں اس کا سماع عرب سے کیا ہے۔ (23)

امام ابوعیسی ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے کتاب العلل میں آئمہ فنون کا حوالہ دینے اور اپنے پیش نظر ماخذوں کی نشاندہی کرنے کا اہتمام کیا تھا چنانچہ موصوف کتاب العلل میں رقم طراز ہیں۔ ''جامع ترمذی میں جو باتیں علل احادیث رجال و تاریخ کی بیان کی ہیں وہ میں نے بخاری کی التاریخ الکبیر سے لی ہیں اور اقوال فقہاء اور علل حدیث کے سلسلہ میں پیشوایان فن، ہشام بن حسن (المتوفی ۱۴۷ھ) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (المتوفی ۱۵۰) سعید بن ابی عروبہ (المتوفی ۱۵۶ھ) مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ) حماد بن سلمہ (المتوفی ۱۶۷ھ) عبداللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) یحیٰی بن زکریا ابی زائدہ (المتوفی ۱۷۲ھ) وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) وغیرہ اہل علم و فضل کی تصانیف پیش نظر رہی ہیں''۔ (24)

اس سے معلوم ہوتا ہے عہد عباسی میں یعنی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تصانیف کا سلسلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک عالم دوسرے عالم کی کتابوں کا حوالہ دیتا تھا۔ حوالہ

کی صورت بھی ترقی پذیر رہی ہے۔ چوتھی صدی میں جب ہر موضوع پر زیادہ کتابوں کا ذخیرہ فراہم ہو گیا تو مصنفین نے اوائل کتاب میں اپنے ماخذوں کی نشاندہی ضروری سمجھی تاکہ قاری کو موضوع سے متعلق مصنف کے پیش نظر تحقیقی و مستند نسخوں کو علم ہو سکے اور اقتباسات کو سمجھنے میں مدد مل سکے نیز مصنف کی اپنی کتاب بھی مستند سمجھی جائے۔ کبھی ایسا کیا جاتا تھا کہ مصنف کتابیات کی وضاحت جداگانہ رسالہ میں کرتا تھا چنانچہ ابو داؤد سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ/۸۸۹ء نے کتاب السنن میں کتابیات ایک مستقل رسالہ میں جو "رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکہ فی وصف سننہ" سے موسوم ہے بیان کی تھیں۔

ان مقاصد کے پیش نظر کبھی مصنف ابتداء میں کتابوں کا نام نقل کرتا اور کبھی کتاب کے آخر میں ذکر کرتا اور بعض مواقع پر دوران بحث مصنفین کی شہادتوں پر اعتماد کر کے حوالوں سے کتاب کو زینت دیتا جو اس کے خزائن کتب یا اس کی دسترس میں نہیں ہوتی تھیں تاکہ جہاں قاری کو وہ کتاب مل سکیں وہ ان سے استفادہ کر سکے۔ چنانچہ ابن فارس المتوفی ۳۹۵ھ کے معجم مقائس اللغہ میں کتابیات کے اس اسلوب کو اختیار کیا اور مقدمہ کتاب میں بنیادی پانچ کتابوں کتاب العین خلیل، کتاب غریب الحدیث لابو عبید، کتاب المنطق لابن السکیت، کتاب الجمہر لابن درید کو بیان کر کے لکھا ہے کہ ان کے علاوہ لغت کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بھی پیش نظر رہی ہیں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کتابوں سے ماخوذ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مصنفین نے تیسری صدی ہجری میں کتاب کے آخر میں اور چوتھی صدی ہجری میں کتاب کے آغاز میں کتابیات پیش کرنے کی جو اساس قائم کی تھی آج تک اس پر عمل جاری ہے۔ یہ طرز عمل قاری کو مصنفین اور کتابوں تک رہنمائی میں مدد دیتا ہے اور کتابیاتی مقاصد کو پورا کرتا ہے۔

محققین کا تحقیقات پر نظر ثانی کرنے کا آغاز:

اموی دور کے بعد عباسی دور میں اسلامی اصول تحقیق اِس قدر مروج ہو چکے تھے کہ ہر مصنف اپنی کتاب محنت سے تیار کرتا، عرصہ دراز تک اس کی خامیاں دور کرتا اس میں اضافہ و تصحیح کرتا تھا۔ چنانچہ ابو بکر محمد بن عزیر سجستانی نے کتاب نزھۃ القلوب فی تفسیر غریب القرآن پندرہ (۱۵) برس میں لکھی تھی۔ اور ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے غریب الحدیث چالیس (۴۰) برس میں لکھی تھی۔

انہی وجوہ سے تذکرہ نگار صحیح ترین کتابیں رکھنے والوں کی نشاندہی کرتے تھے جس سے مقصد کتابوں کی قدر و قیمت بتانا اور انتخاب کتب میں ان نسخوں کو ترجیح دینا تھا۔ چنانچہ ابو الحسن علی بن المغیرہ الاثرم المتوفی ۲۳۲ھ کے متعلق تصریح کی ہے کہ ان کے پاس تصحیح شدہ کتابیں تھیں۔ ابو الحسن علی جلبی المتوفی ۶۰۰ھ نحو ولغت کا عالم، اچھا ناقل، تصحیح کتب کا دلدادہ تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں وہی لکھا جسے اس کے دل و دماغ نے محفوظ رکھا تھا۔(25)

محققین اور طلباء کیلئے جدا جدا اسلوب میں تصنیفات کا آغاز:

تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نصابی کتب کی تدوین کا آغاز اوائل عہد عباسی میں ہو چکا تھا۔ اور متداول علوم میں مختصر و جامع کتاب تعلیم کیلئے پسند کی جانے لگی تھی مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی لکھتے ہیں فقہ و سنن کے موضوع پر امام اعظم ابو حنیفہ کی ''کتاب الآثار'' امام مالک کی ''الموطاء'' سفیان ثوری کی ''الجامع'' اس امر کی غماز ہیں، خلیفہ منصور عباسی کا اپنے ولی عہد مہدی کیلئے ابن اسحاق سے ''مختصر السیر'' تیار کرانا، ادب کے موضوع پر مغفل ضبی کا ''المفضلیات'' کے نام سے منظوم عربی ادب کا نمونہ مرتب کرنا، سیبویہ کا الکتاب لکھنا، تفسیر قرآن میں فراء کا ''معانی القرآن'' املاء کرانا اصول فقہ میں امام ابو یوسف کا ''کتاب الخراج اصول الفقہ'' ور امام شافعی کا کتاب ''الرسالۃ'' ترتیب دینا تاریخ و سیر میں ابن

قتیبہ کا کتاب المعارف تالیف کرنا، امام اعظم ابو حنیفہ کا علم کلام میں ''الفقہ الاوسط'' اور ''الفقہ الاکبر'' لکھنا، طب میں علی بن سہل طبری کا ''فردوس الحکمۃ'' مدون کرنا مذکورہ بالا دعوے کی نہایت روشن دلیل ہے۔

ہر فن میں مختصر، متوسط اور مطول کتابوں کا سلسلہ سب سے پہلے امام محمد نے فقہ میں ''الجامع الصغیر'' ''الجامع الکبیر'' اور ''المبسوط'' تصنیف کر کے کیا تھا۔ پھر عہد عباسی میں یہ سلسلہ بہت زیادہ پھیلا اور ہر فن میں یہ طریقہ رواج پا گیا اس سے ذخائر کتب میں مختصر کتب ہینڈ بک (Hand book) اور دائرہ المعارف (Encyclopedia) مطول کتب کا آغاز ہوا۔

> ماکس مرہوف (Max meyerhof) لکھتا ہے ''ارباب فن اور اہل علم ترجمہ نگار تراجم کتب کے علاوہ خاص فن میں مختصر رسالہ بھی تیار کرتے تھے جو فن کی جملہ معلومات پر حاوی ہوتے چنانچہ اس دور کے نامور اطباء نے علم طب میں ایسے خلاصے تیار کئے جس میں تمام عوارض جسمانی سے بحث تھی اور وہ سر سے پاؤں تک تمام امراض کو جامع تھے''۔ (26)

طلباء کے لئے مقالہ نگاری کا آغاز اور تحقیقی اصولوں کی پاسداری:

عہد عباسی میں فن طب سے تحقیقی مقالہ نگاری کا آغاز ہوا چنانچہ ۳۱۹ھ/ ۹۲۱ء میں کسی طبیب کی ناتجربہ کاری کیوجہ سے ایک مریض چل بسا تو خلیفہ مقتدر باللہ عباسی نے سرکاری طور پر اطباء کیلئے طب کا امتحان پاس کرنا لازمی قرار دے دیا، جب یہ پابندی عائد کی گئی تو شاہی اطباء کے علاوہ صرف بغداد میں آٹھ سو (۸۰۰) سے زیادہ اطباء نے امتحان دیا تھا۔ اس امتحان میں پاس ہونے کی سند اس وقت دی جاتی تھی جب وہ فن طب کے موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ پیش کرتا اور طبی تحقیقی بورڈ اسے دیکھ کر مطمئن ہو جاتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقی مقالہ نگاری اور ڈاکٹریت کی سند کا آغاز عہد عباسی سے ہوا تھا۔

(27)

عہد عباسی میں جن علوم وفنون کا رواج تھا ان کے کسی چھوٹے سے چھوٹے موضوع پر بھی کوئی محقق قلم اٹھاتا تو جو تصانیف اس موضوع پر ہوتی تھیں ان سے استفادہ کرتا تھا چنانچہ امام محمد بن جریر طبری نے جب قیاس کے موضوع پر لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک وراق نے انہیں اس موضوع پر ۲۹ کتابیں دی تھیں بعض مصنف سو(۱۰۰) کتابیں مطالعہ کرنے کے بعد دادِ تحقیق دیتے تھے چنانچہ ابو بکر ابن الانباری (م:328) اور صاحب ابن عباد نے کتاب ''الایضاح الوقف والابتداء'' اسی طرح ترتیب دی تھیں۔ (28)

مذکورہ بالا مثالیں اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ عہد عباسی میں چھوٹے سے چھوٹے موضوع پر تصانیف کے مطالعہ کا سلسلہ تیزی سے جاری تھا اور ہر موضوع پر مصنف کو لکھنے کیلئے ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا جو اس دور میں اہل علم ہی کا نہیں بلکہ ہر موضوع پر کتابوں کی کثرت، اُن کی بسہولت دستیابی اور کثرت استعمال کا بھی نہایت واضح ثبوت ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں لغت کا ذخیرہ اتنی وسعت اختیار کر چکا تھا کہ صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ کے کتب خانہ میں ساٹھ بار شتر کتابیں اسی موضوع پر موجود تھیں۔ علامہ سیوطی نے کتاب ''المزہر'' میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ بیشتر کتابیں تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہوگئیں اس لئے لغت میں متقدمین ومتاخرین کی جو تصانیف ملتی ہیں وہ ایک بار شتر کے برابر بھی نہیں ان میں بھی زیادہ تر وہ ہیں جن کے مصنفین نے صحیح لغات جمع کرنے کا التزام نہیں کیا، صحیح وغیر صحیح سب کچھ جمع ہے۔ اسی ایک واقعہ سے دوسرے علوم وفنون پر بلکہ ہر موضوع اور ان کی انواع واقسام پر کتابوں کی کثرت وذخیرہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (29)

عہد عباسی میں مسلمانوں نے اپنی تالیفات میں علوم اوائل کی ایسے قیمتی معلومات فراہم کی ہیں جو کلاسیکی ماخذوں میں بھی نہیں ملتی ہیں۔ چنانچہ ماکس مرہوف لکھتا ہے!

''ابن القفطی کی کتاب تاریخ الحکماء'' میں ۴۱۴ یونانی، شامی اطباء ہیئت دانوں اور فلسفیوں کی سوانح عمریاں ہیں۔ عربوں کو یونانی علمیات کا جو علم حاصل تھا اس کے متعلق یہ کتاب معلومات کی ایک کان ہے اور اس میں یونانی قدامت کے متعلق ایسا مواد موجود ہے جو کلاسیکی ماخذوں میں نہیں پایا جاتا ہے''

تحقیقی تصنیفات کے نمونے (Survey of Research)

اس بات کا آپ سابقہ ابواب میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسلام کا آغاز ہی تحقیق سے ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے علمی اور تحقیقی میدان میں حوالہ جات دینے کا باقاعدہ آغاز تیسری صدی ہجری سے کر دیا تھا اور اُن کی تصنیفات میں کتابیات کے استعمال کا رواج عام ہو گیا تھا۔ مورخ اسلام ابن عبدالبر المتوفی ۴۲۳ھ نے ''الانباہ علی قبائل الرواۃ'' میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ان کو مقدمہ میں نام بنام شمار کرا کر کہا ''میں نے اپنی کتابوں کو انساب کی بنیادی کتابوں سے ترتیب دیا ہے جن میں:

۱۔ کتاب ابوبکر محمد بن اسحاق
۲۔ کتاب ابی المنذر رہشام بن محمد سائب کلبی
۳۔ کتاب ابوعبیدہ معمر بن المثنی
۴۔ کتاب محمد بن عبدہ ابن سلیمان
۵۔ کتاب محمد بن حبیب
۶۔ کتاب نسب قریش ابوعبداللہ احمد بن محمد بن عبید عدوی
۷۔ کتاب نسب قریش زبیر بن بکار
۸۔ کتاب نسب قریش مصعب بن عبداللہ زبیری
۹۔ کتاب انساب العرب علی بن کیسان کوفی

۱۰۔ کتاب علی بن عبدالعزیز جرجانی

۱۱۔ کتاب عبدالملک بن حبیب اندلسی

اس کے علاوہ فقرے اور جملے میں نے حدیث و آثار اور کتب تاریخ و ادب سے لئے ہیں۔

موصوف نے جب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' لکھی تو اس میں بھی کتابیات کو آغاز کتاب میں بیان کیا اور کہا ''میں نے اس کتاب میں جو لکھا ہے وہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے ابن اسحاق کی کتاب سے طبقات واقدی سے'' تاریخ واقدی سے منقول ہے۔ بعض کتابیں نہیں مل سکیں ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالہ سے نقل کیا۔ مثلاً جو مصعب بن عبداللہ ابو المدائنی اور ابو معشر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کتاب ابوابی خیثمہ سے ماخوذ ہے۔ تاریخ بخاری، تاریخ ابو العباس محمد بن اسحاق سراج، ابن جریر طبری، ذیل المذیل، ابی البشر دولابی کی کتاب المولدۃ والوفاہ سے استفادہ کیا ہے صحابہ کی جنگ و شہادت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات اور قبول اسلام یہ باتیں طبقات کبیرا ابن سعد سے لکھی ہیں اس کے علاوہ جو باتیں ہیں وہ ابوعلی سعید بن عثمان بن السکن کی کتاب ''الحروب فی الصحابہ'' اور ابو محمد جارود کی کتاب الصحابہ کتاب ابوجعفر عقیلی اور کتاب ابن ابی خیثمہ سے منقول ہے۔ میں نے ابن ابی حاتم رازی کی کتاب اور ازرق دولابی بغوی کی کتاب الصحابہ کا بھی مطالعہ کیا ہے اس کتاب میں ان کتابوں کے علاوہ بھی معلومات ہیں جو شیوخ سے سنی ہیں۔ اور انساب کی کتابوں کا تذکرہ ہم نے کتاب الانبیاء میں کیا ہے۔ آج بھی محققین کی ہاں ان ہی اصولوں کا رواج ہے۔ (30)

یہ مختصر طور پر اسلام کے علمی میدان میں تحقیقی مزاج کا جائزہ اور اس کی مختصر تاریخ ہے تاکہ اہل علم پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اسلام کے اپنے تحقیقی اصول ہیں اور صرف اصول ہی نہیں بلکہ ان بنیادوں پر ایک بہترین تاریخی عمارت بھی موجود ہے۔

حوالہ جات

دوسرا باب

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ حاکم امام۔ مستدرک حاکم۔ بیروت دار الکتاب العربی۔ (ت۔ن) 123/1

۲۔ احمد بن حنبل امام۔ مسند احمد بن حنبل۔ احادیث أبی اسید الساعدی۔

۳۔ کنانی۔ ابوالحسن علی بن محمد۔ تنزیۃ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ۔ فصل فی حقیقۃ الموضوع

۴۔ تقی امینی۔ حدیث کا درایتی معیار۔ ص 182

۵۔ ابوداؤد۔ ابواب الطہارۃ۔ باب الوضوء مما غیّرت النار

۶۔ ابوداؤد۔ ابواب الطہارۃ۔ باب الوضوء مما غیّرت النار

۷۔ سرخسی شمس الائمۃ۔ اصول السرخسی تحقیق الوالوفاء داھانی۔ قاھرہ مطابع الکتاب العربی۔ 1972-341/1 مزید دیکھیں۔ مشکاۃ المصابیح۔ باب البکاء علی المیت

۸۔ صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ النوافل الجماعۃ۔

۹۔ صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ النوافل الجماعۃ۔

۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبہ۔ باب القسامۃ فی الجاہلیہ۔

۱۱۔ عسقلانی ابن حجر، فتح الباری ج-7 باب القسامۃ فی الجاہلیہ

۱۲۔ سخاوی امام شمس الدین۔ فتح المغیث شرح الفیہ العراقی فی مصطلح الحدیث۔ باب الحدیث الموضوع

۱۳۔ ابن الصلاح۔ مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، ملتان فاروقی کتب خانہ النوع

الھادی والعشر ون۔معرفۃ الموضوع

۱۴۔ کنائی۔تنزیۃ الشریعۃ۔فصل فی حقیقۃ الموضوع وامارتۃ وحکمہ،

۱۵۔ ابوحفص عمر بن بدر الموصلی الحنفی۔المغنی عن الحفظ والکتاب، بیروت۔دارالکتاب العربی۔1407۔مقدمہ ص 10

۱۶۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی۔تحقیقی مقالات کی ترتیب۔کراچی۔مکتبہ یادگار شیخ الاسلام 2008۔ص 14

۱۷۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی ۔تحقیقی مقالات کی ترتیب۔کراچی۔مکتبہ یادگار شیخ الاسلام 2008۔ص 17

۱۸۔ ابن عبدربہ۔العقد الغرید۔قاھرہ 1940-208/2

۱۹۔ ابوزید انصاری۔ کتاب النوادر فی اللغۃ تحقیق محمد عبدالقادر۔ بیروت۔ دارالشروق 142/1981

۲۰۔ ترمذی۔امام الترمذی بیروت۔ دار احیاء التراث العربی (تحقیق احمد شاکر (ت۔ن) مقدمہ۔ مصادر ذکر العلل فی الاحادیث والرجال

۲۱۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۔ القاھرہ۔ مصطفیٰ محمد البابی 20/1/1939

۲۲۔ ماکس مرہوف() "Science & Medicine" ص۔444

۲۳۔ ابو الحسن علی بن حسین المسعودی۔ مروج الذھب۔ باب وصف ام جعفر زبیدہ 173/2

۲۴۔ أبی الحسن علی ابن ربن طبری۔فردوس الحکمۃ فی الطب (تحقیق ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی) برلن، مطبعہ آفتاب اکالن۔8/1928

۲۵۔ ماکس مرھوف۔ص 443 بحوالہ تحقیقی مقالات کی ترتیب وتدوین۔ مصنفہ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی۔ص:30

٢٦۔ ابن أبي اصیبعہ۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء 222/1 مزید دیکھیں۔ احمد عیسی بک۔ تاریخ البیمارستانات فی الاسلام۔ دمشق۔ وجمعیۃ التمدن الاسلامی 1939۔ ص 43-44

٢٧۔ محمد بن قاسم ابن الانباری۔ کتاب الایضاح الوقف والاتبداء فی کتاب اللہ۔ ص 324

٢٨۔ السیوطی امام جلال الدین۔ المزھر فی علوم اللغۃ العربیۃ (تحقیق محمد احمد جاز وغیرہ) بیروت۔ مکتبہ دار التراث۔ (ت۔ن) 7/1

٢٩۔ ابوبکر واعظ بلخی۔ فضائل بلخ۔ تذکرہ شمس الائمۃ امام سرخسی۔ ص:239

٣٠۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی۔ معجم البلدان۔ بیروت۔ دار الفکر 1977-5/420-421

تیسرا باب:

اسلامی اصولِ تحقیق میں مصادر، مقاصد اور محقق کی خصوصیات

1-اسلامی اصولِ تحقیق کے مصادر کا عمومی جائزہ

اسلامی نقطہ نظر سے تحقیق ایک نازک اور پیچیدہ فن ہے جسے کئی ایک زاویوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ نئے حقائق کی تلاش کا عمل ہے۔ اس عمل کو بھی اسلامی مآخذ تحقیق: قرآن اور حدیث کے اصولوں کے تحت منظم و مرتب کیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ آپ پچھلے دو ابواب میں کر چکے ہیں۔ تحقیق نئے حقائق کا کھوج لگاتی ہے اور بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے معلوم حقائق یا اصولوں کو نئے انداز سے پیش کرتی ہے مزید علم کی حدود میں اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے توسیع کا باعث ہے۔ حقائق کی دریافت میں کسی امر کا وجود بہ طور واقعہ اس صورت میں مرتب ہو گا، جب اسلامی اصول تحقیق کے مطابق اس کی معلومات حاصل ہوں، یعنی حقائق کی دریافت سے امر واقعہ کی صحیح صورت حال سے آگاہی ہو۔ اس سلسلے میں شہادتوں کی مدد سے جو معلومات حاصل ہوں وہ ایسی ہوں کہ شہادت دینے والے کے کردار کا بھی جائزہ لیا جائے گا اور بیان کردہ واقعات کی ترتیب میں استدلال کے ذریعے نتائج اخذ کیے جا سکیں۔ اگر کوئی محقق نئے قابل قبول شواہد کے بغیر کسی امر واقعہ کو روایت کے طور پر پیش کرتا ہے تو وہ اسلامی اصول تحقیق کے مطابق بالکل ناقابل قبول ہے۔ بالواسطہ روایت پر اگر انحصار کرنا ہی ہے تو اس میں حزم و احتیاط کی

ضرورت ہوتی ہے وگرنہ بنیادی ماخذ سے استفادے کا التزام ضروری ہے۔ مکمل دلائل کے بغیر کسی روایت یا حقیقت کو قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ وہ چند عمومی معیار ہیں جس کے ذریعے ہم اسلامی اصول تحقیق اور دوسرے اصول تحقیق میں واضح فرق محسوس کر سکتے ہیں۔ اسلام میں محقق اس بات پر نسل در نسل کے تجرباتی عمل کی بنیاد پر یقین کامل رکھتا ہے کہ تمام علوم کا منبع قرآن اور حدیث ہیں اور تحقیق کا عمل بھی ان دونوں مصادر کی ہدایات کو مدنظر رکھ کر مکمل کیا جائے گا۔

مصدر کا مفہوم اور اسلامی اصولِ تحقیق کے مصادر و مآخذ:

لفظ ''مَصْدَر'' دال کی زبر کے ساتھ ہے، اس کی جمع مصادِر ہے اس سے مراد کسی چیز یا لفظ وغیرہ کے نکلنے کی جگہ ہے۔ یعنی وہ کلمہ مصدر کہلائے گا جس سے فعل اور مزید صیغے نکلیں گے۔ اس سے مراد چشمہ، جڑ، اصل اور منبع بھی ہیں۔ کیونکہ اِن تمام اشیاء سے مختلف چیزیں نکلتی ہیں۔ اسلامی اصولِ تحقیق میں مصدر سے مراد وہ مآخذ ہیں جن کا مطالعہ آپ پہلے باب کی دوسری فصل میں عنوان ''اسلامی تحقیقی اصولوں کے پانچ اہم عناصر'' میں سے پہلے عنصر کے ذیل میں کر چکے ہیں۔ مصادر و مآخذ دونوں الفاظ میں مختلف مگر معنی میں مشترک ہیں۔ یہ مصادر یا مآخذ دو ہیں۔ 1- قرآن 2- سنت یا حدیث۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل ساتویں باب کی فصل ثانی کے عنوان ''مصادر و مراجع'' میں بھی موجود ہیں ان کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔

اِن دو مصادر کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام تحقیقی میدان میں جمود یعنی کسی شخصی تحقیق کو حرف آخر مان کر اس سے متعلق مزید تحقیق کے دروازہ بند کر دینے کا سخت مخالف ہے اسلامی علوم میں تحقیق میں اصلیت کا تعین اس وقت تک کی حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔ جب بھی ایسی نئی معلومات حاصل ہوں گی اسے لازماً قبول کرلیا جائے گا اور دریافت کا یہ عمل انہیں دو مصادر و مآخذ کی روشنی میں اجتہاد کی صورت میں

قیامت تک جاری رہے گا۔ نئے افق سامنے آتے رہیں گے اور معلوم حقائق کی تصدیق اور تکذیب ہوتی رہے گی۔ تحقیق میں کوئی واقعہ بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ ہر واقعہ بجائے خود ایک حیثیت رکھتا ہے اور اس کی متعلق ضروری معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ بات اہم ہو یا غیر اہم قرآن اس بات کا حکم دیتا ہے کہ حق تحقیق ادا ہونا چاہئے۔ معاملہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو مسنون تعلیمات کی روشنی میں اس کی تفاصیل کے بیان میں حقیقت سے جزوی انحراف بھی روا نہیں رکھا جاتا ہے۔(1)

تحقیق میں مصدر و ماخذ کی اہمیت کا تاریخی جائزہ:

اسلامی اصول تحقیق میں ابتداء سے ہی مصدر کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور زندگی کے تمام مسائل کو مصادرِ شریعت قرآن، سنت اور قیاس و اجتہاد کے ذریعہ سے حل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

احادیث میں مصدر کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام براہ راست منبع وحی و رسالت یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب فیض کرتے تھے اور اسے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ گردانتے تھے۔ وہ کاروبار حیات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ اس سرچشمہ ہدایت سے بھی فیض یاب ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق اور ان کے ایک انصاری پڑوسی نے باہمی معاہدہ کر رکھا تھا جس کے تحت وہ باری باری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حصول علم کے لئے حاضر ہوتے تھے اور دوسرے ساتھی کو اس دن کی وحی اور احکامات وارشادات نبویہؐ سے مطلع کرتے تھے(2)

جاں نثاران نبوت تحقیقی مزاج کے حامل تھے۔ اور مصدر کی اہمیت سے خوب آشنا تھے۔ وہ ہمیشہ مسائل و احکام بیان کرتے وقت قرآن و سنت کا حوالہ دیتے۔ اور اگر انھیں اس کا علم نہ ہوتا تو سائل کے سامنے لاعلمی کا اظہار کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ محسوس کرتے بلکہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں مروی

ہے کہ (3)

"ان رجلا سئاله من مسئلة فقال: لا علم لي بها فلما مر الرجل، قال ابن عمر: نِعمَ ما قال ابن عمر، سئل عما لا يعلم فقال: لا علم لي به"

ترجمہ: ایک آدمی نے ان (عبداللہ بن عمر) سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے کہا۔ مجھے اس کا پتہ نہیں۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو ابن عمر نے کہا ابن عمر نے خوب کہا، جب اس سے ایسی بات دریافت کی گئی جو وہ نہیں جانتا تھا تو اس نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں۔

اسلامی اصول تحقیق میں من گھڑت باتوں اور بے بنیاد امور سے احتراز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور ہر سنی سنائی بات پر یقین کر کے اسے دوسروں کے سامنے بغیر جانچ پڑتال کے بیان کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ بلا تنقیح روایت کرنے کو بہت بڑا جھوٹ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"كفي بالمرء كذباً ان يحدث بكل ما سمع" (4)

ترجمہ: کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے (بلا تحقیق) روایت کر ڈالے۔

تحقیق ایک حساس کام ہے جس کے لئے محتاط رویہ اپنانا ضروری ہے۔ احادیث میں اخذ و روایت حدیث کے وقت احتیاط کرنے کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے:

"اياك و المكايلة يعني في الكلام" (5)

ترجمہ: تم بات چیت کے دوران قیاس آرائی سے بچو۔

یعنی جب تک پختہ علم حاصل نہ ہو اٹکل پچو لگانے سے احتراز کرنا چاہئے۔ دیگر

صحابہ کرام بھی روایت میں احتیاط کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ جن سے اکثر احادیث منقول ہیں ان کا یہ معمول تھا کہ وہ اکثر احادیث کو زبانی یاد کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں ضبط تحریر میں بھی لاتے تھے۔ عمرو بن امیہ کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث سنی تھی اور بعد میں اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس حدیث کی روایت سے انکار کیا۔ اس پر عمرو نے عرض کی میں نے یہ حدیث آپ سے سنی ہے اس پر ابوہریرہؓ نے کہا۔ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے۔ تو یقیناً میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ یہ کہہ کر ابوہریرہؓ انھیں اپنے گھر لے گئے اور بہت سی مکتوبہ احادیث دکھائیں جن میں وہ حدیث بھی تھی تب حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر میں نے تمہیں حدیث بتائی ہے تو میرے پاس لکھی ہوگی۔ (6)

احادیث نبویؐ میں مصدر کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ صحابہ روایات کے اخذ و روایت کے سلسلہ میں مصدر تک رسائی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسینؓ کو وضو کے لئے پانی لانے کو کہا۔ وہ پانی لے کر آئے تو حضرت علیؓ نے وضو کرنے کے بعد بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پی لیا۔

حضرت حسینؓ نے قدرے تعجب کا اظہار کیا اور اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

"لا تعجب فانی رائیت اباك النبی ﷺ یصنع مثل ما رائیتنی صنعت"(7)

(ترجمہ) تم تعجب مت کرو میں نے بلاشبہ تمہارے باپ نبی اکرم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا۔

مسلمانوں نے ان مصادر کو صرف تحقیقی میدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ مصدر کے اس عملی مفہوم کی اہمیت کے پیش نظر اسے مسلمانوں کی معاشرتی و اخلاقی اور سیاسی زندگی میں عملاً نافذ کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس جب

کوئی مقدمہ آتا تو آپ اللہ کی کتاب کو دیکھتے، اگر اس میں اس مسئلہ کا حل ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے ورنہ سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ سنت رسول ﷺ میں بھی اس کے بارے میں اگر کچھ نہ ہوتا تو عام مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ مجھے اس قسم کا مسئلہ درپیش ہے۔ کیا کسی کو حضور ﷺ کی کوئی سنت یاد ہے جو اس کا حل پیش کرتی ہو؟ اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے لوگ آنحضرت ﷺ کے فیصلے کی نشاندہی کر دیتے، تب حضرت ابو بکر کہتے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے درمیان میں ایسے لوگ برقرار رکھے ہیں جو ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو یاد رکھے ہوئے ہیں اور اگر سنت نبوی ﷺ اس باب میں دستیاب نہ ہوتی تو آپ تمام لوگوں خصوصا ان میں سے بہتر طبقے یعنی حکیم اور تحقیق کے ماہرین (فقہاء) کو بلوا کر ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ سب متفقہ رائے دے دیتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔" (8)

تحقیقی مصادر میں ذاتی مشاہدہ کی اہمیت:

تحقیق کے دوران مصادر یا مآخذ سے معلومات جمع کرنے کے لئے چشم دید گواہی تمام دیگر ذرائع اطلاعات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اصول تحقیق کو پیش نظر رکھتے تھے۔ آپ کا یہ معمول مبارک تھا کہ باہر سے آنے والے تمام وفود کو مسجد نبویؐ میں ٹھہراتے تھے تا کہ وہ وہاں سے مسلمانوں کے حالات و اطوار کا جائزہ لے سکیں۔ اور فرمودات مصطفویؐ سے براہ راست مستفید ہوں۔ عام وفود کو بھی ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا۔

جہاں سے اس واقعہ کے معائنہ و مشاہدہ کا ان کو کافی موقع مل سکتا ہو جس کے وہ مورخ بنائے جاتے تھے۔ پھر رخصت کے وقت حکم ہوتا۔

"احفظو هن وخبروهن من ورائكم" (9)

ترجمہ: تم ان واقعات (احادیث) کو ذہن نشین کر لو اور اپنے بقیہ

ساتھیوں کو خبر دینا۔

محقق کے لئے حتمی نتائج تک رسائی حاصل کرنے کے لئے عینی مشاہدہ کے علاوہ ذاتی طور پر راوی سے روایت کا سماع بھی اہم معاون ثابت ہوتا ہے اور روایت کو ثقہ بنا دیتا ہے۔ صحابہ کوشش کرتے تھے کہ سلسلہ اسناد میں اولین راوی سے حدیث رسول سنیں۔

ایک مرتبہ حضرت انسؓ حدیث بیان کر رہے تھے۔ کہ حلقہ درس کے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا۔ ''انت سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم'' کیا تم نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے:(10)

اس واقعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام روایت و احادیث میں مکمل حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے بلکہ پورا اسلامی معاشرہ تحقیق کے بنیادی اصولوں پر کاربند تھا اور اندھا دھند روایات و احادیث کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ عہد صحابہ میں تحقیقی رجحان عام تھا۔ جس میں ذاتی سماع کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ ایک دفعہ ایک صحابی حضرت فضالہؓ بن عبداللہ کی خدمت میں مصر گئے۔ وہ استقبال کے لئے آگے بڑھے تو کہنے لگے ''میں تمہاری زیارت کی غرض سے نہیں آیا بلکہ تمہارے پاس اس حدیث کے متعلق علم حاصل کرنے کی خاطر حاضر ہوا ہوں جو ہم دونوں نے آنحضرتؐ سے سنی تھی'' (11)

صحابہ کرامؓ ذاتی طور پر روایات کے سماع پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ آنحضرت سے دوبارہ ان کی تصدیق بھی کرواتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعید بن ھلال کا بیان ہے کہ۔

''كنا اذا اكثر نا على انس بن مالك فاخرج الينا محالا عنده فقال هذاسمعتها من النبيؐ فكتبتها و عرضتها عليه''(12)

ترجمہ: جب ہم حضرت انسؓ بن مالک سے (احادیث کے متعلق) زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنا تھیلا جس میں تحریر شدہ احادیث کے اوراق ہوتے تھے، ہمارے پاس لاتے اور فرماتے: میں نے ان احادیث کو حضورؐ سے خود سماع کر کے لکھا ہے۔ اور آپ پر انھیں پیش کیا ہے، یعنی

ان کو لکھ کر پھر آپ کو سنایا بھی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا مصادر کے بارے میں سنجیدہ تحقیقی رجحان:

صحابہ تحقیقی رجحان رکھتے تھے اور صرف حقیقتوں کے متلاشی تھے۔ وہ مشکوک و مشتبہ کی بجائے یقینی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ صبیغ نامی شخص مدینہ منورہ میں آیا اور لوگوں سے قرآن کے بارے میں غیر سنجیدہ سوالات یعنی قرآن مجید کی آیات متشابہات کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اسے کھجور کی لاٹھی کے ساتھ سزا دینا شروع کر دی اور کہا میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ آپ نے اسے اتنی سزا دی کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ اس پر اس نے کہا اے امیر المومنین! اتنی سزا کافی ہے۔ میرے سر میں جو خمار تھا وہ کافور ہو چکا ہے۔ اسی واقعہ کی دوسری روایت نافع مولی عبداللہ کے مطابق صبیغ نے کہا اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو سیدھے طریقے سے قتل کر دیں۔ اور اگر آپ میرا علاج کرنا چاہتے ہیں تو خدا کی قسم میں شفا پا چکا ہوں"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اسے اپنے علاقے میں جانے کی اجازت تو دے دی مگر وہاں کے حاکم ابو موسیٰ کو ہدایت کر دی کہ اس کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا جائے۔ مسلمانوں کے معاشرتی بائیکاٹ کا اس پر گہرا اثر ہوا۔ تب ابو موسیٰ نے خلیفہ کو لکھا کہ اس نے اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کے معاشرتی مقاطعہ کو ختم کر دیا۔(13)

تحقیقی اصولوں میں معلومات اور واقعات و روایات کی جانچ پڑتال بڑی اہمیت رکھتی ہے عہد صحابہؓ میں روایات کی مکمل چھان بین اور جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) کے متعلق مروی ہے۔ کہ انھوں نے حدیث کو قبول کرنے کے لئے دو راوی کا ہونا ضروری قرار دے رکھا تھا۔ اس طرح حضرت علیؓ حدیث بیان کرنے والے سے قسم لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جدہ (دادی) کی وراثت کے مسئلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے تنہا حضرت مغیرہ سے حدیث سنی تو دریافت فرمایا۔ ھل معک احد؟ کیا تمہارے

ساتھ اس خبر کے بیان کرنے میں کوئی دوسرا بھی شریک ہے؟ تو محمدؓ بن مسلمہ نے بھی اس کی شہادت دی۔(14)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی ایک راوی پر مزید دوسرے راوی کی گواہی طلب فرماتے تھے۔ مندرجہ ذیل واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔

الف: حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کا دلچسپ واقعہ ہے جس کو حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ ابوموسیٰ نے حضرت عمرؓ کو دروازے کے باہر سے تین مرتبہ سلام کیا۔ جب تیسری مرتبہ بھی جواب نہ ملا تو واپس لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر بلوایا اور فرمایا کہ تیسری مرتبہ کے بعد واپس کیوں لوٹ گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ سلام کرے اور صاحب خانہ جواب نہ دے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی شہادت پیش کرو ورنہ میں تمہارے ساتھ کچھ کروں گا۔ پس ابوموسیٰ ہمارے پاس (انصار کی ایک محفل میں) آئے، ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ہم نے کہا کہ کیا حال ہے؟ ہمارے سامنے انھوں نے پورا واقعہ سنایا اور دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے؟ پھر لوگوں نے ایک صاحب کو عمرؓ کے پاس وہ حدیث سنانے بھیجا اس پر حضرت عمر نے ابوموسیٰؓ سے فرمایا:

"اما انی لم اتهمك ولكنی خشيت ان يتقول الناس على رسول الله"

ترجمہ: میں نے تم پر (غلط بیانی کی) تہمت نہیں لگائی تھی بلکہ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی احادیث منسوب نہ کرنے لگیں۔

(ب) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ دیت جنین کے متعلق جب حضرت مغیرہ نے حدیث سنائی تو حضرت عمرؓ نے ان سے شہادت طلب کی پس محمد بن مسلمہ نے شہادت دی۔

ان واقعات و احادیث سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ صحابہ کا تحقیقی رجحان بہت سنجیدہ تھا اور وہ روایات کی خوب جانچ پڑتال کرتے تھے۔(15)

2- تحقیقی مقاصد کے بارے میں ابتدائی ہدایات:

تحقیق کے اسلامی اصول و آداب یا اسلام کے تصور تحقیق کے سلسلے میں ایک محقق کے لیے سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تحقیق یا ریسرچ علم ہی کا ایک حصہ یا اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔اس لئے اسلام میں علم کو جو تصور پایا جاتا ہے۔اس سے اس کا تصور تحقیق بھی منسلک ہے یہ اور بات ہے کہ دونوں کے حصول کے اصول و مناہج میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔

اسلامی اصول تحقیق کے مطابق ایک محقق کے لیے تحقیق سے متعلق جو مسائل ہیں ان میں دو خاص اہمیت کے حامل ہیں ایک مقصد تحقیق، دوسرے ذرائع تحقیق، اس لئے اسلام کے تصور تحقیق کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان دونوں مسائل میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کے کسی بھی چیز کے حصول کے لئے اسلام ذریعہ و مقصد دونوں کی صحت و صالحیت پر زور دیتا ہے اور اسلام کی نگاہ میں کسی بھی کام کی قدر و قیمت کا اندازہ اسی پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔مطالعہ و تحقیق کے باب میں بھی اسلام اسی نقطہ نظر کا داعی ہے۔تحقیق سے قبل ایک محقق یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ اسلام علم برائے علم یا تحقیق برائے تحقیق کا قائل نہیں بلکہ اس کی نظر میں یہ ایک اہم مقصد کے ساتھ مرتبط و منضبط ہے اور وہ یہ کہ اسے عظیم مقصد کے حصول کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ جسے اسلام نے حیات انسانی کے لئے متعین کیا ہے۔اس مسلمہ حقیقت سے ہر مسلم باخبر ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے انسانی زندگی کا عظیم مقصد جس کا مطالعہ آپ پہلے باب کی فصل ثانی کے عنوان ''اسلامی اصولِ تحقیق کا پانچوں عنصر'' میں کر چکے ہیں، رضاالٰہی اور اخروی فلاح کا حصول ہے۔اسلام اپنے تمام ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے

کہ اس کی تمام تگ و دو اور فکری و عملی کاوشیں اس راہ میں صرف ہونی چاہیئے۔ اس عظیم مقصد کے لئے خدائے تعالیٰ نے جو طریقہ بتایا ہے اسے مختصراً حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے ایک محقق کی تحقیق کا اصل مقصد و منتہا یہ قرار پائے گا کہ اس سے ان حقوق کی ادائیگی کی راہیں ہموار ہوں۔ خود صاحب تحقیق کے لئے اور نتائج تحقیق سے فائدہ اٹھانے والوں کے لئے بھی۔

تحقیقی مقاصد کے بارے میں قرآنی ہدایات:

قرآن کریم کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک محقق کو اپنے تکوینی کمالات، قدرت کے مظاہر اور فطرت کے عجائبات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے ان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ان سب سے مقصود یہی ہے کہ خالق کائنات کے وجود، اس کی وحدانیت و قدرت کاملہ کا یقین اس کے دل میں ثبت کر جائے اور حقانیت و صداقت اس کے سامنے واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدہ 53)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے لئے انفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔

اسی حقیقت کو اس آیت میں بھی واضح کیا گیا ہے:

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ. (آل عمران 103)

اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

ان آیات کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں ایک محقق یا

طالب علم کے لیے جملہ علمی و تحقیقی کاوشوں سے مطلوب خدائے تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرنا، کائنات وانسان کی حقیقت اوران کی تخلیق کے اصل مقاصد کو سمجھنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور کائنات میں انسان کے خود اپنے مقام کی پہچان ہی سے انسان میں عبودیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، خالق کائنات سے تعلقات کی استواری کا داعیہ ابھرتا ہے اور مالک الملک کے احسانات پر شکر بجالانے کا احساس جاگزیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل علم یا علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں جو خالق کائنات کی صحیح معرفت کے ساتھ کائنات کی حقیقت اور خود اپنی حیثیت سے بخوبی واقف ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات میں غور وفکر سے واضح ہوتا ہے جس میں ''علم''، ''جہل''، ''عالمون''، ''جاہلون''، ''اولوا العلم''، ''ذی علم'' اور ''الراسخون فی العلم'' جیسے الفاظ مذکور ہوئے ہیں۔

حقوق العباد کی نسبت سے ''تحقیق'' کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو اس کا مدعا یہ قرار پائے گا کہ محققین کی تحقیقی صلاحیتوں اور کوششوں کو خلق خدا کے نفع کے لئے استعمال کیا جائے۔ جس کا مطالعہ آپ باب اول میں کر آئے ہیں۔ تحقیق وتجربہ کے ذریعہ ایسے افکار و نظریات کی افادیت ومعنویت ثابت کی جائے اور انھیں علمی انداز میں پیش کیا جائے جو انسانی زندگی کی تعمیر اور ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لئے قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی فلاح و بہبود کا سب سے اہم عنصر اس کی فکری اصلاح ہے لیکن بہتر اور خوش گوار زندگی نہ تو اسلام میں معیوب ہے اور نہ قابل نفرت، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو مختلف پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ اس نے انسانوں کی بھلائی کے لئے اس دنیا کو مختلف قسم کی مخلوقات اور قدرتی وسائل سے معمور کر رکھا ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو:

''هو الذی خلق لكم ما فی الارض جميعا (البقرہ ۲۹)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انھیں استعمال میں لانے کی صلاحیت اور ان پر قابو بھی عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الجاثیہ:13)

اس نے زمین و آسمانوں کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس سے اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔

ان آیات میں ایک محقق کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ ان وسائل کو بروئے کار لانے اور زمین و آسمان میں قدرت کے چھپے ہوئے خزانوں کو قابل استعمال بنانے کے لئے تحقیقی کاوشوں کو بخوبی صرف کر سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کی نظر میں تحقیق کا ایک اہم مدعا یہ ٹھہرا کہ اسے انسان کے فائدے کے لئے بروئے کار لایا جائے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں علم کا ذکر آیا ہے ان کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کی نگاہ میں وہی علم مستحسن و محمود ہے جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو۔ خود حدیث شریف سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے علم نافع کے لئے دعا کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں علم مجرد کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (16)

بامقصد تحقیق کے لوازم:

یہاں یہ ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کہ اسلامی نقطہ نظر سے ریسرچ کو بامعنی و بامقصد بنانے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اس کے لئے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جائے جو سماج و معاشرت کے مسائل سے مرتبط ہوں اور نتائج تحقیق کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لئے مفید ثابت ہوں۔

محققین کو ہدایات کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

وكذلك معرفة الحديث معرفتان اما معرفة اهل الظاهر فبا

لرواۃ و غریب الحدیث و اما معرفۃ الحکماء فبا لتطلع حقیقۃ التشریع و العلم(17)

اسی طرح حدیث کی معرفت دوطرح کی ہوتی ہے۔ اہل نظر کی معرفت جس کا تعلق راویوں اور غریب حدیث کی واقفیت سے ہے۔ حکماء کی معرفت جس کا تعلق تشریع کی حقیقت اور علم کی معرفت سے ہے۔

تشریع کی حقیقت تک رسائی تحقیقی اصولوں کے ذریعہ معنویت حاصل کئے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے ایک محقق تحقیق کرنے سے قبل یہ بات سمجھ لے کہ اسلام نے تحقیق کو بعض امور میں واجب اور بعض میں مندوب یعنی سنت قرار دیا ہے۔ شرعی امور میں اس تحقیق کا ایک نام اجتہاد بھی ہے جس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اور یہ اجتہاد واجب ہے اس لئے ان امور میں تحقیق مسلمانوں پر واجب ہے۔

قرآن حکیم دراصل مقاصد، مصالح اور اصول وکلیات کی کتاب ہے اس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جس قدر جزئیات ہیں وہ بطور "نمونہ" انہیں کی تشریح تفصیل اور توضیح کے لئے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کے لئے تحقیق کا سلسلہ جاری رہے۔

تحقیق انسانی فطرت:

محقق یا مقالہ نگار کی خصوصیات کے مطالعہ سے قبل یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں ہو جانی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق علمی و عملی میدان میں تحقیق بنی نوع انسان کی فطرت ہے اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں "فطرت" قبول حق کی اس قوت واستعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطاء کی جاتی ہے۔ امام راغب اصفہانی نے سورہ الروم: 30 مذکورہ آیت "فطرت اللہ التی" میں فطرت کے یہ معنی بیان کیے ہیں:

"هي مار كز فيه من قوته على معرفة"(18)

اللہ کی فطرت سے وہ قوت مراد ہے جو ایمان کی معرفت کے لئے پیوست کی جاتی ہے۔

"النہایۃ فی غریب الحدیث" میں مذکورہ حدیث "کل مولود یولد علی الفطرة" کے معنی یہ ہیں:

انه يولد على نوع من الجبلة و الطبع المتهيئى لقبول الدين فلو ترك عليها لا ستمر لزومها و لم يفارقها الى غيرها و انما يعدل عنه من يعدل لآفة من آفات البشر و التقليد."(19)

"بچہ" جبلت وطبیعت کی ایسی ہیئت پر پیدا کیا جاتا ہے جو قبول دین کے لئے آمادہ ہوتی ہے، اگر اسی ہیئت پر چھوڑ دیا جائے تو یہ برقرار رہے کسی اور ہیئت کی طرف تجاوز نہ کرے جو تقلید یا بشری آفات میں سے کسی آفت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

وهي قبولهم للحق وتمكنهم من ادراكه.(20)

حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی جو استعداد و قدرت ہوتی ہے اس کا نام فطرت ہے۔

یہ فطرت (قبول حق کی قوت و استعداد) پیدائش کے وقت منجانب اللہ ہر فرد کو یکساں دی جاتی ہے۔ اس قدرتی عطیہ میں کسی قسم کی تخصیص و ترجیح نہیں ہوتی۔ نیز اس میں ایک خاص قسم کی روشنی و رہنمائی ہوتی ہے جو اس وقت تک کام دیتی ہے جب تک اس کے خلاف خاندانی حالات یا کسی قسم کے دوسرے موثرات کا غلبہ نہیں ہو جاتا۔ تربیت کے ذریعے اس غلبہ کو مغلوب کیا جاتا ہے اور فطرت کی اصل قوت کو بحال کیا جاتا ہے۔ اور وہ اصل قوت تحقیق کا مادہ ہے۔ یہ تحقیقی مادہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں فطری طور پر ودیعت کیا

ہوتا ہے لیکن ہر انسان کے معروضی خاندانی حالات کی وجہ سے کسی میں بالکل ختم ہو جاتا ہے کسی میں بہت کم اور کسی میں بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔لہٰذا تحقیق سے قبل ایک محقق اپنی اس فطری صلاحیت کا جائزہ بھی لے گا۔

3- محقق کی بنیادی صفات:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرو، اس لئے تحقیق کے میدان میں وہ لوگ قدم رکھیں جن کی ذہنی صلاحیت زیادہ ہو مزید محقق کا مطالعہ وسیع ہونا چاہئے۔وسیع مطالعے کے ساتھ ساتھ گہری نظر، تنقیدی شعور اور دیانت کی ضرورت ہے۔ تحقیق کے لئے ذاتی دلچسپی، شوق اور سخت محنت درکار ہے۔قوت استدلال، قوت حافظہ، تحقیق کے لئے لگن، سرگرمی اور ذہنی صداقت اسلامی اصول تحقیق کے مطابق محقق کے بنیادی صفات ہیں۔یہ بھی ایک فطری امر ہے کہ محقق کو تحقیق کے لئے مالی سکون، لائبریری، سفر اور سائنسی تحقیق میں آلات اور مشینوں کی سہولیات حاصل ہوں۔اس لئے اسلام میں معلم کا کردار بھی بہت اہم ہے تحقیق میں رہنمائی کے لئے تجربہ کار، فراخ دل اور شفیق استاد، معلم، نگران یا رہنما ضروری ہے جن کے مشورے سے تحقیقی عمل میں موضوع کا انتخاب دائرہ تحقیق اور طریقہ کار کا تعین، مواد کا تعین اور پیش کش کے مراحل طے کیئے جا سکیں۔

جب ایم اے یا کسی طالب علم کی ابتدائی تحقیق کے ذریعے علمی ثقافت میں ترقی ہو تو محقق یہ بات ذہن میں رکھے کہ ڈاکٹریٹ کے ذریعے ہر حال میں زیادہ قوت داستعداد ہونی چاہئے یوں سمجھئے کہ یہ دونوں مراحل کسی تخیل کو پیش کرنے اور اس کی توضیح و ترتیب کے گرد گھومتے ہیں یا بالفاظ دیگر کسی نظریہ کی گہرائی تک پہنچتے اور اس کے ارتقاء کے گرد گھومتے ہیں، اسلامی اصولوں کے مطابق یہ پورے کا پورا سلسلہ ایک ایسے بلند معیار پر رہ کر ہونا چاہئے جو طالب علم کو دی جانے والی ڈگری کے عین مطابق ہو۔

محقق یہ بھی ملحوظ رکھے کہ سب سے اعلیٰ علمی تحقیق یعنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ وسیع ترین

مراجع پر مشتمل ہوتا ہے اس میں مواد کی حسن ترتیب اور کسی تحقیقی مسئلہ کے بیان میں شائستگی وپختگی کی بے حد ضرورت ہوتی ہے، اس سے اس میدان میں آنے والے پر یہ آشکار ہونا چاہئے کہ ان مقالات کو تیار کرنے والا مستقبل میں تحقیقی میدان میں لچک سے بالاتر رہے گا، ان مقالات سے نہ صرف شوق مطالعہ پرورش پاتا ہے بلکہ صحیح اور علمی تالیفات کی اسلوبی و تحقیقی قوت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور پھر کیس نگران یا ایڈوائزر کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ ان تمام سابقہ امور کا محقق اپنی ذات سے متعلق جائزہ لے اور پھر اپنی فطری صلاحیت اور حالات کو مدنظر رکھ کر اس درجہ کی تحقیق شروع کرے جس کی اس میں صلاحیت ہو۔(21)

تحقیق انسانی فطرت ہے لیکن کسی انسان کے خاندانی حالات کی وجہ سے اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ماہرین کی رائے میں تحقیق ایک ایسی خداداد صلاحیت کا نام ہے جو کچھ لوگوں کی قسمت میں آتی ہے اکثر اس سے محروم رہتے ہیں، کسی بہترین مقالہ کے لئے صرف مطالعہ اور مختلف قسم کا مواد جمع کرنا کافی نہیں بلکہ طالب علم کی طبیعت میں تحقیقی ذوق کا ودیعت ہونا از حد ضروری ہے، مواد کی جمع و ترتیب اور چیز ہے اس کی تفصیل اور ضرورت و اہمیت کی وضاحت دوسرا کام ہے، بلکہ مقالات کا یہی پہلو زیادہ اہم اور مشکل ہے، طالب علم کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ کن حدود سے اسے تجاوز نہیں کرنا ہے اور کن امور سے ناآشنا نہیں رہنا ہے، اسے اس بات پر قادر ہونا چاہئے کہ وہ حقائق کو سمجھ کر ان کی توضیح کر سکے بلاشبہ حقائق مختلف نہیں ہوتے لیکن ان کی فہم و توضیح میں اختلاف ہو سکتا ہے، اگر طالب علم اس صلاحیت کا حامل نہ ہو تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ علمی و تحقیقی معیار پر پورا اترنے سے قاصر ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام کے اساسی مراجع اور قوانین تو متحد ہیں لیکن مجتہد علماء قرآن و حدیث کی عبارتیں سمجھنے میں مختلف ہوتے ہیں، جس کی بنا پر مختلف مذاہب سامنے آتے ہیں۔

تحقیقی کام کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مطالعہ میں آنے والی بات کا دل و دماغ کی گہرائی سے مشاہدہ کرے، متقدمین کے نظریات کے سامنے آنکھوں پر پٹی نہ باندھ لے بلکہ ان پر غور وفکر کرے اور ان کے مندرجات کا تجزیہ کرے۔(22)

محققین کی ذہنی صلاحیتوں میں تفاوت:

جس طرح اسلام ایک فطری دین ہے، اسی طرح اسلامی اصول تحقیق کی بنیاد بھی فطری اصولوں پر استوار کی گئی ہے۔ فطری اصولوں کے مطابق تمام بنی نوع انسان کی صلاحیتیں برابر نہیں ہیں۔ مختلف انسانوں کے ذہن کی پرواز کے زاویہ مختلف ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مختلف انسانوں کو متعدد اور مختلف النوع صلاحیتیں عطاء کی ہوتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ تفاوت اپنے بزرگ ترین بندوں یعنی انبیاء کرام میں بھی رکھا ہے جس طرح ارشاد ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ (البقرہ :۲۵۳)

ترجمہ: ان رسولوں کو ہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبہ عطاء کیئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے متعدد انسانوں، طلباء، محققین اور مقالہ نگار حضرات کے ذہن مختلف اور ان کی ذہنی صلاحیتوں میں بھی کافی تفاوت رکھا ہے۔ کوئی لوگ بہت زیادہ ذہین کچھ کم ذہین، چند درمیانہ درجہ کے اور متعدد کند ذہن اور اکثر عام ذہن کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کا ذہن فلسفیانہ، بعض کا عالمانہ، کچھ کا تاجرانہ، چند کا متصوفانہ، متعدد کا ادیبانہ، کثیر کا غلامانہ یا ملازمانہ ذہن ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کے ذہن رکھنے والا انسان اپنے پسندیدہ ذہنی میدان میں اچھا کام کر سکتا ہے۔ اگر اسے کسی دوسرے ذہنی میدان میں زبردستی لے آئیں گے تو وہ وہاں دل جمعی سے ایسے امور سرانجام نہیں دے سکتا

اور نہ اس کی مساعی سے اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اس سے یہ بات بھی اخذ نہیں ہوتی کہ اگر کسی انسان کا ذہن ایک طرف مائل ہے تو اسے زندگی کے کسی اور میدان کی طرف نہیں آنا چاہئے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ایک میدان میں انسانی رغبت ہونے کے باوجود وہ جب دوسری لائن اختیار کرتا ہے اور اس میں مکمل محنت کرتا ہے تو اس میدان میں بھی وہ ایک معیاری انسان تصور ہوتا ہے۔ مثلاً تمام صحابہ کرامؓ کا اسلام لانے سے قبل سابقہ پس منظر سامنے رکھیں اور پھر اسلام لانے کے بعد ان کے علمی، عسکری، اخلاقی، تربیتی، حکومتی میدان میں بین الملکی اور بین الاقوامی طور پر کارہائے نمایاں اس دوسرے دعویٰ کی دلیل ہے۔ ان میں یہ تمام خصوصیات وحی الٰہی سے استفادہ کرنے اور فیضان نبوی ﷺ سے مستفید ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئیں تھیں۔

تحقیقی میدان میں قدم رکھنے کے لئے مناسب صلاحیتیں:

تحقیق کے میدان میں بھی وہی شخص قدم رکھے جس کے اندر تحقیقی صلاحیتیں موجود ہوں اور دنیا کے تمام امور میں چاہئے ان کا تعلق دین سے ہے یا عمومی معاملات سے اپنے بچپن سے ہی تنقیدی اور تعمیری سوچ کا عادی ہو، اگر وہ شروع سے اس سوچ کا حامل نہیں تو جب وہ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی طرف راغب ہوا تو اس وقت کے مطالعہ نے اس کے اندر یہ دو صفات ا۔ تنقید اور تعمیر پیدا کر دیں، تو وہ بھی مستقبل میں ایک اچھا محقق ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے دوران بھی اس کا ذہن تقلیدی و منجمد ہے اور اعلیٰ علمی اقدار کا حامل نہیں بنتا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کا ذہن علمی تو ہے لیکن تحقیقی نہیں ہے۔ اُس کے لئے علماء کرام کا مشورہ یہ ہے کہ وہ اس میدان میں نہ آئے بلکہ اپنے پسند کے دوسرے کئی علمی میدان مثلاً تدریس دین، تبلیغ دین، تنفیذ دین وغیرہ میں مصروف رہے تاکہ اپنی صلاحیتوں کو کماحقہ اجاگر کر سکے۔

محققِ کی تحقیقی عمل میں احتیاط:

علوم اسلامی کے ماہرین کی رائے میں تدوین اور تحقیق کے لئے طبعی مناسبت کی بنیادی اہمیت ہے۔موضوع تحقیق کے انتخاب میں اپنی صلاحیتوں کا لحاظ بھی ضروری ہے اور یہ بھی کہ مواد کی فراہمی لکھنے والے کے لئے ممکن ہے یا نہیں کیونکہ یہ کسی محقق کے تعمیری عمارت کی پہلی اینٹ اور بنیاد ہے اگر پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی ہو جائے، بنیاد ہی غلط رکھ دی جائے تو ساری عمارت کے دھڑام سے گرنے یا تباہ ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔لہٰذا اس پہلے مرحلہ پر اسلام بہت زیادہ سوچنے اور تفکر کی دعوت دیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا حکم دیتا ہے۔

مزید موضوع تحقیق میں غیر سنجیدہ تحریر سے احتراز، خطابت اور آرائش پسندی سے پرہیز لازمی ہے۔زبان مبالغے سے پاک اور غیر ضروری صفاتی الفاظ سے معرا ہو۔ ہر لفظ کے استعمال میں پوری احتیاط ہونی چاہئے۔اس میدان میں تمام ممکنہ مواد کا مطالعہ کر کے ہی قلم اٹھایا جاتا ہے تا کہ موضوع کا بھرپور احاطہ کیا جا سکے۔مکمل دلائل کے بغیر کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔استدلال کی بنیاد جذباتیت پر نہیں۔اسلامی مصادر علم قرآن، حدیث وغیرہ منطقیت اور حقیقت پر رکھی جاتی ہے۔حافظے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔لہٰذا کوئی بات مآخذ سے رجوع کئے بغیر نہ کہی جائے۔(23)

اس طرح ایک حدیث میں چھان بین کے بغیر روایت کرنے والے راویان احادیث سے اخذ نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں۔

آپ ؐ نے فرمایا:

"سیاتون فی اخر امتی اناس یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم"(24)

ترجمہ: میری امت کے آخری دور میں ایسے لوگ ہوں گے جو تمہیں ایسی روایات بیان کریں گے۔ جو نہ تم نے اور نہ تمہارے اباؤ اجداد نے سنی ہوں گی۔ پس تم اس سے بچنا۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام سے لے کر قیامت تک تمام علمی روایات کو داخلی و خارجی شہادتوں کی روشنی میں جانچا جائے اور ہم عصر لوگوں سے ان کی تصدیق کروائی جائے ورنہ روایات درخود اعتناء نہ ہوں گی۔ کیونکہ تحقیقی امور میں متن کے تعین اور تدوین میں داخلی اور بیرونی شہادتوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

محقق کی دس اہم خصوصیات:

اسلامی اصول تحقیق کے مطابق محقق میں درج ذیل دس اہم خصوصیات یا ان میں سے اکثر کا ہونا بہت ضروری ہے۔

۱۔ قرآن اور حدیث کو بنیادی مآخذِ علم تصور کرنا۔

۲۔ محقق کی نیت کا واضح اور خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا۔

۳۔ تقوی کی صفت سے متصف ہونا۔

۴۔ حصول علم کی خواہش ہونا۔

۵۔ جرأت مند ہونا یعنی جستجو کا مادہ ہونا۔

۶۔ غیر جانب دار ہونا، متعصب نہ ہونا یعنی ہر علمی مواد کا اپنے ذہنی رجحانات سے ہٹ اسلامی اصولِ تحقیق کی روشنی میں تنقیدی و تحقیقی جائزہ لینے کا عادی ہونا۔

۷۔ طریق تحقیق سے آگاہ ہونا۔

۸۔ بنی نوع انسان کے لئے خیر کا جذبہ موجزن ہونا۔

۹۔ تحقیقی نتائج کو مروجہ زمانہ کے حالات و واقعات کے مطابق ترتیب دینا۔

۱۰۔ اپنے نتائج سے عوام الناس کو آگاہ کرنا۔

اِن خصوصیات کی تشریح:

ان تمام امور کی نمبر شمار کے حساب سے تشریح و توضیح کلام کو نامناسب طوالت دینا ہے۔ کیونکہ یہ سطور محققین کے لئے تحریر کی جارہی ہیں لہٰذا وہ اس کی تشریح کو خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ان تمام میں بھی ۷۔۵۔۲ تو قطعاً تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔ باقی خصوصیات کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

1- پہلی خصوصیت کی وضاحت یہ ہے کہ مجموعی طور پر اسلام اپنے مآخذ علوم کے علاوہ کسی اور شخصیت، نظریہ، فکر، مذہب یا دین کی پیروی کو جہالت یعنی اندھیرا تصور کرتا ہے۔ کیونکہ ان تمام کی بنیاد جھوٹ پر ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے اسلام کے آنے سے قبل کے دور کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں واضح ہے کہ:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْۤ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (الزمر :۶۴)

اے نبی ان سے کہو پھر کیا اے جاہلو، تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لئے مجھے کہتے ہو۔"

اسلام نے دور حاضر یا دور قدیم کے نام نہاد جہالت کے حامل صاحب علم لوگوں کو جاہل اور سفیہ یعنی پاگل، دیوانہ، مجنون اور فاتر العقل کہا ہے کہ کیونکہ ان کے علوم سے بنی نوع انسان میں بے چینی، بے قراری، خونریزی، قتل وغارت اور ظلم و بربریت کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اگر محقق اسلامی مآخذ علوم کو چھوڑ کر کسی اور طرف متوجہ ہوگا تو جیسا بیج ڈالا جائے گا ویسا ہی پھل ملے گا جو کے بیج کو بو کر گندم کی امید رکھنا بہت بڑی جہالت اور پاگل پن ہے۔

2- تیسری خصوصیت میں محقق کے لئے تقوی کی صفت بھی ضروری ہے کیونکہ بنیادی طور پر یہ خدا خوفی، اپنی ذات و کام پر تکبر سے اجتناب اور بنی نوع انسان سے محبت کا نام ہے جس طرح حدیث میں وارد ہے۔

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ (دانائی کا عروج اللہ تعالیٰ کا خوف ہے)۔(25)

اس طرح بنی نوع انسان سے محبت کے بارے میں وارد ہے

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد :۱۷)

اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔

مزید اسلامی اصول تحقیق صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ ساری بنی نوع انسان بلکہ تمام عالمین کی مخلوق سے محبت کا درس دیتے ہیں کیونکہ ہماری نبی ﷺ تمام عالمین کے لئے باعث رحمت ہے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (الانبیاء:107)

اے نبی ہم نے تم کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

3- چوتھی خصوصیت حصول علم کی خواہش رکھنے سے مراد ایک تو وہ حدیث ہے کہ ماں کی گود سے قبر کی گود تک علم حاصل کرتے رہو اور دوسرا یہ اسلامی فلسفہ ہے کہ علم کی کوئی حد نہیں اور موجودہ علم کے علاوہ بھی ابھی بے شمار ایسی ایجادات پردہ غیب میں ہیں جن کے ذریعہ بنی نوع انسان کو دینی اور دنیاوی طور پر فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ ان غیبی علمی خزانوں کو دریافت کرنا بھی مسلمان محققین کو ذمہ داری ہے۔ جس طرح ارشاد ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ

(الجاثیہ : ۱۳)

اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس سے۔

4- چھٹی خصوصیت ہر چیز کا تنقیدی جائزہ لینے سے مراد یہ نہیں کہ کائنات کی ہر چیز پر تنقید کو اپنی عادت بنانا بلکہ تنقید کی کئی اقسام ہیں مثلاً تنقید برائے تنقید، تنقید برائے تنقیص، تنقید برائے تعمیر وغیرہ، اس لئے تنقید کرنا اور تنقیدی نگاہ ڈالنے میں بڑا

فرق ہے۔تنقیدی نگاہ انسان کو تقلید محض کی روش سے آزاد کر کے حقائق کی متلاشی دنیا میں لے آتی ہے۔اور اس روش کا تو اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا ہے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ . ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ

(الملك :۴،۳)

پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔بار بارہ نگاہ دوڑاؤ۔

-5 آخری تین (8,9,10) خصوصیت کا خلاصہ یہ ہے کہ محقق کے لئے بنی نوع انسان سے محبت رکھنا از حد ضروری ہے کیونکہ اس کی تحقیق باعث رحمت ہونی چاہئے، باعث زحمت نہیں ہونی چاہئے، اسلامی تعلیمات کا مقصد عمارۃ الارض، خوشحال انسانوں سے زمین کو بھرنا ہے۔اگر محقق اس مقصد کو بھول جائے تو غیر مسلم اور مسلم میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔رسول اکرم ﷺ نے بے شمار مقامات پر جنگ کے جیتنے کو قربان کر کے کفار، مشرکین اور غیر مسلموں کو بھوک سے مرنے، تباہ و برباد ہونے اور قتل ہونے سے محفوظ فرمایا ہے۔اس لئے اسلام میں محقق اپنی تحقیق سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا اور پھر اپنی تحقیق کو اس زمانہ کے حالات واقعات کے مطابق ترتیب دے گا مثلاً دور حاضر میں زکاۃ کی مقدار کتنے روپے بنتی ہے، واضح کرے گا نہ کہ درھم، دینار، اوقیہ وغیرہ کے قدیم پیمانوں میں واضح کر کے اپنے تحقیقی حقائق کو ماضی کے پردوں میں چھپا دے گا۔محقق پر یہ امر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی تحقیق کو چھپوائے تا کہ عوام الناس اس سے فائدہ حاصل کریں تا کہ وہ اس کے لئے دنیوی اور اخروی نجات کا باعث بنے۔اپنے تحقیق گھر کے اندر چھپا کر رکھ دینا جیسے بعض اطباء حضرات صدری نسخہ اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جاتے ہیں، کتمان علم ہے اور تقوی اور خالص نیت کے خلاف ہے۔اس لئے اپنی تحقیق کو کسی پبلشر، مکتبہ یا خود شائع کرا کے کتابی شکل میں لوگوں تک پہچانا محقق کا بنیادی فرض ہے اور یہ تمام محقق کی بنیادی خصوصیات ہیں۔(26)

حوالہ جات

تیسرا باب

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ اصول تحقیق۔ (کوڈ 711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی/46

۲۔ باجی ابو الولید۔ إحکام الفصول فی أحکام الأ صول بیروت الموسۃ الرسالۃ 275/1989

۳۔ حاکم امام۔ مستدرک حاکم 64/3

۴۔ دارمی امام۔ سنن دارمی 57/1

۵۔ سنن الدارمی باب تغییر الزمان (22) 70/1

۶۔ عسقلانی ابن حجر تہذیب التہذیب حیدر آباد 1327ھ۔ 265/12

۷۔ عبدالرزاق۔ مصنف عبدالرزاق بیروت المکتبہ الاسلامیہ 1403-40/1 باب کم الوضوء من غسلہ۔ مزید نسائی امام۔ سنن النسائی۔ باب صفۃ الوضو 70/1

۸۔ امام مالک، موطا امام مالک کتاب الفرائض۔ باب میراث الجدہ

۹۔ دارمی امام سنن الدرامی۔ باب البلاغ عن رسول اللہ (46)، 143

۱۰۔ حاکم امام۔ مستدرک حاکم بیروت۔ دارالکتب العلمیہ 1990 کتاب العلم باب الوفود۔ 103/1

۱۱۔ سنن دارمی 149/1 مزید مستدرک حاکم بیروت۔ دارلکتاب العربی۔ کتاب العلم 105/1

۱۲۔ مستدرک حاکمؒ ناب العلم۔ بیروت دارالکتب العلمیہ 1990 103/1

۱۳۔ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر تفسیر الذاریات: 1-5

۱۴۔ مالک بن انس امام۔ موطا امام مالک۔ کتاب الفرائض باب میراث الجدہ

۱۵۔ ایضاً۔ کتاب الجامع۔ باب الاستئذان

۱۶۔ رسالہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ ج10 ش3۔ جولائی ستمبر 1991 مضمون تحقیق کے اصول مناھج اسلامی تناظر میں۔ ص70

۱۷۔ دہلوی۔ شاہ ولی اللہ الخیر الکثیر۔ باب اقسام التفسیر والحدیث

۱۸۔ امام راغب۔ المفردات فی غریب القرآن۔ تفصیل مادۃ ''فَطَرَ''

۱۹۔ بیہقی امام۔ سنن البیہقی۔ کتاب شعب الایمان۔ باب القول فی ایمان 83/1

۲۰۔ بیضاوی امام۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر سورہ الروم: 30

۲۱۔ شلبی ڈاکٹر الازھری۔ ''کیف تکتب بحثاً'' مترجمہ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی ص: 56

۲۲۔ شلبی ڈاکٹر الازھری۔ ''کیف تکتب بحثاً'' مترجمہ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی ص: 57

۲۳۔ اصول تحقیق۔ (کوڈ 711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی/46

۲۴۔ مستدرک حاکم بیروت۔ دار الکتاب العربی۔ (س۔ن کتاب العلم 103/1۔ مزید سنن الدارمی۔ باب فی حدیث عن الثقات (38) 119/1

۲۵۔ بیہقی امام سنن بیہقی۔ بیروت۔ دار الکتب العلمیہ۔ 1410ھ کتاب شعب الایمان۔ 470/1

۲۶۔ حاکم امام مستدرک حاکم بیروت۔ دار الکتاب العربی۔ (ت۔ن) 101/1

چوتھا باب:

تحقیق کی اقسام اور اصول تحقیق کی اہم کتب

فصل اول

تحقیق کی اقسام

علماء اور سکالر حضرات نے فن تحقیق کو متعدد اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ اسلامی علوم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر قسم کی تحقیق با مقصد ہونی چاہئے اور تمام علوم میں تحقیق کا عمومی مزاج بنی نوع انسان کی خدمت ہو جس طرح حدیث میں وارد ہے ''خیر الناس من ینفع الناس'' (1) بہتر انسان وہ ہے جو بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے۔ پھر اسلامی اصولوں کے مطابق تحقیق ایک جامع عمل ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف پہلوؤں کا حامل ہے۔ یہ پہلو اپنے مقاصد کے لحاظ سے اہم اور قابل توجہ ہیں۔ تحقیق کا پہلا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت ہے۔ اس قسم کی تحقیق با مقصد خیالات کو واضح طور پر متعین کرنے اور اسلامی مقاصد زندگی کو سمجھنے میں مدو معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا مقصد مظہری اور آفاقی حقائق کو ایک جگہ اکٹھا کرنا ہے جو سروے اور خاص اطلاعات سے حاصل کی جاتی ہے۔ تحقیق کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس کا تعلق اس زمانہ سے متعلق فوری اور علمی مسائل سے ہو اس مقصد کو اجتہاد کے ذریعہ سے بھی اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ ان مقاصد جن کا مطالعہ آپ پہلے اور تیسرے باب میں بھی کر چکے ہیں، کو حاصل کرنے کے لئے قرآن مجید نے اور اس کے علاوہ علماء کرام نے تحقیق کی مختلف قسمیں بیان کی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ ان تمام اقسام میں سے خالص تحقیق یا اطلاقی / علمی

تحقیق بہت اہم ہے۔ خالص تحقیق معلومات کے دائرے کو وسیع کرتی ہے اور اطلاقی و علمی تحقیق نتائج کی روشنی میں اسے پرکھتی ہے۔(2)

تحقیق کی مختلف اقسام:

تحقیق کی اقسام کے بارے میں جدید ماہرین تحقیق کے درمیان کافی اختلاف ہے۔ یورپین محققین اِس کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

1۔ کیفیاتی یا اوصافی (Qulitative)

2۔ کمیاتی یا مقداری (Quantitative)

اِس کے برعکس برصغیر کے ماہرین اس کو مدعا کے لحاظ سے دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

1۔ بنیادی تحقیق (Basic Research) 2۔ اطلاقی تحقیق (Applied Researd) اس کے بعد طریق کے لحاظ سے اس کو تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

1۔ تاریخی (Historical)

2۔ بیانیہ (Descriptive)

3۔ تجرباتی (Experemental)(3)

تمام اقسام تحقیق کا مشترکہ پہلو:

ان تمام اقسام جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں ہے کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحقیق کی تمام اقسام اپنی علیحدہ حیثیت رکھنے کے باوجود ایک مشترکہ پہلو بھی رکھتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یہ تمام اقسام اکثر اوقات تحقیقی عمل کے دوران اکٹھی ہو جاتی ہیں اور کسی محقق، طالب علم یا تحقیق کار کے لئے مشکل ہوتا ہے کہ وہ صرف کسی ایک ہی قسم کے مطابق اپنی تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

(۱) لہٰذہ یہاں پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ یہ تمام اقسام اپنی علیحدہ تعریف اور

علیحدہ مقام رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے جوہری اتفاق رکھتی ہیں اور ہر قسم کا دائرہ دوسری قسم میں بھی داخل ہو رہا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ سمجھنی چاہیے کہ کوئی محقق کسی ایک قسم کو مدنظر رکھ کر اپنی تحقیق مکمل نہیں کر سکتا بلکہ اُسے بسا اوقات دو اقسام کو ملا کر اور اکثر اوقات اِس سے زیادہ اقسام کو ملا کر اپنی تحقیق مکمل کرنی پڑتی ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اِن تحقیقی اقسام میں سے بعض اقسام صرف قدرتی سائنس (Natural Sciences) سے بھی مخصوص ہیں۔ لیکن سائنسی تحقیق میں بھی اکثر اوقات کئی اقسام کو ملا کر تحقیقی منصوبہ مکمل کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذہ یہ تمام اقسام اپنی علیحدہ شناخت رکھنے کے باوجود تحقیقی عمل کے دوران ایک دوسرے میں اِسطرح گڈمڈ اور مل جاتی ہیں کہ تحقیق کار کو یہ ادراک نہیں رہتا کہ وہ کون سے قسم کی تحقیق کر رہا ہے۔

لہٰذہ ان تین امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس صورت میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھ لینی چاہیے کہ اِن تمام اقسام کی علیحدہ تعریفیں بھی ہیں لیکن تحقیقی عمل کے دوران یہ تمام اقسام یا اِن میں سے اکثر کو اکٹھا کر کے تحقیقی منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے، گویا کہ اِن تمام میں عموم خصوص مطلق نہیں بلکہ عموم خصوص من وجہ کا تعلق ہے۔ جس طرح عملی تجرباتی تحقیق، اطلاقی عملی تحقیق، مشاہداتی و اقتصادی تحقیق، تنقیدی ادبی تحقیق، بنیادی اطلاقی تحقیق، تاریخی توصیفی تحقیق وغیرہ۔

سابقہ بیان کردہ پانچ اقسام تحقیق میں اگر صرف اوصاف ہی بیان ہوں اور وہ تاریخی، ادبی، توصیفی، تشریحی کے ساتھ اطلاقی بھی ہوں لیکن اُس میں کسی چیز کا مقداری جائزہ نہ لیا گیا ہو گا تو وہ تمام اقسام یورپین اہل علم کے نزدیک کیفیاتی یا اوصافی تحقیق (Qalitative) کہلائے گی۔ اگر اُن میں مقداری یا شماریاتی جائزہ و حاصلات (Statical Data) بھی اکٹھے کیے گئے ہیں تو وہ تحقیق مقداری یا کمیاتی تحقیق

(Qantative) کہلائے گی۔اب اِس اوصافی تحقیق کے ساتھ مزید اقسام بھی ملحق کرنی پڑیں گی مثلاً بنیادی اوصافی تحقیق یا اطلاقی مقداری تحقیق وغیرہ۔(4)

سابقہ بیان کردہ اقسام کی مختصر تعریفیں درج ذیل ہیں۔

1-بنیادی تحقیق (Fundamental/ Basic Research)

اِس کو علمی، ادبی، خالص (Pure) نظری اور ذہنی تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسی تحقیق ہے جو صرف کسی چیز کے بارے میں حصول علم کے لیئے کی جاتی ہے۔اس کا ہدف علمی ہوتا ہے عملی نہیں ہوتا۔اس تحقیق میں کسی شے یا مسئلہ کے بارے میں حقائق معلوم کیے جاتے ہیں یا کسی مواد یا چیز کی حقیقت وصداقت کو پرکھنا ہوتا ہے۔اپنی خالص صورت میں اِس تحقیق میں نظریات کو پیش کیا جاتا ہے یا اُن کو بہترین انداز دیا جاتا ہے۔

اس تحقیق کا فوری ظاہری فائدہ یا علمی فائدہ نظر نہیں آتا لیکن اس تحقیق سے مستقبل میں عملی فائدوں کے دروازہ کھلتے ہیں اور اس سے علمی فائدہ ہوتا ہے۔اس کا ایک مقصد معلومات کا دائرہ وسیع کرنا ہے۔

مثلاً کسی سائنسدان نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین کے اندر صرف مٹی یا پتھر نہیں بلکہ اِس کے اندر بے شمار اقسام کی معدنیات ہیں جن سے بنی نوع انسان فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہ نظریہ بنیادی تحقیق کہلائے گا۔اب اِس نظریہ کو بنیاد بنا کر مستقبل میں لوگ اور مختلف سائنسدان زمین پر تجربات شروع کریں گے اور ہمہ قسم کی معدنیات زمین کو کھود کر، ڈرل کر کے، کنویں بنا کر یا متعدد مختلف طریقوں سے نکالیں گے۔اس ساری معدنی ترقی کی بنیاد وہ نظریہ تھا جو پہلے سائنسدان نے بنیادی تحقیق کے طور پر پیش کیا۔(5)

اس طرح رسول اکرم ﷺ نے ایک نظریہ پیش کیا۔

لیبلغ الشاهد الغائب، فان الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه.(6)

میری محفل میں موجود لوگ میرا تمام پیغام آنے والی نسلوں کو پہنچا دیں (یعنی جو لوگ یہاں موجود نہیں اُن کو) اس بات کا بھی امکان ہے کہ تم لوگ جن لوگوں یا نسلوں کو پیغام پہنچا رہے ہو گے وہ تم سے زیادہ ذہین و فطین ہوں اور تحقیق کے ماہر ہوں۔

اس حدیث میں بنیادی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے یعنی رسول اکرم ﷺ کے تمام اقوال و افعال کو تحقیقی اصولوں کے مطابق آئندہ نسلوں کو منتقل کر دینا، اس پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام نے آپ ؐ کے تمام پیغام کو چاہے اُن کا تعلق اجتماعی معاملات سے تھا یا انفرادی معاملات سے تھا اگلی نسل تک کما حقہ پہنچا دیا اور تابعین کو اس سے کافی علمی فائدہ ہوا لیکن تیسری اور چوتھی نسل نے اِس نظریہ کی بنیاد پر علوم اسلامیہ کا ایک وسیع خزانہ مدون کر دیا، جس میں علم تفسیر اور اُس کی اقسام، علوم الحدیث، علم فقہ و اصول فقہ، علم العقائد، علم سیرۃ النبی ﷺ اور علم تاریخ وغیرہ اہم ہیں۔تو یہ تمام علوم اُسی حدیث رسول کی وجہ سے معرض وجود میں آئے۔گویا کہ بنیادی تحقیق فوری طور پر عملی نہیں ہوتی لیکن اِس سے مستقبل میں بے شمار عملی فائدہ حاصل ہوتے ہیں۔

یا اس کی دوسری مثال حضرت عمرؓ کا حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھتے ہوئے ہدایات کرنا ہے، کہ کسی مسئلہ کو حل کرنے یا عدالتی فیصلہ کرتے ہوئے اِس بات کا خصوصی اہتمام کیا کرو کہ اس مقدمہ کے سلسلہ میں سابقہ فیصلوں یعنی ''الاشباہ والنظائر'' کا مطالعہ کر کے اُور انہیں سامنے رکھ کر فیصلہ کیا کرو۔اب حضرت عمرؓ کا یہ خط بنیادی تحقیق ہے اس تحقیق کی بنیاد پر (Precedant Law) علم الاشباہ والنظائر، کیس لاء (Case Law) علم الفروق اور اِس طرح کے کئی علوم مرتب ہوئے ہیں۔(7)

2-اطلاقی تحقیق (Applied Research)

اِس کو تجزیاتی، تجرباتی، صنعتی، سائنسی، فنی یا لیبارٹری تحقیق بھی کہتے ہیں۔یہ تحقیق سابقہ قسم تحقیق یعنی بنیادی تحقیق کی جانچ پرکھ، جائزہ اور تجزیہ کے لئے کی جاتی ہے۔اس

تحقیق میں کسی پیش کردہ نظریہ یا سائنسی مفروضہ کو عملی طور پر چیک کیا جاتا ہے کہ یہ نظریہ کس حد تک انسانی مسائل کو حل کرنے میں مدد دے سکتا ہے یا اس سائنسی مفروضہ کو کس حد تک انسانوں کے لئے سودمند یا نفع آور بنایا جا سکتا ہے۔

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ بنیادی تحقیق کو انسانی خدمت کے قابل اور قابل عمل بنانے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے ایسی عملی تحقیق کو اطلاقی تحقیق کہتے ہیں۔(8)

مثلاً ایٹمی طاقت کو برائے علاج انسان، حصول بجلی یا مزید انسانی فوائد کے لئے استعمال کرنے کا طریقہ دریافت کرنا۔ اسی طرح زراعت کے میدان میں مختلف نظریات کو اطلاقی تحقیق کے ذریعہ تجزیہ کر کے قابل عمل اور نفع آور بنایا جاتا ہے۔ مثلاً مختلف بیجوں کے ملاپ یا پیوندکاری کے عمل کا تجربہ کر کے اسے نفع آور بنانا۔

اگر بنیادی اور اطلاقی تحقیق کو ملا دیا جائے تو اس کو علمی سائنسی، علمی تجرباتی یا علمی فنی، علمی تجزیاتی یا علمی فعلی تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔

سائنسی میدان میں اطلاقی تحقیق کے دوران تجرباتی عمل کے لئے اکثر لیبارٹریوں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اس کو لیبارٹری تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اطلاقی تحقیق صرف سائنسی میدان میں ہی نہیں ہوتی بلکہ جنرل سائنس، لسانیاتی سائنس، آرٹس، اور ادبی میدان میں بھی ہوتی ہے مثلاً علوم اسلامیہ میں اس تحقیق سے اس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لو كان فيهما الهة اِ لا لله لفسدتا. (الانبیاء 22)

اگر آسمان اور زمین ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین و آسمان دونوں کا نظام بگڑ جاتا)

اب اس بنیادی تحقیق کو اطلاقی تحقیق کے ذریعہ پرکھا اور جانچا جا سکتا ہے۔ وہ اس طرح کے ایک پچاس طلبہ والی کلاس میں ایک ہی مضمون تفسیر قرآن کے ایک عنوان ناسخ ومنسوخ کو ایک ہی پیریڈ میں پڑھانے کے لئے بیک وقت تین اساتذہ کرام کو مامور کیا

جائے۔وہ اِن تمام طلباء کو بیک وقت اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اُسی ایک موضوع پر زور شور سے پڑھانا شروع کردیں۔اب سابقہ آیت والے نظریہ کا تجرباتی جائزہ اِس کلاس کے ذریعہ لیا جارہا ہے۔اگر کلاس میں بے چینی، بے قراری، اضطراب اور افراتفری اور فساد فی الارض کی فضا پیدا نہ ہو تو سابقہ قرآنی نظریہ صحیح ثابت نہیں ہوا اور اگر کلاس میں اساتذہ وطلبہ کے درمیان فساد برپا ہو جائے تو اطلاقی تحقیق کے ذریعہ قرآنی نظریہ کا حق ہونا اور اُس کی حقانیت واضح ہو جائے گی۔اس تحقیق کی قسم کا نام بنیادی اطلاقی تحقیق ہوگا۔(9)

3-تاریخی تحقیق (Historical Research)

اس تحقیق کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے۔اس کے ذریعہ زمانہ ماضی کی واقعات کی چھان بین کرکے اُن کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔پھر ان واقعات کا تجزیہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ان سے کوئی عمومی اصول وضع کئے جائیں۔اور اُن کی روشنی میں مستقبل کا منصوبہ وضع کیا جائے۔اِس تحقیق کا مقصد ماضی کا درست منظر دکھانا اور حالیہ مشکلات کو ماضی کے تجربات کی بنیاد پر حل کرنا ہے۔

اس تحقیق کو دستاویزی، سوانحی تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔مخطوطہ شناسی بھی اِسی قسم کا حصہ ہے۔(10)

4-بیانیہ تحقیق (Descriptive Research)

اِسے توصیفی، تشریحی، تصریحی یا وضاحتی تحقیق بھی کہتے ہیں۔اس تحقیق میں اُن اُمور، اشیاء، نظریات اور مباحث کو بیان کیا جاتا ہے۔جو اُس دور میں مروج ہوں۔مثلاً محقق اپنے دور کے حالات، واقعات، تعلقات، رسومات، عقائد اور پالیسیوں کے بارے میں تحقیقی منصوبہ ترتیب دیتا ہے۔اس قسم کی تحقیق میں صرف مواد ہی اکٹھا نہیں کیا جاتا بلکہ مواد کا تجزیہ کرکے اُس کی اِس طرح تعبیر کی جاتی ہے کہ اُس کے ذریعہ مستقبل کی تعمیر کی جا

سکے یعنی مستقبل کے لئے تجاویز مرتب کی جاتی ہیں۔اس تحقیق میں مطالعہ احوال، کتابی مطالعہ اور کیس سٹڈی بھی کارگر ہوتی ہے۔

بیانیہ تحقیق کی مثال پاکستان میں نفاذ شریعت نہ ہونے کے اسباب یا اس کی وجہ سے نقصانات کا جائزہ لینا ہے۔اِسی طرح پاکستان میں مذہبی عدم رواداری کی وجوہات، فرقہ بندی کے اسباب وغیرہ کا جائزہ لینا بھی بیانیہ تحقیق ہے۔(11)

5- تجرباتی تحقیق (Experemental Research)

اس قسم کا اطلاق زیادہ تر طبیعی سائنسی علوم میں ہوتا ہے۔یہ بھی اطلاقی تحقیق سے ملتی جلتی ہے لیکن اِس میں کسی سابقہ نظریہ وغیرہ کو نہیں جانچا جاتا بلکہ اس کی بنیاد اِس اصول پر ہے کہ اگر کسی چیز کی دو حالتیں بالکل ایک قسم کی ہوں تو ایک حالت میں اگر کسی ایک متغیرہ (Variables) کا اضافہ کیا جائے یا کسی عنصر کو خارج کیا جائے تو اُن میں کیا فرق پیدا ہوتا ہے۔اس طرح عمل اور ردِ عمل کے درمیان رابطہ کو تجربہ کے ذریعہ قائم کیا جاتا ہے۔

تجرباتی تحقیق میں محقق اپنا نظریہ خود قائم کر کے اُس کے مطابق لیبارٹری یا مزید کسی مقام پر تجربہ شروع کر کے تحقیق کا ماحصل پیش کر دیتا ہے۔یہ تحقیق زیادہ تر صنعتی میدان میں انڈسٹریوں، کارخانوں اور ملوں میں ہوتی ہے۔جس میں کارخانہ دار اپنی پیداوار میں ایک دوسرے سے مسابقت کے جذبہ کی وجہ سے نئی نئی اشیاء مارکیٹ میں لاتے ہیں اس کے لئے تحقیق کو بروء کار لایا جاتا ہے۔مزید زرعی سائنس (Agriculture Science) میں بھی یہ طریق تحقیق بہت کارگر ہے۔(12)

یہ تحقیق کی پانچ بنیادی اور اہم اقسام ہیں باقی تمام اقسام تقریباً انہیں اقسام میں سموئی جا سکتی ہیں۔

علمی سائنسی وعملی تجرباتی اور بیانیہ واطلاقی تحقیقات کا طریقہ:

تحقیق کی متعدد اقسام ہیں جن کا اِسی باب کے سابقہ صفحات میں آپ مطالعہ کر

چکے ہیں، اُن میں بعض تحقیقات کا تقاضا ہوتا ہے کہ طالب علم ان میں انسان، حیوان یا نباتات سے متعلق ذاتی تجربات کی روشنی میں چلے اس کو تجرباتی تحقیق کہتے ہیں، اور اسی کا نام علمی سائنسی یا عملی تجرباتی تحقیق بھی ہے۔ بعض دیگر تحقیقات میں (جیسا کہ تاریخی، جغرافیائی اور معاشرتی مباحث ہیں) طالب علم کو کچھ مقامات کی سیر وسیاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سیاحت جغرافیائی پہلوؤں میں سے کسی پہلو کا مشاہدہ کرنے کے لئے یا لوگوں کے حالات وطبقات اور باہمی رسوم ورواج کا مطالعہ کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی ان کے نقطہ ہائے نظر معلوم کرنے اور ان کے خیالات کا جائزہ لینے کے لئے ان کا کلام سننے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان تمام امور یا ان میں اکثر امور کا جائزہ لے کر اگر کوئی تحقیق منظر عام پر لائی جائے تو یہ بیانیہ تحقیق ہے۔(13)

اطلاقی اور عملی تحقیق ایک ایسی قسم ہے جس میں طالب علم کو موضوع سے متعلق تحریری مواد کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تجربات اور سیاحت کو بروئے کار لانا چاہیئے تا کہ وہ پیش آمدہ علم وتجربہ کی روشنی میں تحقیقات کو مکمل کر سکے، دوران بحث وتحقیق اسے تقابلی جائزہ پر قادر ہونا چاہیئے تا کہ متقدمین اہل قلم کے ساتھ اتفاق رائے کر سکے۔

فنی تحقیق (جیسا کہ طب یا زراعت سے متعلق مقالات ہیں) میں اکثر وبیشتر طالب علم کے ذاتی تجربات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ تجربات پر کام شروع کرنے سے پہلے مختلف غیر متعلقہ تجربات کا اس کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ تا کہ اس میں تجرباتی قوت واہلیت پیدا ہو سکے، نیز اس کی طبیعت حساس، مطمئن، نبرد آزما، استقلال پسند، انتہائی درجہ دیانتدار ہونی چاہیئے۔

سائنسی تحقیق میں اسے انسان، حیوان یا نباتات کی مکمل اور مفصل تصویر پیش کرنی چاہیئے جن پر ریسرچ کی جارہی ہو، اس میں ان کی صحت، عمر، جنس وغیرہ وہ سب امور شامل ہیں جو اس سلسلہ میں ضروری قرار پاتے ہیں۔

طالب علم کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ سائنسی تجربات کی بنیاد صحیح آغاز پر ہے، اس کے بعد وہ محکم راستے پر گامزن رہے اس دوران وہ مضبوط تجربہ اور گہرے غور و فکر سے متصف ہو کر نتائج کو یکے بعد دیگرے ذہن نشین کرتا جائے۔

تمام اقسام میں جہاں تک کسی تحقیق سے متعلق مطالعہ کا تعلق ہے طالب علم کو اس میں پوری توجہ اور انہماک سے کام لینا چاہیے، اس کا اعتماد ایسے ثابت شدہ حقائق اور بلاواسطہ ذرائع پر ہونا چاہیے جو اس کے مشاہدات کی صحیح عکاسی کر سکیں، اس سلسلہ میں اسے اپنے مشاہدات اور دیگر محقق کے آراء افکار کو خلط ملط نہیں ہونے دینا چاہیے۔(14)

سابقہ بیان کردہ تحقیق کی پانچوں اقسام میں ذاتی تجربات و مشاہدات دور جدید کے محققین کی اہم ترین ضرورت ہے، جس تحقیق میں اس قسم کی چیزیں شامل ہوں اگر طالب علم انہیں اپنے تجربات کے دلائل میں دقت نظری اور مشاہدہ شدہ مقامات کی تصویر کشی میں دقیقہ سنجی کا مظاہرہ کرے تو بلاشبہ بڑی قدر و قیمت کے حامل ہوں گے۔

قرآن مجید اور حدیث میں تحقیق کی اقسام:

سابقہ تحقیق اقسام کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قرآنی تحقیقی اقسام کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ قرآن مجید صرف فن تحقیق کی کتاب نہیں بلکہ قرآن مجید میں جہاں مسلمانوں کو تحقیقی میدان میں عمومی ہدایات دی ہیں وہیں اجمالی طور پر مختلف مواقع پر تحقیق کی مختلف اقسام کو بھی بیان کیا ہے۔ جن میں اہم یہ تین ہیں۔

1- مشاہداتی اور واقعاتی طریقہ تحقیق
2- استدلالی و استنباطی طریقہ تحقیق
3- تجرباتی طریقہ تحقیق

1- قرآن مجید اور حدیث میں مشاہداتی اور واقعاتی طریقہ تحقیق:

مشاہداتی قسم تحقیق میں جس طرح قرآن نے اپنے دعووں کے ثبوت اور اپنے افکار ونظریات کی تائید میں مختلف قسم کے دلائل وشواہد پیش کئے ہیں اور یہ کہ اس نے مشاہداتی و واقعاتی ثبوت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ سینکڑوں مقامات پر اللہ تعالیٰ کے تخلیقی وتکوینی مظاہر اور اس کی قدرت کے عجائبات پیش کر کے انسان کو مشاہدہ کی دعوت دی گئی ہے تا کہ ان کے دلوں میں قرآنی حقائق جاگزین ہو جائیں اور وہ قرآن کی دعوت پر ایمان لانے والے بن جائیں۔ ان مواقع پر قرآن مجید نے الم تر، الم تروا، الم یرو، (کیا تم نے نہیں دیکھا، کیا تم لوگوں نے مشاہدہ نہیں کیا، کیا اسے دکھائی نہیں دیا، کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا) جیسے مختلف انداز بیان اختیار کئے ہیں۔ مزید براں قرآن کریم نے جہاں جہاں مثالوں کے ذریعہ شواہد یا واقعاتی ثبوت پیش کیے ہیں ان سے مقصود صرف ان کا مشاہدہ یا معائنہ نہیں بلکہ ان میں تدبر وتفکر بھی مطلوب ہے۔ قرآن کریم نے گزری ہوئی قوموں کے حالات اور قدرت کے بے شمار مظاہر ذکر کر کے ان میں غور وفکر کی بار بار دعوت دی ہے تا کہ اس کی روشنی میں انسان خود یہ نتیجہ نکالے کہ قرآن جو دعوت دے رہا ہے وہ برحق ہے کہ نہیں اور یہ کتاب عظیم جو حقائق بیان کر رہی ہے وہ قابل قبول ہیں کہ نہیں۔(15)

2- قرآن اور حدیث میں استنباطی طریقہ تحقیق:

متعدد مواقع پر قرآن کے مباحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے استنباطی طریقہ (Deductive Method) اختیار کیا جا سکتا ہے قرآن کریم کا یہ انداز بیان اور طرز استدلال توحید، رسالت، بعث بعد الموت اور آخرت میں خاص طور پر سے نمایاں نظر آتا ہے۔ توحید کے ثبوت میں قرآن کے پیش کردہ دیگر شواہد کے علاوہ یہ استدلال ملاحظہ ہو:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔ (الانبیاء: 22)

اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا کوئی دوسرے معبود بھی ہوتے تو دونوں (زمین اور آسمان) کا نظام بگڑ جاتا۔

اسی طرح بعث بعد الموت کے ثبوت میں قرآن مختلف انداز میں استدلال کرتا ہے اور ان میں سب سے معروف یہ ہے کہ وہ خلق اول سے خلق ثانی پر دلیل پیش کرتا ہے۔ وہ لوگ جو انسان کے مر جانے اور اس کی ہڈیوں کے سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ روز قیامت اس کے پیدا کیے جانے پر حیرت و استعجاب ظاہر کرتے ہیں ان سے قرآن مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جس ذات قادر و مطلق نے انسان کو پہلے بار وجود بخشا اور جو اسے عدم سے وجود میں لایا، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ دوبارہ اسے زندگی عطا کرے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ. قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ. (یسین: 78-79)

(منکرین آخرت) کہتے ہیں جب ہم بوسیدہ ہڈی ہو جائیں گے تو پھر ان ہڈیوں کو کون زندگی عطا کرے گا۔ کہہ دو (اے محمد) وہی ہستی اسے زندگی دے گی جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک (طریقہ) تخلیق کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن کا یہ طرز استدلال بھی دیکھا جا سکتا ہے:

وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا. قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا. اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

(بنی اسرائیل 49. 51)

اور وہ کہتے ہیں جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے ان سے کہو تم پتھر

یالوہا بھی بن جاؤ یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمہارے ذہن میں
قبول حیات سے بعید تر ہو (پھر بھی تم اٹھ کر رہو گے) وہ ضرور پوچھیں
گے کون ہے وہ جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پلٹا کر لائے گا جواب میں کہو
وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا۔

اس نوع کی آیات کریمہ سے قرآن کریم یہ حقیقت گوش گزار کرانا چاہتا ہے کہ انسان خود غور کرے اور نتیجہ نکالے کہ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو وجود اول بخشا، کیا وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ اس کے مردہ جسم میں روح ڈال کر دوبارہ اسے زندہ کھڑا کرے۔ یہ استنباطی اور استدلالی قسم تحقیق ہے۔ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے یا مخاطب کے ذہن میں کسی بات کو بٹھانے کے لئے یہ اندازہ استدلال احادیث میں بھی جا بجا اختیار کیا گیا ہے۔ مثال کے لئے چند احادیث ملاحظہ ہوں: حدیث کے مختلف معروف ذخائر میں حج اور مناسک کے ابواب میں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے لیکن وہ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں سواری پر نہیں ٹھہر سکتے اگر میں انھیں سواری پر باندھتا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مر نہ جائیں کیا میں انکی جانب سے حج کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا: اگر ان پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کرتا تو کیا وہ ادا نہ ہوتا۔ اس نے عرض کیا ضرور ادا ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا تو تو اپنے باپ کی جانب سے حج کر۔ (16)

امام مالک نے موطا میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے غلام کو پکڑ کر لائے اور کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے اس لئے کہ اس نے چوری کی ہے حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اس نے کیا چرایا ہے انھوں نے عرض کیا کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دیجئے اس پر قطع ید نہیں ہے۔ (اس لئے کہ) تمہارے غلام نے تمہارا ہی سامان چرایا ہے۔ یعنی دونوں تمہاری ملکیت ہیں اس لئے اس صورت میں قطع ید

نہ ہوگا۔ ان تفصیلات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث دونوں میں کسی بات کو ثابت یا واضح کرنے کے لئے استنباطی یا استقرائی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اصول فقہ میں بھی قیاس کا پورا نظام استدلالی و استنباطی منہج پر مبنی ہے۔ جس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں۔(17)

3- قرآن وحدیث میں تجرباتی طریقہ تحقیق:

استنباطی و استقرائی منہج کے علاوہ قرآن کریم سے جس دوسرے معروف اصول تحقیق کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ تجرباتی عملی (Empirical Process) ہے۔ اس کی مختصر وضاحت یوں کی جاسکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے دنیا میں کوئی چیز عبث و بیکار نہیں پیدا کی ہے۔ یعنی دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہے ان میں انسان کے لئے کوئی نہ کوئی منفعت مضمر ہے یا ان کا کوئی نہ کوئی استعمال ضرور موجود ہے۔ قرآن کی یہ آیات اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الدخان:۳۸-۳۹)

آسمان وزمین اوران کے درمیان کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنادی ہیں ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے مگران میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ص ۲۷)

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں عبث نہیں پیدا کی ہیں یہ ان لوگوں کا بیان ہے جنھوں نے کفر کیا

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زمین وآسمان اوران کے مابین پائی جانے والی کوئی

چیز عبث و بیکار نہیں ہے تو اب یہ سوال ابھرتا ہے کہ ان چیزوں کی ماہیت و افادیت کیسے معلوم کیجائے جبکہ تمام اشیاء کے استعمال کا طریقہ واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس کے لئے ضروری ہوگا کہ تجرباتی عمل اختیار کیا جائے اور اس کی روشنی میں اشیاء کے حقائق خواص واثرات معلوم کیئے جائیں، دوسرے یہ کہ قرآن نے جن چیزوں کی تخلیق کے فوائد واضح کیئے ہیں۔ ان کے کماحقہ حصول کے لئے بھی تحقیق و تجربہ کی راہوں سے گذرنا لازمی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے سورج اور چاند پیدا کیئے اور انھیں روشنی کا ذریعہ بنایا۔ ان کے منازل متعین کیئے تاکہ انسان ان کی مدد سے سال کا شمار کر سکے اور حساب کتاب کر سکے:(18)

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ (یونس:۵)

اور وہی ہے جس نے سورج کو اُجالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں متعین کیں تاکہ تم ان سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کر سکو۔

اس سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ سورج و چاند سے یہ فوائد بالخصوص برسوں کا شمار اور تاریخ کا تعین صحیح معنوی میں اس وقت حاصل ہو سکتے تھے جب انسان تحقیق کی گہرائیوں میں غوطہ لگائے اور تجربات کی راہوں سے گزرے اور موجودہ زمانہ کی سائنسی ترقیات گواہ ہیں، کہ انسان اسی راہ سے آسمان و زمین میں پائی جانے والی مختلف چیزوں سے بہتر سے بہتر فوائد حاصل کرتا رہتا ہے، مزید براں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ زمین و آسمان میں قدرت کے بے شمار خزانے چھپے ہوئے ہیں اور یہ وسائل قدرت انسان ہی کی راحت رسانی کے لئے پیدا کیئے گئے ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی علمی کششوں اور تحقیقی و تجربی کاوشوں سے ان کی جانکاری حاصل کرے، ان کے استعمال کے طریقوں کا پتہ لگائے اور ان کے فوائد سے بہرہ ور ہو۔ قرآن مجید میں

بحر (سمندر) کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (النحل:14)

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ تم اس سے تروتازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنھیں تم پہنا کرتے ہو اور تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

اس آیت میں سمندر کے منافع کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کیا کوئی اس سے اختلاف کر سکتا ہے کہ یہ منافع صحیح معنوں میں اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب انسان اپنی صلاحیت و استعداد سے کام لے کر سمندر میں پائی جانے والی چیزوں کا پتہ لگائے اور تحقیق و تجربہ کی مدد سے انھیں اس قابل بنائے کی انھیں مختلف کاموں میں استعمال کیا جا سکے بعض احادیث سے بھی دنیاوی امور میں تجرباتی عمل کی اہمیت وافادیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے جو صحیح مسلم (کتاب الفضائل) کے علاوہ دیگر مجموعوں میں بھی مروی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھجور کے نر درخت کا بعض حصہ کاٹ کر مادہ درخت میں لگا رہے ہیں (یا برون أو یلقحون النخل) تو آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس سے کچھ فائدہ نہیں اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہتر ہے آپ کے اس کہنے پر لوگوں نے اس عمل کو چھوڑ دیا لیکن جب آپ کو لوگوں کے تجربات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تلقیح نخل منفعت سے خالی نہیں اس لئے کہ اس سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے پیداوار میں کمی ہو گئی ہے تو آپ نے صاف طور پر اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مختصر یہ کہ قرآن و حدیث دونوں سے تجربات کی اہمیت وافادیت کا ثبوت ملتا ہے اور یہ محتاج بیان نہیں کہ سائنسی علوم

سے متعلق تحقیقات میں تو تجرباتی عمل بہر صورت ناگزیر ہوتا ہے جس کا مطالعہ آپ اطلاقی تحقیق اور تجرباتی تحقیق کے عنوانات کے تحت کر چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی مختلف النوع مخلوقات کو انسانوں کے لئے صحیح معنوں میں اسی وقت قابل استعمال اور مفید بنایا جا سکتا ہے جب تحقیق و تجربہ کی راہ اختیار کی جائے اور نئے نئے اکتشافات و انکشافات روبعمل لائے جائیں۔ مزید براں انسان کے لئے تسخیر کائنات کے فوائد کا حصول بھی کافی حد تک تحقیقات و تجربات پر منحصر ہے۔

تحقیق کے میدان میں تجربات و تجرباتی عمل کی معنویت وافادیت کے ساتھ قرآن کریم سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ کسی نظریہ یا مفروضہ کی صحت کو جانچنے یا کسی چیز کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لئے تجربہ کے عمل کو بار بار دھرایا جا سکتا ہے غور کیجئے اللہ تعالیٰ کائنات واشیاء کائنات کی تخلیق میں کمال وتناسب ثابت کرنے کے لئے انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بار باران چیزوں پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔(19)

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ. ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ. (ملك ٣،٤)

وہی ہے جس نے تہ بتہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے بار بار نگاہ دوڑاؤ تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔

پاکستان میں مروج اقسام تحقیق:

برصغیر یا پاکستان میں بھی مغرب کی طرح بے شمار تحقیقی اقسام مروج ہو چکی ہیں اُن میں چند اہم درج ذیل ہیں۔

1-اطلاقی تحقیق (Applied Research)

اس تحقیق میں صرف معلومات کی حصول یابی ہی اس کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ نتائج کی عملی شکل میں تطبیق کو بھی واضح کیا جاتا ہے۔ اس میں نئے مسائل کو حل کرنے کی صورتیں بھی واضح کی جاتی ہیں۔ مزید پہلے سے بنائے گئے اور بتائے گئے ضابطوں اور حدود میں رہ کر تحقیقی عمل کو بھی جاری رکھا جاتا ہے۔

2-بیانیہ تحقیق (Descriptive Research)

اس قسم کی تحقیق میں موجودہ حالات، حقائق اور واقعات کو بالکل اس طرح واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے جس طرح کہ وہ اپنی اصلی حالت میں رونما ہو رہے ہیں۔ اس قسم کی تحقیق سے حاصل شدہ ڈاٹا (DATA) یعنی ''حاصلات'' نئے اور اچھوتے پروگراموں کی نشان دہی کے لئے مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ اس تحقیق میں جو حقائق جمع ہوتے ہیں ان کے لئے متعلقہ اعداد و شمار کی جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس کی وساطت سے نت نئے تجربات جنم لیتے ہیں اور مفروضات قائم ہوتے ہیں۔

3- تجرباتی تحقیق (Experemental Research)

تحقیق کی اس قسم میں مختلف سائنسی و غیر سائنسی متغیرات کا مطالعہ ہوتا ہے اور ان کے اثرات کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ اور تجزیئے کے پیچیدہ ترین طریقوں سے تحقیق کی مشکل منزلیں طے کی جاتی ہیں۔

4-ادبی تحقیق (Classical Research)

تحقیق کی ایک اہم قسم موضوع کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ادبی تحقیق آتی ہے۔ کلاسیکی زبان و ادب کا جدید حالات کی روشنی میں جائزہ اس ذیل میں ہے۔ یہاں تدوین ادبی تحقیق کی رہنمائی کرتی ہے۔ تدوین کے سلسلے میں اصل

مسئلہ متن کے اس تجسس اور تنقیدی فکر سے ہے جس کے تحت وہ مفروضے قائم کرتا ہے اور حقائق کی روشنی میں نتائج اخذ کرتا ہے۔

5- سائنسی طریقہ تحقیق (Scientific Research)

اس طریقِ تحقیق کا تعلق صرف سائنسی علوم سے ہے۔ اس میں کسی سائنسی سوال کا جواب معلوم کیا جاتا ہے۔ مزید دو یا دو سے زیادہ متغیرات (Variables) کے درمیان تعلقات کی آزمائش کے لئے یہ بہت مفید اور قابل اعتماد طریقہ ہے۔

6- میکانکی اسلامی تحقیق (Mechinical/Technical Islamic Research)

وہ تحقیقی کام جو مقصود بالذات نہ ہو لیکن تحقیق کے کام میں مدد دے سکے، مثلاً فہارس اور قوامیس کی تیاری، قدیم مخطوطات کی نشر و اشاعت، اشاریہ سازی وغیرہ۔ اسے میکانکی اسلامی تحقیق کا نام دیا گیا ہے۔

اس نوعیت کا تحقیقی کام گریجویٹ یا ایم۔ اے کے درجے میں طلبہ کو دیا جا سکتا ہے۔

7- تاریخی تحقیق (Historical Research)

تحقیق کی ایک قسم کو ہم تاریخی یا سوانحی تحقیق کہہ سکتے ہیں۔ پچھلی صدی سے یورپ اور امریکہ کی جامعات میں عام طور پر مسلمان طلبہ سے کسی شخصیت کی (Life and works) یعنی حالات زندگی اور علمی کارناموں پر کام کروایا جاتا ہے اور اس کی دیکھا دیکھی پاکستانی جامعات بھی اسی قسم کے موضوعات کو ترجیح دیتی تھیں۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی جو پاکستان کے ایک معروف محقق اور عالم دین تھے کے بقول: مستشرقین یعنی مغربی اصولِ تحقیق کے ماہرین نے ہمیں استخواں فروشی یعنی مردہ لوگوں کی ہڈیاں فروخت کرنے کے کام پر لگا دیا ہے تاکہ ہم اسلام کی انقلابی فکر سے روشناس نہ ہو جائیں۔(20)

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے اگر نسبتاً تندو تلخ بھی ہو تب بھی یہ حقیقت ہے کہ اس نوع کی تحقیق کی افادیت بہت محدود ہے۔ اسکی محدود افادیت کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی علوم کی لائبریری میں طبقات و تراجم پر بلند پایہ کتابوں کی کوئی کمی نہیں ہے تو اس کی افادیت اور بھی محدود ہو جاتی ہے۔

دراصل یہ ایک طرف ڈگری حاصل کرنے کا آسان راستہ ہے اور دوسری طرف محققین کی صلاحیتوں کو غیر پیداواری اور غیر نفع بخش کاموں میں صرف کر کے ملت اسلامیہ کے احیاءِ نو کو ٹالنے کا ذریعہ ہے۔ برصغیر کے تعلیمی اداروں کی تحقیقی دنیا کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ علوم اسلامیہ کے جدید سکالرز جنہوں نے اس علم کو یورپ سے حاصل کر کے پاکستان کے مختلف علمی اداروں اور جامعات میں تسلط جمایا ہوا ہے، میں سے بعض مغرب کی فکری امامت کے اس حد تک قائل ہیں کہ ان کی متعین کردہ راہوں سے سر موانحراف بھی کفر کے مترادف سمجھتے ہیں۔

اسی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ اسلامی فکر کے سوتے خشک ہوتے چلے گئے اور قیام پاکستان کے بعد جن اہل علم کو زندہ مسائل کے بارے میں امت کی رہنمائی کرنی چاہیے تھی، وہ قرون وسطی کے اہل علم و دانش کی تاریخ ولادت و وفات متعین کرتے رہے اور اسلام کی قوت و اقتدار کی منزل اور دور ہو گئی۔(21)

تحقیق کی اقسام کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے:

مولانا مودودی بھی اِسی رائے سے اتفاق کرتے ہیں اُن کی رائے میں ایک تو وہ ریسرچ ہے جو مغربی محققین ہم کو سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک بے مقصد اور بے رنگ ریسرچ محض ریسرچ برائے ریسرچ ہے۔ مثلاً کتابوں کو ایڈٹ کرنا، اُن کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کر کے اُن کی عبارتوں کے فرق کو پرکھنا، اور مصنفین کے سنین وفات و پیدائش کو جمع کرنا اور اسی قبیل کی جو ریسرچ ہے یہ بے مقصد اور بے معنی ریسرچ ہے۔ اس میں شک

نہیں کہ یہ علوم وفنون میں مددگار ہوتی ہے لیکن بجائے خود یہ وہ ریسرچ نہیں ہے جو کسی قوم کو زندگی کی حرارت عطا کرتی اور اس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ یہ ٹھنڈی اور بے معنی ریسرچ ہے۔ اہل مغرب ایک ریسرچ اور کرتے ہیں۔ وہ متحرک قسم کی ریسرچ ہے۔ وہ اس مقصد کے لیے ہے کہ ان کے پاس وہ طاقتیں فراہم ہوں جو ان کو دُنیا پر غالب کر سکیں۔

ایک اور قسم کی ریسرچ اب ہمارے ملک برصغیر پاک و ہند میں شروع ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ریسرچ تو اسلام کی کی جائے، مگر اس غرض کے لیے کہ ایک نیا اسلام تصنیف کیا جائے جو تمام مغربی افکار واقدار کے بالکل مطابق ہو یعنی جو کچھ مغرب میں حلال ہے وہ حلال ثابت کیا جائے اور جو کچھ مغرب کی نگاہ میں حرام ہے اُسے حرام ثابت کیا جائے اور اسلام کو کسی نہ کسی طرح ڈھال کر ایسا رکھا جائے کہ گویا یہ بھی مغربی تہذیب وتمدن کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ یہ ریسرچ بھی ہمارے کسی کام کی نہیں ہے۔

ہم جو ریسرچ چاہتے ہیں، اور جس غرض کے لیے چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک اسلام کے مطابق علوم وفنون کی تحقیقات کی جائے اور تحقیقات کر کے اسلام کے نظامِ فکر وعمل کو باقاعدگی کے ساتھ مرتب کیا جائے۔(22)

خلاصہ

اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق تحقیق کی ان تمام اقسام میں بنیادی باتیں مشترک ہیں۔ یعنی نئے حقائق کی تلاش، معتبر مآخذ سے سند حاصل کرنا حقائق کی چھان بین کے بعد ان کا تجزیہ کرنا اور اس سے نتائج حاصل کرنا وغیرہ۔ عملی اور اطلاقی تحقیق ان نتائج سے مسئلے کا عملی حل تلاش کرتی ہے۔ اس طرح سوالات، مسائل اور ان کا حل، ذہنی تصورات سے چل کر تجزیے اور مشاہدے کے باقاعدہ عمل میں تبدیل ہو کر نئے علوم کو جنم دیتے ہیں۔

حوالہ جات

چوتھا باب (فصل اول)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ رازی فخر الدین امام۔ تفسیر مفاتیح الغیب۔ تفسیر سورہ النور: 21

۲۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن۔ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان 13/1994

۳۔ ایس ایم شاہد۔ ایجوکیشنل ریسرچ۔ لاہور۔ مجید بک ڈپو 111/2010

۴۔ تحقیق نگاری (کوڈ-714) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی / ص 18

۵۔ ایس ایم شاہد ایجوکیشنل ریسرچ/112

۶۔ امام بخاری۔ صحیح بخاری باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من السامع۔ مزید۔ حاکم امام مستدرک علی الصحیحین بیروت دار الکتاب العربی (س۔ن) کتاب العلم 87/1

۷۔ ابن عبدربہ۔ العقد الفرید قاھرہ 1940-103-102/1

۸۔ اصول تحقیق (کوڈ۔711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد/57

۹۔ ایس ایم شاھد ایجوکیشنل ریسرچ/116

۱۰۔ تحقیق نگاری: 18 مزید اصول تحقیق: 58، 73

۱۱۔ ایضاً سابقہ حوالہ نمبر 9

۱۲۔ اصول تحقیق/58

۱۳۔ شلبی ڈاکٹر۔ کیف تکتب بحثا۔ 100

۱۴۔ حوالہ سابقہ: 101

۱۵۔ رسالہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ: 77

١٦۔ امام احمد بن حنبل ۔مسند احمد بن حنبل 429/6,212/1

١٧۔ امام مالک۔موطا امام مالک۔کتاب السرقۃ ۔باب لاقطع فیہ۔

١٨۔ رسالہ تحقیقات اسلامی:80

١٩۔ حوالہ سابقہ 82

٢٠۔ تحقیق نگاری:18

٢١۔ حوالہ سابقہ

٢٢۔ مودودی۔سید ابوالاعلی۔علمی تحقیقات کیوں اور کیسے۔ص 11-12

چوتھا باب

فصل ثانی

اصول تحقیق کی اہم کتب

فن تحقیق کے حوالہ سے اردو، عربی، انگریزی زبانوں میں اصول تحقیق پر بہت کتب لکھی گئی ہیں جن میں سے بہت اہم یہ ہیں:

1-اردو کتب:

۱۔آزاد، ڈاکٹر عبدالرشید، مبادیاتِ تعلیمی تحقیق، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جون 1994ء

۲۔ ابنِ خلدون، مقدمہ ابنِ خلدون، (اُردو ترجمہ: راغب رحمانی)، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دہم، ستمبر 1986ء

۳۔ ابنِ کنول، پروفیسر (مرتب)، تحقیق وتدوین، کتابی دنیا، دہلی، مئی 2006ء

۴۔ ابنِ ندیم وراق، الفہرست، (اُردو ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی)، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، جون 1969ء

۵۔ احسان اللہ خان، ڈاکٹر، تعلیمی تحقیق اور اس کے اُصول و مبادی، بک ٹریڈرز، لاہور، 1978ء

۶۔ احسان اللہ ڈاکٹر، تحقیق کے روایتی اسلوب، مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد

۷۔ احمد مرزا، معاشرتی تحقیق، رضا مہدی پروگریسو پبلشرز لاہور

۸۔ اسد فیض، اُردو تحقیق، مسائل و معیار، ہم عصر پبلی کیشنز، ملتان، 2001ء

۹۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، تحقیق اور اصولِ وضعِ اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،

1987ء

١٠۔ اکبر سعید آبادی، فہم قرآن، ادارہ اسلامیات لاہور

١١۔ ایم ایس ناز ڈاکٹر، تحقیق کے اصول احادیث نبویہ کی روشنی میں، فاران کمیونی کیشنز لاہور

١٢۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اُردو نثر میں سیرتِ رسولؐ، اقبال اکادمی، لاہور، 1989ء

١٣۔ اوج کمال، فن تحقیق، دنیائے ادب کراچی

١٤۔ پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، تحقیقی مقالات کی ترتیب، تدوین و تیاری کے اصول (ترجمہ)، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام کراچی ٢٠٠٨

١٥۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، اصول تحقیق، مقتدرہ قومی زبان پاکستان ٢٠٠٤ء

١٦۔ پروفیسر محمد حسین، اردو میں اصول تحقیق

١٧۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اُصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء

١٨۔ تقی امینی محمد مولانا، حدیث کا درایتی معیار، قدیمی کتب خانہ کراچی

١٩۔ حمیداللہ ڈاکٹر محمد، خطباتِ بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، 1401ھ

٢٠۔ چودھری غلام رسول، اسلام کے کارہائے نمایاں، علمی کتاب خانہ، لاہور، 1977ء

٢١۔ خلیق انجم ڈاکٹر، متنی تنقید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2006ء (طبع اول 1967ء)

٢٢۔ خلیق انجم ڈاکٹر، متن کی تصحیح، الجمعیہ پریس دہلی

٢٣۔ خلیق انجم ڈاکٹر، مآخذ کی نشاندہی، الجمعیہ پریس دہلی

٢٤۔ رفاقت علی شاہد، تحقیق شناسی، القمر انٹر پرائزز، لاہور، 2003ء

٢٥۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ، اصول تحقیق، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

٢٦۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریقہ کار، انجمن خدام

القرآن، لاہور۱۹۸۶ء
۲۷۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ، جامعات میں اُردو تحقیق ، ہائر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد، 2008ء
۲۸۔ ڈاکٹر ش اختر، تحقیق کے طریقہ کار، رانچی تاج پریس باری روڈ
۲۹۔ ڈاکٹر طفیل ہاشمی، اسلام میں تحقیق کے اصول و مبادی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
۳۰۔ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر تصنیف و تحقیق کے اصول ،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد /۱۹۹۲ء
۳۱۔ ڈاکٹر ملک حسن اختر، اردو میں فنی تدوین، یونیورسل بکس ۱۹۸۵ء
۳۲۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انڈیا ۱۹۸۷ء
۳۳۔ رضوی سید جمیل احمد، لائبریری سائنس اور اصول تحقیق ،مقتدرہ قومی زبان
۳۴۔ زبیری ڈاکٹر نثار احمد، تحقیق کے طریقے، فضلی سنز، کراچی، مارچ 2003ء
۳۵۔ سعید اللہ قاضی، اصول تحقیق، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ لاہور
۳۶۔ سلیم ملک، ڈاکٹر محمد، اُردو تحقیق، پنجاب یونیورسٹی میں، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2007ء
۳۷۔ سید عابد علی عابد، انتقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۶ء
۳۸۔ شاہد، ایس ایم، تحقیقی مقالہ نویسی کا فن، مجید بک ڈپو، لاہور، 2001ء
۳۹۔ عبدالرزاق قریشی، مبادیات تحقیق، بمبئی ادبی پبلشرز ۱۹۸۶ء
۴۰۔ عبداللہ ڈاکٹر، اردو میں اصول تحقیق ،مقتدرہ قومی زبان
۴۱۔ عبدالودود قاضی، اصول تحقیق ،شعبہ اردو لکھنو یونیورسٹی انڈیا ۱۹۶۷ء
۴۲۔ عطش دُرّانی ڈاکٹر، اُصولِ تحقیق، ایم فل کورس، شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد 2009ء

۴۳۔ عطش دُرّانی ڈاکٹر، جدید رسمیاتِ تحقیق، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، 2005ء

۴۴۔ عطش دُرّانی ڈاکٹر، مطالعاتی رہنما۔اُصولِ تحقیق (زبان وادبیات)، ایم فل کورس شعبہ پاکستانی زبانیں وادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2004ء

۴۵۔ عطش دُرّانی ڈاکٹر، اُردو تحقیق (منتخب مقالات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2003ء

۴۶۔ علوی ڈاکٹر تنویر احمد، متن کی تحقیق وترتیب، دہلی یونیورسٹی دہلی 1977ء

۴۷۔ غازی ڈاکٹر محمود، ادب القاضی، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام کراچی

۴۸۔ فاروق جوبش ڈاکٹر، تعلیمی تحقیق اور میدانی مطالعات، جہانِ تحقیق پبلی کیشنز، کراچی

۴۹۔ فضل حق ڈاکٹر (مرتب)، فنِ خطاطی ومخطوطہ شناسی، دہلی یونیورسٹی، نئی دہلی، 1982ء

۵۰۔ گوہر نوشاہی ڈاکٹر، منتخب مقالات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

۵۱۔ گیان چند ڈاکٹر، تحقیق کا فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2002ء

۵۲۔ گیلانی مناظر احسن، تدوین حدیث، مکتبہ اسحاقیہ کراچی

۵۳۔ نجم الاسلام ڈاکٹر، تحقیق کا فن۔مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

۵۴۔ نعمانی شبلی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ج:۱) مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور 1975ء

۵۵۔ ندوی سید سلیمان، خطبات مدراس، فرینڈز پبلی کیشنز ملتان

2-عربی کتب:

۵۶۔ انیس فریحہ/ مناہج العلماء المسلمین فی البحث العلمی / بیروت، الثقافۃ ۱۹۹۱ء

۵۷۔ الدکتور احمد شلبی / کیف تکتب بحثا او رسالۃ / مصر مکتبۃ النہضۃ المصریہ ۱۹۴۷ء

۵۸۔ الدکتور عبدالرحمٰن عمیرہ / اضواء علی البحث والمصادر / بیروت، دار الجیل ۱۹۸۸ء

۵۹۔ الدکتور عبدالوہاب / کتابۃ البحث العلمی / مکہ، دار الشروق ۱۹۹۴ء

۶۰۔ الدکتور عبدالهادی الفضیلی / اصول تحقیق التراث / ایران، موسستہ ام القرآن ۱۴۱۶ھ

۶۱۔ الدکتور عمار / مناہج البحث العلمی / مصر، مکتبۃ المنار ۱۹۹۸ء

۶۲۔ دکتور علی ابراہیم حسن / استخدامہ المصادر طریق البحث / مصر، النہضۃ المصریۃ ۱۹۳۶ء

۶۳۔ الدکتور محمد عجاج الخطیب / لمحات فی المکتبۃ والبحث المصادر / ریاض، مطبوعہ ریاض ۱۹۷۱ء

3-انگریزی کتب:

64. Aarseth, Espen J., Cybertext: Perspective on Ergodic Literature, Johns Hopinks University Press, Baltimore and London, 1997.

65. Aclinsten, Peter, Science Rules: A Historical University Press, Baltimore, 2004.

66. Altick, Richard D., John J. Fenstermaker, The Art of Literary Research, (4th ed.), Norton, New york, 1993.

67. Anderson, Terry and Kanuka, Heathe, E-Research: Methods, Strategies, and Issues, Allyn & Bacon, Boston, 2003.

67-A. Andrey J . Roth The Research Paper form and Contents.

68. John W. best Research in Education .Prectice Hall Dehli 1968.

68-A. APA, Rearch Style Sheet, Modern American Psychology Accociation of America, New York, Fall 2004.

69. Babbies, Earl, The basis of Social Research, Wadsorth, Belmont, 1999.

70. Barnet, Syluan, and Hugo Bedau, Critical Thinking, Reading, and Writing: A Brief Guide to Argument, Boston: Bedford, 1993.

71. Basteson, Frederick Wlise, The Scholar-Critic: An Introduction Literary Research, Routledge, London, 1972.

72. Baure, Henry H., Scientific Literacy and the Myth of the Scientific Mehtod, University of Illinois Press, Champaign, IL, 1992.

73. Blaxter, L, How to Reaearch, The OPen University, London, 1998.

74. Booth, Wayne C., Gregory G. Colomb, and josph M. Williams, The Craft of Research, IUniveristy Clicago Press, Chicago, 1995.

75. Brooks, Peter, G. and others, the Cambridge History of Literary Critisism, Cambridge University

76. Campbell, W.G., Form & Style in Thesis Writing, U.S.A, 1969.

77. Charters, W.W " PUre Research and Practical Research", Journal of Educational Research, Xii, No. 2, September, 1925.

78. Crawfor, C.C: "The Technique of Research in Education" , Los Angel, University of Southern Califo: nia, 1928.

79. Elliott, S.M, Research & Report Writing, New York,

1961.

80. Fisher, Ronald J: "Social Psy chology, An applied Approach,", New York, St. Martin's Press, 1982.

81. Good, Carter V and Douglas, E. Scates:" Methods of Research " ,New York, Appleton Century Crofts, 1954.

82. Kidder, lousie H: " Research Methods in Social Relations" 4th ed. New York, Henry Holt & Co. 1981.

84. Paul, K. Leady: " Practical Research, Planning Design", New York, Macmillan PUblishing Co. Inc. 3rd ed. 1985.

85. Rusk, Robert R: "Research in Educaiton", London, University of London Press, 1932.

86. Smith, Henry Lester: " Educational Research, Principles and Practices", Bloomington, Ind, Educational Publishers, 1944.

87. Whitney, Frederick Lamson: "The Elements of Research", New York, Prentice . Hall, 1950.

88. Workshop on Technical Editing, I.R.L. , Islamabad, 1986.

پانچواں باب:

اسلامی اصول تحقیق میں موضوعِ تحقیق یا مقالہ کے عنوان کا انتخاب

انتخاب موضوع کے سلسلہ میں قرآنی ہدایات:

اسلامی اصول تحقیق میں تحقیق کے ایک طالب علم یا محقق کے لئے اِس کے لغوی و اصطلاحی معنی اور مختصر فکری مباحث جن کا مطالعہ آپ سابقہ چار ابواب میں کر چکے ہیں یعنی نصابی سرگرمیوں (Course Work) کی تکمیل کے بعد پہلا اور نہایت اہم قدم موضوع کا انتخاب ہے۔ بعض ادارے کورس ورک کے دوران ہی موضوع کے انتخاب کی ہدایت کرتے ہیں اس سلسلہ میں ادارے کے اصول وضوابط کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ انتخابِ موضوع کے سلسلہ میں ماہرین علوم اسلامیہ اور علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ موضوع کا انتخاب خود محقق طالب علم کرے کیونکہ قرآن مجید میں وارد ہے ولا تذر وازرة وزر اخری (الاسراء:15) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی مختلف طبائع بنائی ہیں اس لئے موضوع ایسا ہو جس سے اسے پہلے سے دلچسپی ہو اور وہ اس کے متعلق بنیادی معلومات رکھتا ہو (اِس سلسلہ میں چند ہدایات تیسرا باب عنوان محقق کی عمومی خصوصیات، میں بھی موجود ہیں، اُن کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔) بعض اوقات محقق طالبعلم موضوع کا انتخاب خود نہیں کرتے بلکہ کسی عالم دین استاد یا کسی اور فاضل شخص سے کراتے ہیں۔ چونکہ موضوع کے انتخاب میں ان کی

ذاتی دلچسپی کو دخل نہیں ہوتا اس لئے وہ کچھ دور چل کر بھٹک جاتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچ نہیں پاتے یا گرتے پڑتے پہنچتے ہیں۔اسلام اس طریقہ کار کو بالکل پسند نہیں کرتا اور یہ قرآنی اصول ہے ''وان لیس للانسان الا ما سعی'' (النجم:۳۹)اور انسان کے لئے کچھ نہیں مگر جس کی اس نے سعی کی۔

اس طریقہ کار میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی استاد یا دوسرا فاضل شخص موضوع کا انتخاب اپنے نقطہ نگاہ کے علاوہ اپنی علمی سطح کے مطابق کرتا ہے۔اگر اتفاق سے دونوں باتیں یکجا ہو جائیں یعنی موضوع محقق طالبعلم کی دلچسپی کا نہ ہو اور اس کی سطح علمی سے اونچا بھی ہو تو اس کی مشکلیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔بعض اوقات وہ مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے۔جب موضوع کا انتخاب اپنی دلچسپی اور اپنی علمی سطح کے مطابق ہوگا تو کام کی رفتار بھی حسب خواہش ہوگی اور نتیجہ بھی خوش گوار ہوگا۔جہاں تک ممکن ہو موضوع کا انتخاب محقق خود کرے تاکہ وہ اس کی دلچسپی کا بھی ہو اور اس کی صلاحیت کے مطابق بھی ہو۔البتہ وہ اپنے موضوع کی اہمیت، افادیت، جدت، مواد کی فراہمی کے امکانات وغیرہ سے متعلق اپنے رہنما سے مشورہ ضرور کرسکتا ہے۔(1)

تحقیقی موضوع یا مقالہ کے عنوان کے بارے میں ابتدائی عمومی ہدایات:

علوم اسلامیہ کے ماہرین کی رائے میں تدوین اور تحقیق کے لئے طبعی مناسبت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے،یعنی اِس بات کا جائزہ لینا کہ موضوع طالب علم کی طبیعت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا،مزید موضوع تحقیق کے انتخاب میں اپنی صلاحیتوں کا لحاظ بھی ضروری ہے اور یہ بھی کہ مواد کی فراہمی لکھنے والے کے لئے ممکن ہے یا نہیں۔کیونکہ موضوع یا مقالہ کے عنوان کا انتخاب کسی محقق کے تعمیری عمارت کی پہلی اینٹ اور بنیاد ہے۔اگر پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی ہو جائے۔یا بنیاد ہی غلط رکھ دی جائے تو ساری عمارت کے دھڑام سے گرنے یا تباہ ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

مزید تحقیقی موضوع کے انتخاب کے بعد اُس کا ابتدائی خاکہ بناتے ہوئے اُس میں غیر سنجیدہ تحریر سے احتراز، خطابت اور آرائش پسندی سے پرہیز لازمی ہے۔ زبان مبالغے سے پاک اور غیر ضروری صفاتی الفاظ سے مبرا ہو۔ ہر لفظ کے استعمال میں پوری احتیاط برتی جائے۔ خاکہ (Synopsis) بنانے سے پہلے تمام ممکنہ مواد کا ابتدائی سطح کا مطالعہ کر کے ہی قلم اٹھایا جاتا ہے تاکہ موضوع کا بھرپور احاطہ کیا جا سکے۔ مکمل دلائل کے بغیر کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ استدلال کی بنیاد جذباتیت پر نہیں۔ اسلامی مصادر علم، قرآن، حدیث وغیرہ کی ہدایات کے مطابق منطقیت اور حقیقت پر رکھی جاتی ہے۔ حافظے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا کوئی بات مآخذ سے رجوع کیے بغیر نہ کہی جائے۔

مزید یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مقالہ کے لئے موضوع کا انتخاب طالب علم کے لئے بہت مشکل مرحلہ ہوتا ہے، کیوں کہ اکثر و بیشتر تحقیق کار کے ذہن میں یہ چیز ہوتی ہے کہ اس کا وہ موضوع، جس پر وہ لکھنے جا رہا ہے یا جس کو وہ منتخب کر چکا ہے اس پر پہلے ہی بہت لکھا جا چکا ہے۔ فی الواقع یہ خیال بالکل غلط ہے۔

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی بھی موضوع یا عنوان ایسا نہیں ہے جس میں تحقیق کا مکمل حق ادا ہو چکا ہو اور اب اُس پر مزید تحقیق نہ ہو سکتی ہو۔ بایں ہمہ اساتذہ کرام ہمیشہ طالب علم کو موضوع کے انتخاب میں کلی اختیار دیتے ہیں، اس لئے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے لیکچرز میں حاضر رہے اور متعلقہ مضمون کے تمام محقق اساتذہ کے ساتھ گہرا رابطہ رکھے، ان سے ہم مجلس ہو کر کسی موضوع کو زیر بحث لائے تو یقیناً اس کے سامنے کئی ایسے پہلو آئیں گے جو وسیع و عمیق مطالعہ کے مستحق ہوں گے وہ انہی میں سے اپنے مزاج و حالات کے مطابق موضوع منتخب کر لے۔

جو طالب علم صرف مقامی زبانوں سے آشنا ہے اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ایسا موضوع منتخب کرے جس سے متعلقہ مواد مقامی زبانوں میں میسر ہو، تاکہ اس کے

متعلق جملہ تحریرات کا اپنی زبان میں مطالعہ کر سکے، اس کے علاوہ انتخاب موضوع کے ساتھ وقت کا بھی گہرا تعلق ہے، جب طالب علم کے لئے مدت معینہ میں مقالہ سے فارغ ہونا ضروری ہو تو اسے ایسا موضوع منتخب کرنا چاہئے جس سے مطلوبہ مدت کے اندر اندر فارغ ہو جائے۔(2)

تحقیق یا مقالہ کے موضوعات کے انتخاب کے بارے میں ایک اہم اصول:

مجموعی طور پر محقق یا مقالہ نگار یہ بات ذہن میں مکمل طور پر جاگزین کر لے کہ موضوع کا انتخاب اس نے خود کرنا ہے اس کے لئے علماء کرام، اہل علم، سکالرز اور اساتذہ کرام سے مدد، مشورہ اور معاونت تو ضروری مراحل ہیں لیکن اگر وہ یہ سمجھے کہ گھڑا گھڑایا، مکمل، کامل واکمل موضوع اسے کہیں سے میسر آجائے تو یہ ناممکنات میں سے اور محقق کی شان کے خلاف ہے۔

اکثر طلبہ و مقالہ نگار مختلف یونیورسٹی یا اداروں کے اساتذہ، علماء کرام، ماہرین یا سکالرز کے پاس جا کر ان سے گذارش کرتے ہیں کہ ہم ایم اے، ایم فل یا مزید اعلیٰ تحقیق کرنا چاہتے ہیں ہمیں کوئی عنوان بتائیں جس پر ہم تحقیق کر کے ڈگری لے سکیں۔ یہ طریقہ بالکل اور قطعاً غیر مناسب اور اسلامی تحقیقی اصولوں سے متصادم ہے۔ اس رویہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ طالب علم یا محقق یہ سمجھتا ہے کہ شاید اس ادارہ یا یونیورسٹی میں موضوعات یا عنوانات کی دکان کھلی ہے جس میں اس جنس کا بہت مال سٹاک کی صورت میں موجود ہے۔ اور وہ سکالر یا استاد اس دکان میں سے مقالہ نگار کی حسب منشا موضوع اٹھا کر اسے مہیا کر دے گا۔ طالب علم، محقق یا تحقیق نگار کو موضوع منتخب کرنے کے لئے خود محنت کرنی پڑے گی۔ اس طرح تلاش موضوع کے تین مراحل ہیں۔(3)

انتخاب موضوع کے تین مراحل: 1- پہلا مرحلہ

تحقیقی موضوع کے انتخاب کے لئے پہلے قدم یا پہلے مرحلہ کے طور پر طالب علم یا

محقق اپنی صلاحیتوں کو ٹٹولے اور پھر اپنے ذہنی رجحان کا جائزہ لے، علوم اسلامیہ میں سے جس علم کی طرف اس کا ذہن اور طبیعت زیادہ مائل ہو اس علم کا عمومی یا کم از کم سطحی مطالعہ کر کے دیکھے کہ اس علم کی کس شاخ میں اس کے لئے زیادہ کشش ہے، پھر اس شاخ یا ذیلی علم کے بارے میں مزید مطالعہ کر کے دوسرے قدم کا آغاز کرے۔

2-دوسرا مرحلہ

دوسرا قدم یا دوسری سیڑھی یا مرحلہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس مطالعہ کا نچوڑ اپنے فطری و ذہنی میلان کی تفصیل کے ساتھ کسی ماہر استاد، عالم دین، سکالر یا کسی مشاق محقق کے سامنے رکھ کر ان سے گزارش کرے کہ اس علم کی فلاں ذیلی شاخ کا میں نے کچھ حد تک مطالعہ کر کے یہ نتائج اخذ کئے ہیں اور اب میں اس پر تحقیق کرنا چاہتا ہوں لہٰذا اس سلسلہ میں میری معاونت فرمائیں۔ پھر بحث و تمحیص اور اس علم یا ذیلی شاخ کے مکمل علمی احاطہ کے بعد کسی ایک موضوع پر دونوں متفق ہو سکتے ہیں۔

مثلاً وہ محقق یا مقالہ نگار یہ دیکھے کہ اس کا ذہن قرآنیات کی طرف مائل ہے یا حدیث، فقہ، علم الکلام، تاریخ اسلام، اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات، سیرت النبی ﷺ ادب اسلامی یا کس علم کی طرف مائل ہے۔ پھر اس علم کی مختلف شاخوں کا جائزہ لے۔ اگر وہ فقہ کی طرف مائل ہے تو اصول الفقہ یا اس کے ذیلی موضوعات، فقہ اور اس کے متعدد ذیلی موضوعات میں سے کس کی طرف اس کا ذہنی رجحان زیادہ ہے یہی صورت تاریخ اسلام کی متعدد اقسام اور ان کے مزید ادوار کی ہے۔ لہٰذا موضوع کے انتخاب کے موقعہ پر ذہنی میلان بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

3-تیسرا مرحلہ

اب اس مرحلہ کی تیسری سیڑھی یہ ہے کہ وہ موضوع جس کو وہ متعدد اہل علم سے مشورہ کر کے منتخب کر چکا ہو اور اُس کے بارے میں مشاورت کے بعد اُس کا دل مطمئن ہو

چکا ہو، اُس موضوع یا عنوان کے بارے میں کسی اور ادارہ یا یونیورسٹی کے اساتذہ یا محققین وعلماءِ کرام سے بھی رائے حاصل کرے۔ اگر بیرونی ماہرین بھی اُس کے موضوع سے متفق ہیں تو وہ عنوان ایک بہترین موضوع ہے۔ وہ عنوان اب تحقیقی مقالہ لکھنے کے قابل شمار ہو گا۔ گویا کہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس مرحلہ میں محقق یا مقالہ نگار کی کوششیں 75% اور بقیہ ماہرین کی مساعی 25% ہوتی ہیں۔ اس مرحلہ میں ان کوششوں کے نتیجہ میں جو موضوع یا عنوان مقالہ منتخب ہو جائے گا۔ وہ تحقیقی اصولوں پر بھی پورا اترے گا اور محقق یا مقالہ نگار کے لئے بھی تحقیق کے آئندہ مراحل میں سودمند اور آسان ہو گا۔(4)

انتخابِ موضوع سے قبل سات اہم ترین غور طلب امور:

پاکستان کے معروضی حالات میں آج کل اعلیٰ تعلیم (ہائر سٹڈیز) کے طالب علم کو انتخاب موضوع سے قبل تحقیقی امور کو سیکھنے کے لئے دو سے چار سمسٹر تک کورس ورک مکمل کرنا پڑتا ہے۔ اس عرصہ میں تحقیق سے متعلق وہ تمام امور جو اس کتاب میں مذکور ہیں پڑھائے جاتے ہیں۔ اسی دوران ہی انہیں موضوعِ مقالہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہدایات دی جاتی ہیں۔ طلبہ کو یونیورسٹی یا متعلقہ ادارہ کی طرف سے یہ ہدایت بھی کی جاتی ہے کہ وہ اسی کورس ورک کے دوران اپنے موضوعِ مقالہ کا انتخاب کر لیں اور اس سلسلے میں اساتذہ سے مشورے کے بعد اُس کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

اسلامی علوم کے ماہرین نے موضوع کے انتخاب سے پہلے خالص تحقیقی نقطہ نظر سے ان سات اہم امور پر غور کرنا ضروری قرار دیا ہے:

1۔ کیا موضوع اس لائق ہے کہ اس پر تحقیق کی جائے؟ کیونکہ تحقیق کا مقصد کوئی نئی حقیقت پیش کرنا یا نئی بات کہنا ہے۔ چبائے ہوئے نوالوں کو پھر پھر چبانا یا کسی کے اگلے ہوئے نوالے کی جگالی کرنا تحقیق نہیں تقلید ہے۔

2۔ کیا اس موضوع پر تحقیق مکمل ہو سکتی ہے؟ اس موضوع پر مواد ملنے کے امکانات ہیں

یا نہیں؟ اگر موضوع بہت عمدہ ہے لیکن اُس سے متعلق مواد کا حصول مشکل ہے تو تحقیقی منصوبہ نا کام ہو جائے گا۔

3۔ اس کے علاوہ اس امر کا خیال رہے کہ موضوع نیا اور اہم ہو مکھی پر مکھی نہ ماری جائے۔ تحقیق شدہ موضوع پر کام کرنے سے نہ علم میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ محقق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ صرف ایسے موضوع کا انتخاب کیا جائے جس پر اب تک کچھ نہ لکھا گیا ہو۔ یا بہت کم لکھا گیا ہو۔ اسلامی اصولوں کے مطابق علم کی کوئی حد نہیں مزید اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو محدود یعنی قلیل علم دیا ہے اور کسی محقق کی تحقیق کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کوئی کتاب یا مقالہ حرف آخر نہیں ہو سکتا۔ موضوع میں نئے نئے زاویے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے ایسے موضوع کا بھی انتخاب کیا جا سکتا ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ البتہ اسی موضوع کے نئے پہلو کو پیش کیا جا سکتا ہے، نئے زاویہ نگاہ سے تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اس طرح پرانے موضوع میں بھی جدت پیدا کی جا سکتی ہے۔(5)

4- تحقیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے علم وفن کو ترقی دینا ہے۔ اس لئے تحقیق علم میں بے شمار چھوٹے چھوٹے اضافے کر کے انسانی بہبود میں حصہ لیتی ہے۔ محقق میں چیونٹی کی بعض خصوصیات ہوتی ہیں جو اپنے ڈھیر پر ایک دانا کا اضافہ کرتی ہے۔

جس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہو اور آسانی سے مواد مل سکتا ہو اس کے انتخاب سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ مواد کی کثرت ہو گی تو اس کا ترتیب دینا اور نتیجہ اخذ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر یہ ہو بھی جائے تو نا تجربہ کاری کی وجہ سے اس میں جدت پیدا کرنا مشکل مرحلہ ہے۔ ایسے موضوع سے بھی بچنا چاہئے جس کے لئے مواد کی فراہمی کے امکانات کم ہوں۔ اس کے علاوہ موضوع بہت وسیع و بسیط نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو محدود طاقت عطاء کی ہے۔ وسیع موضوع کی صورت میں

اس کا ایک جزء تحقیق کے لئے منتخب کرنا بہتر ہوگا۔ بہت محدود موضوع کا انتخاب بھی مناسب نہیں۔

5- ہر موضوع اس قابل نہیں ہوتا کہ اس پر ریسرچ کی جائے اس لئے ہونہار طالبعلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا جاندار موضوع منتخب کرے جسے نہ صرف ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا جا سکے بلکہ بعد میں اسے قارئین کے لئے منظر عام پر لاتے ہوئے بھی فخر محسوس ہو۔ موضوعات کے انتخاب سے طلبہ کا مقصد صرف ڈگری کا حصول نہ ہو، کیونکہ مقالہ تیار کرنا یا ڈگری حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں اور نہ ہی یہ اصل مقصد ہے۔ بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ایسا موضوع قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے جو مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تقاضوں کو پورا کر رہا ہو، بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کا باعث بنے اور محقق کے لئے اُخروی زندگی میں کامیابی کا باعث بھی ہو مزید وہ اس کی دنیا و آخرت دونوں سنوارے اور مطالعاتی زندگی کی بہترین یادگار ہو۔ اس میں صرف کئے گئے وقت اور مشقت کا خاطر خواہ نتیجہ ہو اور وہ مقالہ علمی و نظریاتی زندگی کا عملی زندگی کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا مرکز ومحور ہو، جسے عملی زندگی میں اپنایا بھی جا سکے مثلاً تدریسی میدان میں اس موضوع پر لیکچر دیئے جا سکیں، اگر موضوع، سائنس یا انجینئرنگ سے متعلق ہو تو کسی کارخانے یا تجربہ گاہ میں کام آسکے۔(6)

6- کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ موضوع تو مفید اور شائستہ ہوتا ہے لیکن اس سے متعلق مواد اتنی مقدار میں میسر نہیں آتا جو مقالہ کے لئے کافی اور شافی ہو یہ موضوع کسی علمی مضمون کی حیثیت سے کسی علمی جریدہ میں شائع تو کیا جا سکتا ہے لیکن بطور مقالہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

7- طالبعلم کی ذاتی کیفیت اور حالت بھی بہت اہم ہے جس میں اس کی زیر دسترس زبانیں شامل ہیں، اس کام کے لئے وقت اور اس کی مالی سکت بھی شامل ہے، کیوں

کہ جو طالب علم مختلف زبانیں نہیں جانتا وہ ایسے موضوع میں کامیاب نہیں ہو سکتا جس پر مختلف زبانوں میں خامہ فرسائی کی گئی ہو، جیسے اسلامیات میں شیعہ اور غلاموں وغیرہ کے موضوع ہیں۔(7)

موضوع مقالہ کے سلسلہ میں محقق کی ذاتی دلچسپی معلوم کرنے کے طریقے:

مقالے کے موضوع کے سلسلہ میں آپ کی ذاتی دلچسپی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں موضوع آپ کی دلچسپی کا ہے اور اس کے مطالعے سے آپ اکتا نہیں جائیں گے۔اسے آپ عموماً اِن چھ ذرائع سے جان سکتے ہیں:

1- کسی وقت آپکو کسی الجھن یا مسئلے کا تفصیلی حل جاننے کی ضرورت پیش آئی۔آپ اس پر غور کرتے رہے، اس الجھن کی پھانس ابھی تک آپ کے دل میں اٹکی ہوئی ہے لیکن آپ عدم فرصت یا عام حالات میں کتابوں کی عدم دست یابی یا کسی اور وجہ سے اس کا تفصیلی مطالعہ نہیں کر سکے، اسی کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائیے۔

2- آپ کالج، یونیورسٹی میں کوئی خاص مضمون پڑھاتے ہیں، مثلاً تقابل ادیان، فقہ، تاریخ اسلام، عقیدہ، قرآنیات یا حدیث وغیرہ۔اسی مضمون سے متعلق کسی عنوان پر کام کیجئے۔

3- کسی خاص موضوع پر کام کرنے کو آپ اپنے منصب کی ترقی یا عزت میں اضافے کا باعث سمجھتے ہیں یا آپ کے خیال میں اس موضوع پر آپ اندرون ملک اور بیرونی دنیا میں سند کی حیثیت حاصل کر لیں گے اور ملکی و غیر ملکی ادارے آپ کی علمیت سے استفادہ کریں گے۔تو اسی موضوع کو زیر بحث لائیے۔(8)

4- آپ نے کبھی اپنے ذاتی مطالعہ کے دوران کسی موضوع کو تحقیق طلب پایا یا کسی موضوع میں آپ کی دلچسپی بہت بڑھ گئی تو اُسے موضوعِ تحقیق بنائیں۔

5- آپ نے کبھی کسی موضوع پر کوئی تفصیلی مضمون، شُذرہ، ایم اے، بی ایس کا مقالہ یا کوئی نیم تحقیقی مقالہ لکھا ہو اور اُسے فنی و موضوعاتی لحاظ سے کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہو اُسے اب موضوعِ تحقیق بنائیں۔

6- آپ کالج یا یونیورسٹی میں اپنے اساتذہ سے مختلف مضامین پڑھتے ہوئے کسی ایک خاص مضمون میں کافی دلچسپی لیتے رہے ہوں۔ اُس مضمون سے اپنا موضوع تلاش کریں۔

موضوع کے انتخاب میں ذاتی رجحانات اور تعصّبات سے اجتناب:

گزشتہ سطور کی تفصیل کی روشنی میں ہم یہ کہیں گے کہ طالب علم ایسا موضوع منتخب نہ کرے جس کے حق میں یا جس کے خلاف وہ تعصب رکھتا ہے، مثلاً اشتراکی نظریات کا حامل ایسا اقتصادی موضوع قطعاً منتخب نہ کرے جس کی حمایت سرمایہ درانہ نظام کر رہا ہو، کیوں کہ اس قسم کے موضوعات میں طالب علم علمی امانت اور اسکے خلاف اٹھنے والے ذاتی رجحان کے مخمصہ میں پڑ جاتا ہے، اور یہ امر باقاعدہ تحقیقی عمل میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ اور آپ تیسرے باب کے آخری عنوان ''محقق کی خاص خصوصیات'' میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ محقق غیر جانب دار اور جرأت مند ہونا چاہیے۔

جس طرح ایک طالب علم اپنے عقیدہ اور ذاتی رجحانات کے خلاف موضوع کو نہیں اپنا سکتا اس طرح اسے ان موضوعات سے بھی گریز کرنا چاہیے، جن کے بارے مین اس کا ذہنی رجحان اسے مخصوص خیالات کی جانب لے جائے لہٰذا اسے اپنے والد جو عالم، اسکالر یا سیاسی لیڈر رہوں ان کے متعلق مقالہ پیش نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اندیشہ ہے وہ ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرے گا اور ان کی خوبیوں کی تصویر کشی میں مبالغے سے کام لے گا۔ اسی طرح جس شخصیت کے ساتھ طالب علم کا ذہنی اور جذباتی لگاؤ ہو یا اِسی درجہ کی مخالفت ہو اس پر بھی کام نہیں کرنا چاہیے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ جب طالب علم اپنی ذات کو ہر قسم کے میلان سے بالاتر رکھے اور اپنے کام کو نقاب کشائی اور آزادانہ تحقیق کے پیدا کردہ نتائج کا برملا اظہار کرنے کیلئے ہر قسم کے اثر پہلو سے تہی دامن ہو کر شروع کرے اور حالات بھی اس کے لئے سازگار ماحول مہیا کر دیں تو ایسی صورت میں مذکورہ بالا ممنوعہ موضوعات میں سے بھی کوئی موضوع اختیار کر سکتا ہے۔

مالی اور دوسرے حالات کا انتخاب موضوع سے تعلق:

اسلامی اصولوں کے مطابق بسا اوقات مالی استطاعت کا بھی انتخاب موضوع میں کافی دخل ہوتا ہے، مثلاً جب مطالعہ کے لئے دور دراز کے کئی علاقوں مین رہنا پڑے یا دور افتادہ لائبریریوں سے قلمی نسخوں کی فوٹو کاپیاں منگوانی مقصود ہوں یا کچھ ایسے مراجع خریدنے کی ضرورت ہو، جو عام لائبریریوں میں میسر نہ ہوں ایسے حالات میں اگر طالب علم کے مالی وسائل ناکافی ہوں تو اس قسم کا موضوع اس کے لئے نامناسب ہوگا۔ مخصوص مراجع یعنی کتب بسا اوقات طالب علم کو مخصوص موضوع منتخب کرنے پر بھی آمادہ کر سکتے ہیں، مثلاً طالب علم کے پاس یا اس کے خاندان میں کوئی ایسی لائبریری موجود ہو جو کافی تعداد میں ایک ہی موضوع سے متعلق کتب پر مشتمل ہو، جیسے بعض ہندوستانی طلبہ جن کا رجحان اسماعیلی فرقہ پر ریسرچ کرنے کی طرف ہو، تو اس پر انہیں کام کرنا چاہئے کیوں کہ ہندوستان میں بکثرت ایسے علماء موجود ہیں جن کے پاس اس موضوع سے متعلق کتب پر مشتمل ذاتی لائبریریاں ہیں، اسی طرح جب کوئی طالب علم ایسا قلمی نسخہ حاصل کرے جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو اور اس میں جدید معلومات بھی موجود ہوں تو یہ چیز طالب علم کے لئے ان جدید و مفید معلومات سے متعلق عنوان منتخب کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔(9)

عنوان یا موضوع تحقیق کے سلسلہ میں خلاصہ اور دس اہم امور:

طالب علم کو سابقہ ہدایات کے علاوہ مزید درج ذیل امور بھی اچھی طرح ذہن نشین رکھنے چاہئیں۔

1- علوم اسلامیہ ایک وسیع علمی میدان ہے اور اس کے ہر علم میں تحقیق کے دروازہ کھلے ہیں کوئی علم بھی ایسا نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں مزید تحقیق کی ضرورت نہیں مثلاً یہ کہا جائے کہ اب تک قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر لکھی جا چکی ہیں لہٰذا مزید تفاسیر لکھنے کی ضرورت نہیں، بالکل غلط ہے یہی صورت حال فقہ، تاریخ، حدیث اور علوم حدیث اور تمام علوم کی ہے۔

2- جس موضوع یا عنوان کا انتخاب ہو وہ نیا ہونا چاہئے پرانے تحقیق شدہ موضوعات کو نیا نام دے کر ان پر تحقیق کرنا سودمند نہیں اور اس کو علمی میدان میں مکھی پر مکھی مارنا کہتے ہیں لہٰذا موضوع جدید ہو عربی کا محاورہ ہے ''کل جدید لذیذ'' ہر نئی چیز لذید ہوتی ہے۔

3- موضوع محقق کی ذہنی سطح اور علمی میلان سے مطابقت رکھتا ہو۔ تھوڑی ذہنی سطح کے حامل بڑے بڑے بھاری بھرکم موضوعات نہ لیں عام سطح کا موضوع لے کر اس پر اپنی تحقیقات مکمل کریں۔ اسیطرح اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے حامل عام موضوعات کا انتخاب نہ کریں ورنہ ان کی صلاحیتیں ماند پڑ جانے کا خطرہ ہے۔

4- موضوع بہت مشکل نہ ہو کہ کوئی اسے سمجھ ہی نہ سکے اور آخر میں خود مقالہ نگار بھی اس موضوع کے ادراک سے عاجز ہو جائے، آسان اور واضح الفاظ کا موضوع، عنوان بہت مناسب ہوتا ہے، جسے بعد میں عام قاری بھی سمجھ کر اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

5- موضوع بہت طویل تحریر کا حامل نہ ہو کہ ہزاروں صفحات پر محیط ہو۔ بلکہ مختصر اور جامع

ہو اور چند صد صفحات میں اس کی حقیقت کو سمویا جا سکے۔

6- موضوع ایسا ہو کہ اس سے متعلقہ مواد کتب یا کسی اور صورت میں آسانی سے محقق کو دستیاب ہو سکے اور اس کی دسترس سے باہر نہ ہو مثلاً اگر انڈونیشیا یا ملائیشیا کے مروجہ نظام زکاۃ پر تحقیق کرنی ہو تو یہ تحقیق پاکستان کے دیہاتی علاقہ میں رہنے والے مقالہ نگار کے لئے بہت مشکل ہے اس لئے ایسے موضوع کا انتخاب کریں جس کا مواد آپ کو اپنے گھر کے یا ادارہ وغیرہ کے قریب مل سکے۔

7- موضوع حالات حاضرہ سے مطابقت رکھتا ہو۔ یعنی موضوع ایسا ہو جس پر تحقیق دور حاضر کے مسلمانوں اور بقیہ انسانوں کے لئے بھی سودمند ہو۔ مثلاً (کتب سماوی میں افلاک کا تصور) یا (قدیم مذاہب میں نجات کی راہوں کا جائزہ) اس قسم کی تحقیق چھپنے کے لئے نہیں بلکہ چھپانے کے لئے ہوتی ہے کیونکہ وہ دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور نہ ہی عوام الناس کے لئے استفادہ کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے موضوع ایسا منتخب کریں کہ تحقیق مکمل ہوتے ہی وہ بازار میں کتاب کی صورت میں شائع ہو کر دھڑا دھڑ فروخت ہونے لگے، لوگ اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہوں اور محقق کے لئے دنیوی و آخروی نجات کا باعث بنے

8- موضوع اگر ایسا ہے کہ جو آپ ایم اے یا ایم فل کی سطح پر منتخب کر رہے ہیں تو وہ ایسا ہو کہ اس پر آپ اپنی مزید اعلیٰ تحقیق بھی جاری رکھ سکیں۔ یعنی ڈاکٹریٹ، پوسٹ ڈاکٹریٹ کی تحقیق کی بھی اس موضوع میں گنجائش ہو تاکہ محقق کا کسی ایک علمی میدان میں تخصص اور مہارت برقرار رہے۔

9- موضوع کسی زندہ شخصیت سے متعلق نہ ہو کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ آپ اپنی ساری کوششیں صرف کر کے اس شخصیت کے ایک علمی انداز کو واضح کریں اور بعد میں معلوم ہو کہ اس نے اپنے سابقہ علمی انداز کو چھوڑ کر نیا انداز اختیار کر لیا ہے، تو سابقہ تحقیق کی اہمیت حتمی نہیں رہے گی اس لئے کسی شخصیت پر جامع تحقیق اس کی

وفات کے بعد ہو سکتی ہے۔

10- موضوع ایسا منتخب کریں کہ جس سے دور حاضر کی نسلیں بھی فائدہ اٹھائیں اور پھر قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے بھی وہ مشعل راہ اور حوالہ جاتی کتاب یعنی مراجع کی حیثیت اختیار کر لے۔

ان دس امور کو مدنظر رکھ کر اگر کوئی محقق یا مقالہ نگار موضوع یا عنوان مقالہ کو منتخب کرنے کو کوشش کرے گا تو کافی امید ہے کہ وہ بہترین موضوع تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔(10)

حوالہ جات

پانچواں باب

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن 72-73

۲۔ احمد شلبی۔ کتاب سابقہ /67

۳۔ ایم سلطانہ بخش۔ اردو میں اصول تحقیق۔ اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان 1986ء، 63-64

۴۔ تبسم کشمیری۔ ادبی تحقیق کے اصول۔ اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان 1992ص

۵۔ ڈاکٹر گیان چند۔ حوالہ سابقہ /77-78

۶۔ احمد شلبی۔ کیف تکتب بحثاً /65

۷۔ حوالہ سابقہ /68

۸۔ تحقیق نگاری (کوڈ۔714) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی /17

۹۔ حوالہ سابقہ /66

۱۰۔ اصول تحقیق /120

چھٹا باب:

تحقیقی مقالہ کی تعریف، خصوصیات ومقاصد اور خاکہ سازی

فصلِ اول

تحقیقی مقالہ کی تعریف، خصوصیات اور مقاصد

1- مقالہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

جس طرح آپ سابقہ ابواب میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسلام میں تحقیقی عمل ایک عبادت کا درجہ رکھتا ہے: اس لئے یہ عمل بامقصد اور فائدہ مند ہونا چاہئے۔ اس کے مطابق کسی تحقیقی عمل کا ماحصل، آخیر یا انجام تحریری رپورٹ، مضمون یا دور حاضر کی ایڈوانس ایجادات کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر کسی اور ٹھوس چیز کی صورت میں مرتب کرنا ہوگا۔ صرف قولی طور پر نتائج پیش کر دینا مکمل تحقیق نہیں۔ اس رپورٹ وغیرہ کو مقالہ کہا جاتا ہے۔ لفظ مقالہ کا مادہ قال، یقول ہے، اسکے حروف اصلیہ تین، ''ق۔و۔ل'' ہیں یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بھی مروج ہے۔ کسی موضوع پر تحقیقی اصولوں کے مطابق تحریر کئے گئے بڑے اور جامع مضمون کو اردو یا عربی میں مقالہ کہا جاتا ہے عربی زبان میں اس کو''مقال'' میم کی زبر کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے ''Thesis'' یا ''Research Thesis'' کہا جاتا ہے۔ اردو یا عربی میں لغوی طور پر اس سے مراد کلام، قول یا کتاب کا کوئی حصہ ہے۔

اصطلاحی طور پر اس سے مراد محقق یا مقالہ نگار (/Research Worker Researcher) کا کسی موضوع سے متعلق وہ جامع مضمون ہے جسے وہ مسلسل آگہی اور مکمل کوشش کے بعد مروجہ تحقیقی اصولوں کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے مزید وہ مضمون تخیل سے لے کر مرتب و مدون شکل تک مع نتائج و سفارشات اور مختلف دلائل و براہین کے ساتھ جملہ مطالعاتی پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔(1) اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مقالہ بھی اقسام کتب میں سے ایک قسم شمار کی جاسکتی ہے لیکن اس میں اور کتاب میں کافی فرق ہے۔ گویا کہ مقالہ کسی خاص موضوع، عنوان یا اس کے کسی مخصوص حصہ سے متعلق کسی محقق کی طرف سے تحقیقی اصولوں کے مطابق جامع رپورٹ تیار کرنا یا تیار کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ جس میں موضوع سے متعلق معلومات اور جملہ مواد کی پیش کش، ان کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ، نتائج اور سفارشات کا ذکر بہت اہم ہوتا ہے۔

اس رپورٹ (مقالہ) کی اہمیت کا انحصار کئی عوامل پر ہے لیکن ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ دوران تحقیق طالب علم کا مقصد متعینہ مسئلہ کی حقیقت سے نقاب کشائی ہو جیسے ہی اس مقصد میں کامیاب ہو اس کا اظہار کر دے خواہ وہ اس کے ذاتی رجحانات کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔

تصنیف (کُتب) اور تحقیق میں فرق:

مقالہ تحریر کرنا یا مقالہ نویسی ایک تحقیقی عمل ہے۔ اِس میں مروجہ تحقیقی اصولوں کی پاسداری از حد ضروری ہے لیکن کتاب لکھنے میں مصنف کا تحقیقی اصولوں کو مکمل طور پر مدنظر رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ آپ ایک ہی موضوع پر تحریر شدہ کتاب اور تحقیقی مقالہ کے مابین فرق آسانی سے پہچان سکتے ہیں، مثلاً ایک مصری باشندہ سامی الکیانی نے مصر کے ایک سابقہ نابینا معروف ادیب طہٰ حسین کے متعلق ایک کتاب بعنوان "مع طہٰ حسین" 1952ء میں لکھی۔ ایک اور انگلش طالب علم Pierre Cashia نے جامع ایڈنبرہ سے 1951ء

میں ایک مقالہ (Thesis) بعنوان ''طہٰ حسین'' لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہر دو تصنیفات کا مطالعہ کرنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ سامی کیانی نے ہر سطر میں طہٰ کی مدح کی ہے ہر جملے میں اس کا دفاع کیا ہے اور اپنی کتاب کے صفحات کو (طہٰ کے لئے) آزاد مفکر اور عظیم انشاء پرداز جیسے توصیفی وستائشی الفاظ کے ساتھ بھر دیا ہے۔ ان کی آراء وافکار کی مخالفت یا تنقید پر ایک سطر بھی نہیں لکھی لہٰذا یہ ایک کتاب تو ضرور ہے، لیکن تحقیق نہیں کہلائی جا سکتی۔ جب کہ Pierre Cashia نے تحقیق وتبصرہ، تعریف وتنقید، مدح وذم اور اتفاق واختلاف جیسے تمام پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے جنہوں نے ان کے کام کو تحقیقی مقالہ (Thesis) بنا دیا ہے۔ اور اسے کامیابی سے ہم کنار کیا ہے۔ لہٰذا کتاب میں مکمل تحقیق اصولوں کو اپنانا ضروری نہیں ہوتا لیکن مقالہ میں ان اصولوں کی پاسداری از حد ضروری ہوتی ہے۔ (2)

مناظرہ اور تحقیق میں فرق:

تحقیق اور مناظرہ میں کافی فرق ہے اول الذکر میں حقیقت واضح کی جاتی ہے مگر مناظرہ میں اپنے ذہنی رجحان کو ہر طریقہ سے منوانا ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کسی تاریخی مناظرے کا موضوع ''اسلام اور شورائیت'' طے کریں تو اس کے مؤید یعنی حامی کی جانب سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وشاورھم فی الامر'' سامنے آئے گا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنا ہوگا نیز خلفاء راشدین کی اپنے رفقاء سے بعض مشکل امور میں مشورہ کی مختلف صورتیں پیش ہوں گی۔ جبکہ مد مقابل ان مثالوں کی تاویلات کی تلاش میں ہوگا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال پیش کرے گا جو انہوں نے مانعین زکوۃ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے ان صحابہ کی مخالفت میں پیش کی تھی جنہوں نے ان مانعین زکوۃ سے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اور فرمایا تھا ''واللہ لو منعونی عقال بعیر کانوا یعطونہ لرسول اللہ ﷺ لقاتلھم علیہ'' (3) شوریٰ کے قائلین اس کے

جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اپنے موقف کے لئے نص پیش کررہے تھے اور نص کے مقابلہ میں اجتہاد اور مشورہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب کہ فریق مخالف اس کی تاویل وتوجیہہ کرے گا۔

علیٰ ہذا القیاس مناظرہ کرنے والا ہر فریق اپنے مخصوص نقطہ نظر کو ثابت کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے وہ اپنے موافق مواد جمع کرتا ہے اور فریق مخالف کے دلائل کو سبوتاژ کرنے کی راہیں تلاش کرتا ہے۔

اس کے برعکس اگر اسی موضوع ''اسلام اور شورائیت'' کو کسی مقالہ کے لئے منتخب کر لیا جائے تو طالب علم کا مطمع نظر ہمیشہ جو ہر حقیقی کی تلاش ہوگا اور ابتدائی طور پر اس کے سامنے کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہوگا، وہ مطالعہ کرے گا، مواد جمع کرے گا۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کرے گا، مختلف دلائل کا باہمی تقابل کرے گا تاکہ اس کا مطالعہ اسے امر واقعی تک پہنچائے، دریں اثناء وہ اپنے ذہنی رجحانات اور قلبی خواہشات کو دخل اندازی کا موقع نہیں دے گا گویا کہ اس کے مطالعہ کا مقصد کسی چیز پر دلائل قائم کرنا نہیں بلکہ اس کی حقیقت و اہمیت دریافت کرنا ہے، اس لئے اسے ان دلائل سے تجاہل عارفانہ نہیں برتنا چاہئے، جو اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کی مدد کررہے ہیں۔ اس بات کے لئے اسے تیار رہنا چاہئے کہ جیسے ہی اس کے سامنے اپنی مخصوص رائے جسے وہ پہلے سے اپنائے ہوئے ہے، تبدیل کرنے کے عوامل واسباب سامنے آجائیں وہ فوراً اپنی رائے چھوڑ دے گا چاہے اس رائے کی تبدیلی میں اسے کتنی ہی محنت یا مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ اور یہ مناظرہ اور تحقیق میں فرق ہے۔ (4) تحقیق میں یہی علمی روح ہے جو حقیقت کے پیچھے پیچھے چلنے کا تقاضہ کرتی ہے اور خواہشات ورجحانات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔

تحقیق اور مناظرہ کے فرق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی طالب علم کو ریسرچ کے لئے کبھی ایسا موضوع نہیں لینا چاہئے، جس کے اثبات یا نفی کی وہ پہلے سے نیت کئے ہوئے ہو، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے موضوع کو اپنائے جسے حاصل کردہ

دلائل کی روشنی میں رہ کر اثبات یا نفی تک پہنچا سکے، دلائل و براہین اسے ایسے نتیجہ کی طرف لے جا رہے ہیں جو تحقیق (Research) کے آغاز میں محقق کے ذہن میں نہ تھا، جو طالب علم ایسے موضوع کو اختیار کرتا ہے جس کے متعلق پہلے سے اس کا ایک خاص نقطہ نظر ہے تو وہ مناظر ہو گا محقق نہیں۔(5)

تحقیقی مقالہ کی آٹھ اہم خصوصیات:

کسی بھی مقالہ کی کامیابی و تکمیل مختلف خصوصیات پر منحصر ہے جن میں سے آٹھ بنیادی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

1- مقالہ نگار کا مطالعہ وسعت و گہرائی کا حامل ہو:

ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تحقیقی میدان میں خاطر خواہ مطالعہ کر کے تحقیق شروع کرے تا کہ اُس کے مقالہ سے اُس کے مطالعہ کی وسعت اور گہرائی چھلک رہی ہو۔اس وسعت و گہرائی کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم اپنے موضوع سے متعلق کی گئی ہر تحقیق کو پیش نظر رکھے اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے مطالعہ کے بعد اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کی کوشش کرے۔مزید اپنے مطالعہ کے ذریعے صحیح نتائج حاصل کرتے ہوئے اپنے موضوع سے متعلق تمام اہم جدید و قدیم علمی معلومات بھی سمیٹ لے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مقالہ کے آخری مرحلہ میں یعنی زبانی امتحان کے دوران اگر ممتحنین اس کے سامنے ایسی معلومات پیش کریں جو اس کی نظر سے نہیں گزریں اور ان دلائل کے باعث اس کی رائے تبدیل ہونے کے قابل ہے یا اس کے سامنے ایسے نظریات پیش کریں جو اس کے موقف سے بہتر ہوں اور انہیں دیگر محققین کے ہاں پذیرائی حاصل ہو چکی ہو تو طالب علم کو اپنے موقف یعنی تحقیق پر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس لئے مطالعہ میں وسعت کے ساتھ گہرائی بھی ہونی چاہیے۔

2- مقالہ کا موضوع دوراندیشی پر مبنی ہو:

اکثر و بیشتر طلبہ ایم اے یا مزید اعلیٰ تعلیم کے مقالہ کے لئے ایسے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں جو آگے چل کر جدید گہری اور وسیع تحقیق کے ساتھ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکیں مثلاً ایک طالب علم ایم اے میں ''علامہ اقبال کی اسلامی شاعری'' کے موضوع پر مقالہ پیش کرتا ہے، پھر ڈاکٹریٹ میں عصر عباسی کی خمریات (مے نوشیاں) کا موضوع اختیار کر لیتا ہے، یا ایم اے میں اندلس کے اموی حکمران عبدالرحمٰن ناصر پر مقالہ پیش کرتا ہے اور ڈاکٹریٹ میں عہد اموی میں اندلس کی اجتماعی حالت کو مقالہ کا موضوع بنا لیتا ہے۔ ان دو موضوعات میں دوسرا موضوع دوراندیشی پر مبنی ہے کیونکہ طالب علم نے ایک ہی موضوع کے مختلف اہم پہلوؤں پر دو مقالہ جات تحریر کئے اور دوراندیشی کو کام لاتے ہوئے مختصر محنت سے زیادہ منافع حاصل کر لیا۔

3- موضوع انسانی علم کے دائرہ سے ماوراء نہ ہو:

مزید براں قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ انسانی علم محدود ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ تمام تر علمی ترقیوں اور سائنسی تحقیقات کے باوجود بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن تک انسان کی رسائی ممکن نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے دائرہ علم میں آتی ہیں۔ قرآن کی یہ آیت اسی حقیقت کی شاہد ہے۔

ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا. (بنی اسرائیل :۵۸)

اور یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔ مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

اس لئے اسلام کی رو سے تحقیق یا تحقیقی مقالہ کے لئے ایسے موضوعات کو اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا جو انسان کے دائرہ علم سے باہر ہیں بلکہ ایسی باتوں کو تحقیق کا موضوع بنانا وقت

کا ضیاع ہوگا جو صرف خدائے تعالیٰ کے علم وادراک میں آتی ہے یا جن کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں علمی اعتبار سے پختہ لوگوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ متشابہات کی ادھیڑ بن میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے ان پر ''آمنا وصدقنا'' کہتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (آل عمران:7)

رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنہ کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بخلاف اس کے جو لوگ پختہ علم والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانشمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

سورہ نساء میں بھی اسی حقیقت کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے:

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا. (النساء :162)

لیکن راسخون فی العلم اور مومنین اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے اتارا گیا اور نماز قائم کرنے والے، زکوۃ ادا کرنے والے اور اللہ ویوم آخرت پر ایمان لانے والے۔ ان سب کو ہم

اجر عظیم عطا کریں گے۔

اسی اصول کے مطابق علماء کرام اور سکالرز قرآن کی تفسیر میں اشاری تفسیر، باطنی تفسیر اور مذموم عقلی تفسیر وغیرہ کو رد کر دیتے ہیں کیونکہ اس قسم کی تمام علمی کوششیں اسلامی تحقیقی اصولوں کے مطابق انسانی علمی دائرہ سے ماوراء ہیں۔

4- تحقیقی عمل قرآنی نقطہ نظر کے مطابق ہو:

تحقیقی مقالہ کے مختلف مراحل میں جہاں تک ماخذ تحقیق کا تعلق ہے اسلام میں اس ضمن میں قرآن کریم کو اولین اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ جس کا مطالعہ آپ پہلے باب میں کر چکے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ قرآن مجید سرچشمہ رشد و ہدایت اور منبع علوم و معارف ہے۔ بلا استثناء انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس سے متعلق اس عظیم کتاب میں رہنمائی کا سامان موجود نہ ہو۔ قرآن نے خود اپنے جو اوصاف بیان کئے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ سراپا ہدایت ہے۔ اس امتیازی وصف کو قرآن میں کہیں "ھدی للمتقین" "ھدی للمومنین" یا "ھدی للمسلمین" کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اور کہیں "ہدی للناس" کے عمومی انداز میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کتاب ہدایت سے نہ صرف یہ کہ مختلف سائنسی و سماجی علوم سے متعلق فکری مواد فراہم ہوتا ہے بلکہ حصول علم کے اصول و آداب اور مناہج تحقیق کی جانب اس سے رہنمائی بھی ملتی ہے۔ اس لئے کسی بھی موضوع پر تحقیقی کاوش یعنی مقالہ شروع کرتے وقت پہلے اس سے متعلق قرآن کا نقطہ نظر اور اپروچ معلوم کیا جائے۔ دوسرے یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم سے مواد کی تحقیق و تفتیش، نظریات و مفروضات کی جانچ، معلومات کی صحت و عدم صحت کی پرکھ اور واقعات کے تجزیہ و نتائج اخذ کرنے کے کیا اصول و ضوابط متعین ہوئے ہیں اور پھر ان کی روشنی میں تحقیقی کام کو آگے بڑھایا جائے اور تحقیقی مقالہ لکھا جائے گا۔ (6)

5- تحقیق انسانی فکر کے ذرائع سے حاصل شدہ ہو:

قرآن مجید میں یہ صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ سمع و بصر و قلب علم کے تین معروف ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (النحل ۷۸)

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ جانتے نہ تھے اور اُس نے تمہیں کان دیے اور آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے اس لئے تا کہ تم شکر گزار بنو۔

اس لئے قرآن میں تحقیقی مقالہ تحریر کرنے میں ان چیزوں کے پیچھے نہ پڑنے کا حکم دیا ہے جن کی جانکاری ان ذرائع کے صحیح استعمال سے نہ حاصل ہو۔ فرمان الٰہی ہے:

وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. (بنی اسرائیل:۳۶)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ کان اور دل سبھی کی باز پرس ہونی ہے۔

مزید براں قرآن کی نگاہ میں وہ لوگ گمراہ ترین ہیں جو ان ذرائع علم کو صحیح طور پر بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال نہ کر کے اپنے خالق و مالک کو پہنچاننے اور خود اپنی حقیقت کے ادراک سے قاصر رہتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن کا واضح بیان ملاحظہ ہو۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ. (اعراف:179)

ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں

ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں۔

اگر علم کے مرحلہ سے آگے بڑھ کر تحقیق کے میدان میں قدم رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں بھی یہی تین چیزیں حقائق تک پہنچنے یا کسی چیز کے ثابت کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ محقق اپنے خیالات و نظریات یا مباحثِ تحقیق کو ذاتی مشاہدہ و تجربہ کی روشنی میں ثابت کرتا ہے یا سمع و بصر کی مدد سے دوسروں کے مشاہدات و نتائج فکر سے اپنے لئے رہنمائی حاصل کرتا ہے اور پھر اپنے دل و دماغ کو استعمال کرتے ہوئے جمع کردہ مواد اور تجربات سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور تحقیق کا ماحصل پیش کرتا ہے۔ ان ذرائع کے علاوہ کسی اور ماورائی ذریعہ سے تحقیق قبول نہیں کی جائے گی۔ اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے ریسرچ و تحقیق کا مطلب یہ ہوگا کہ علم و تحقیق کے ان انسانی فکری ذرائع کو صحیح طور پر اور دیانت داری کے ساتھ استعمال کیا جائے خواہ تحقیق کے لئے مواد جمع کرنے کا مرحلہ ہو یا ان کا تجزیہ کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کی منزل ہو۔ اور ان تمام مراحل میں اس کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اس کی تحقیق کے ماحصل یا نتائج سے بنی نوع انسان کو فائدہ ہو رہا ہو مزید وہ مقالہ وغیرہ اس کے لئے دنیا و آخرت کا سرمایہ بن رہا ہو۔ (7)

6- تحقیق مواد کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہو:

تحقیق کے مآخذ اور تحقیقی عمل پر بحث کرتے ہوئے یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام میں ذرائع معلومات کی چھان بین کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے ان معلومات کی جانچ پرکھ پر خاص زور دیا ہے جو دوسروں سے سن کر یا روایۃ و نقلا حاصل ہوں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی بھی روایت یا خبر کو قبول کرنے سے قبل ان لوگوں کے اخلاق و کردار و عادت و سیرت کے بارے میں پتہ لگانا ضروری ہے جن سے یہ روایت یا خبر پہنچی ہو۔

قرآن کریم سے اس خبر کی چھان بین اور اس کی قبولیت میں حد درجہ احتیاط کی ہدایت ملتی ہے جس کا واسطہ بدکردار لوگ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ. (الحجرات 6)

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

تحقیقی مقالہ تحریر کرتے ہوئے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ نتائج تحقیق کی صحت کافی حد تک علم و تحقیق کے ذرائع کی چھان بین پر منحصر ہوتی ہے اس لئے اسلام کی رو سے وہی تحقیقی کام قابل اعتبار لائق اسناد ہوگا جو ذرائع علم کے ٹھیک ٹھیک استعمال اور مآخذ کے ناقدانہ استفادہ پر مبنی ہو۔

تحقیقی مقالہ میں مآخذ کے صحیح انتخاب اور ان کے ناقدانہ استعمال کے ساتھ دلائل و شواہد کو بھی خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ ''تحقیق'' کے اہم عناصر میں شامل ہیں۔ قرآن کریم کی نظر میں کسی بات کے ثبوت کے لئے دلائل و شواہد کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کوئی بھی دعویٰ بلا دلیل نہیں پیش کرتا بلکہ وہ ایک بات کے ثبوت میں ایک دو نہیں متعدد دلائل و شواہد مختلف اسلوب میں سامنے لاتا ہے۔ توحید، رسالت و آخرت سے متعلق آیات بالخصوص اس کی شاہد ہیں اسی طرح وہ اپنی دعوت کے مخالفین و معاندین سے بار بار مطالبہ کرتا ہے کہ ان کے اپنے مزعومات و نظریات کی تائید میں کوئی ثبوت یا دلیل ہو تو پیش کریں قرآن کریم کا یہ مطالبہ مختلف مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثال کے لئے ایک آیت ملاحظہ ہو:

قل ھا توا برھانکم ان کنتم صادقین. (البقرہ :111)

ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

7- تحقیقی مقالہ علمی وعقلی دلائل سے مزین ہو:

تحقیقی مقالہ میں دلائل وشواہد کی اہمیت کے بارے میں قرآن کا نقطہ نظر اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہ ثبوت وشہادت ہی کو علم سے تعبیر کرتا ہے۔ کفار ومشرکین کے بے بنیاد وباطل عقائد ونظریات کی علمی وعقلی انداز میں تردید کرتے ہوئے قرآن چیلنج کرتا ہے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ. (الانعام:148)

ان سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم (ثبوت) ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو تم محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر علمی دلائل اور شہادت وثبوت کے قرآن کی نگاہ میں علم وتحقیق کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مزید براں قرآن ان نظریات وخیالات یا تحقیق کو جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے یا جن کی تائید میں کوئی ثبوت ودلیل پیش نہیں کیا جاتا ''جہل'' سے تعبیر کرتا ہے یا انھیں محض ''ظن وتخمین'' کا نام دیتا ہے۔ مذکورہ آیت کے علاوہ اس آیت میں بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے:

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. (النساء :157)

اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں محض گمان ہی کی پیروی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں کسی چیز کے علم کے معیار تک پہنچنے اور اُسے تحقیقی رنگ دینے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دلائل وشواہد سے مزین ہو۔ اس سے

بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تحقیق کے لئے جو علم کی ترقی یافتہ شکل ہے میں علمی و عقلی دلائل وشواہد کی کس قدر اہمیت ہوگی۔

8- تحقیقی نتائج ٹھوس علمی بنیادوں پر قائم ہوں:

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی اصول تحقیق میں نہ صرف دلائل وشواہد کی فراہمی اہمیت رکھتی ہے بلکہ یہ بات بھی کچھ اہم نہیں ہے کہ کسی بھی موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے جو بھی شواہد دستیاب ہوں انھیں بلا کم وکاست سامنے لایا جائے اور اس میں کسی قسم کے اعراض دکتمان سے کام نہ لیا جائے خواہ کوئی ثبوت یا دلیل کسی امر میں محقق کے اپنے مفروضہ یا خیال کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔قرآن کریم میں نہ صرف حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی ممانعت آئی ہے بلکہ حقائق کی پردہ پوشی اور شہادت کے اخفاء کی بھی سخت نہی آئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے:

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

(البقرہ ۲:۴۲)

اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور حق کو نہ چھپاؤ دراں حالیکہ تم اس کا علم رکھتے ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ. (البقرۃ ۲:۲۸۳)

اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

قرآن کریم میں عدل وانصاف کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ تحقیقی مقالہ تحریر کرتے ہوئے شہادت کی فراہمی ٹھوس اور واضح علمی بنیادوں پر ہو اور اس

کے اظہار میں کسی قسم کی پہلو تہی نہ کی جائے اور نہ اس معاملہ میں اپنی پسندیدگی و ناپسندیدگی کو دخل دیا جائے۔ اس باب میں قرآن کریم کا موقف اتنا سخت ہے کہ وہ دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی اور غیر عادلانہ رویہ کو گوارا نہیں کرتا اور وہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ تحقیقی نتائج کو ٹھوس علمی بنیادوں کے مطابق مرتب کیا جائے اور اس عمل میں اظہارِ حق اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کسی شخص کی دشمنی آڑے نہیں آنی چاہئے۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. (المائدہ:۸)

اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دیتے رہو (تحقیقی عمل کے دوران) کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور اللہ سے ڈرو (یعنی تحقیقی میدان میں صرف حقائق کو آشکارا کرو)۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی تحریری مواد ثبوت یا شہادت محقق کے اپنے نقطہ نظر یا موقف کے بخلاف ہی کیوں نہ ہو اسے اپنے تحقیقی مقالہ میں منظر عام پر لانے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات اس سیاق میں کافی اہمیت رکھتی ہے کہ آج کل کے بہت سے محققین اپنے اختیار کردہ موضوع کے لئے مواد جمع کرنے اور شواہد کی فراہمی میں انتخابی طریقہ اختیار کرتے ہیں، یعنی ایسا مواد اکٹھا کرتے ہیں جس سے ان کی رائے کی تائید اور ان کے موقف کی حمایت ہوتی ہو، اپنے نقطہ نظر کے مخالف شواہد دلائل چھوڑ دیتے ہیں یا ان سے اعراض کر جاتے ہیں۔ دلائل و شواہد کے باب میں یہ "انتخابی رویہ"

یقیناً عدل وانصاف کے تقاضوں کے خلاف اور اسلامی اصول تحقیق کے منافی ہے اور اس سے تحقیقی مقالہ کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ جس کا مطالعہ آپ اِسی باب کے عنوان ''تحقیق اور مناظرہ کے فرق'' میں کر چکے ہیں۔(8)

2- تحقیقی مقالہ کی غرض وغایت اور مقصد

اسلامی اصولِ تحقیق میں یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تحقیق ہمیشہ بامقصد ہوتی ہے جس کا مطالعہ آپ پہلے باب کی فصل ثانی کے عنوان ''اسلامی اصول تحقیق کا پانچواں عنصر'' میں کر چکے ہیں، مزید تحقیقی مقالہ اور تمام تحقیقی کاوشیں چند نتائج پر منتج ہوتی ہیں۔ بعینہ اسلامی اصول تحقیق میں بھی تحقیقی مقالہ کے اغراض ومقاصد جامع اور ہمہ گیر اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں سرفہرست انسانی فلاح و بہبود اور کامرانی کا مقصد ہے اس کے علاوہ دوسرا تحقیق کی غرض و غایت میں مفید معلومات کا حصول اور تیسرا یقینی علم تک رسائی اور تحقیقی رجحان کا فروغ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- انسانی فلاح و بہبود:

انسانی فلاح و بہبود کا فریضہ علماء کرام اور مسلم سکالرز نے بہ خوبی سرانجام دیا ہے۔ مثلاً ائمہ حدیث نے ذاتی طمع ولالچ اور مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انسانیت کی فلاح و بہبود کے فرض کو ادا کیا۔ صحابہ کرام ذاتی شہرت و نام نمود اور ریاکاری کے لئے احادیث بیان نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ان کے پیش نظر رہتا تھا کہ:

''من طلب العلم ليبا هي به العلماء اوليماری به السفها اويريدان يقبل بوجوه الناس به ادخله الله جهنم.''(9)

(ترجمہ) جس نے علم (حدیث) اس لئے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ دیگر اہل علم کے سامنے فخر کرے یا بے وقوفوں کے سامنے اترائے یا یہ چاہے کہ لوگ اسے خوش آمدید کہیں۔ اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے تحقیق کے اس مقصد کو ایک تمثیل کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ روز قیامت علماء سے علوم وفنون اور محقیقن وطلباء سے تحقیقی مقالہ تحریر کرنے کی غرض وغایت کے بارے میں سوال کرے گا۔ اسے انسانی فلاح وبہبود اور رضائے الٰہی کے لئے استعمال کیا گیا یا محض ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر استعمال ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تزولا قدما عبديوم القيامة حتى يسال عن عمره فيما افناه و عن علمه ما فعل به وعن ماله من اين اكتسبه وفيما انفقه و عن جسمه فيما ابلاه".(10)

قیامت کے دن ہر انسان اپنی جگہ پر (اللہ کے حضور) کھڑا رہے گا جب تک اس سے یہ سوالات نہ پوچھ لئے جائیں گے کہ اس نے اپنی عمر کیسے گزاری؟ اپنے علم کو کہاں صرف کیا؟ اپنا مال کیسے کمایا؟ اور کسی مصرف پر لگایا۔ اور اپنا جسم کن کاموں میں کھپایا؟

حضرت علی نے علم حدیث کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"تعلمو العلم فلما تعلمتموه فاعظموا عليه ولا تشوبوه بضحك ولا بلعب".(11)

(ترجمہ) تم علم حاصل کرو، جب علم حاصل کرلو تو اس کی حفاظت کرو اور اسے ہنسی مذاق اور لہو ولعب میں ضائع نہ کرو۔

گویا اسلامی تحقیقی منہج متانت ووقار، حلم وبردباری حقیقت پسندی اور مقصدیت کو فروغ دیتا ہے جو کہ انسانی فلاح وبہبود کی ضامن صفات ہیں۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الدين النصيحة، لله و للرسول ولعامة الناس" (12)

(ترجمہ) کہ دین اللہ ورسول کے لئے اخلاص اور عام لوگوں کی خیر خواہی

کا نام ہے۔

2۔ مفید معلومات کا حصول:

تحقیق ایک بامقصد مفید معلومات کا حصول اور ان کی جانچ پڑتال ہے۔ علوم اسلامیہ میں پوری انسانیت کے لئے مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

خود محسن انسانیت ﷺ مفید علم کے حصول کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے آپ کی دعا کے الفاظ یہ تھے:

"اللھم انی اعوذبك من الاربع من علم لا ینفع ومن قلب لایخشع و من نفس لا تشبع و من دعاء لا یسمع" (13)

(ترجمہ) اے اللہ! میں چار چیزوں سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں ایسے علم سے جو نفع آور نہ ہو۔ ایسے دل سے جو (تجھ سے) نہ ڈرے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے:

"اغدو عالما اومتعلما اومستمعا ولا تکن الرابع فتھلك" (14)

(ترجمہ) تین قسم کے انسانوں: علم سکھانے والا یا طالب علم یا علم کی باتیں سننے والوں میں سے بننا چوتھی کوئی شخصیت نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ فرمان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کو پوری زندگی عمومی طور پر علم وفن کے حصول، ان کی تدریس یا علمی بات چیت کی سماعت میں صرف کر دینی چاہئے اور خصوصی طور پر تحقیقی مقالہ کی مساعی کا خاص مقصد متعین ہونا چاہیئے

3- یقینی علم تک رسائی:

تحقیقی مقالہ کا مقصد مفید معلومات کو جمع کر کے ان کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکالنا اور یقینی علم حاصل کرنا ہے۔ تحقیق انسان کو یقینی علم تک رسائی حاصل کرنے کی ترغیب دلاتی ہے یعنی تمام حقائق واضح اور ٹھوس انداز میں دو رنگی یا لگی لپٹی بغیر واضح کیئے جائیں۔ گویا کہ اس تحقیق کے ذریعہ یقینی علم تک رسائی ہو سکے۔ اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے اور ہر معاملہ میں یقین اور حقیقت کو روز روشن کی مانند واضح کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ رحمت دو عالمؐ نے کسی صحابی کو یہ دعا سکھائی۔

"امنت بكتابك الذى انزلت و نبيك الذى ارسلت"(15)

ترجمہ: میں تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے مبعوث کیئے ہوئے نبی پر ایمان لایا۔

صحابی نے غلطی سے نبیک کو رسولک کے لفظ کے بدل دیا جو کہ تقریباً مترادف وہم معنی لفظ تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے حکم دیا میں نے یہ نہیں کہا وہی کہو جو میں نے بتایا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس بات کی مکمل نگرانی کرتے تھے کہ صحابہ صحیح، حقیقی اور قطعی معلومات حاصل کریں یہاں تک کہ آپؐ الفاظ کی صحت کا بھی خیال رکھتے تھے۔

ایک حدیث کے مطابق ایک بدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اسے تین تین دفعہ وضو کے تمام ارکان و شرائط اور سنتیں عملی طور پر کر کے دکھائیں پھر فرمایا

"هكذا الوضوء فمن زاد على هذا فقد اساء وتعدى وظلم"(16)

ترجمہ: وضو، اس طرح ہوتا ہے پس جو اس پر کسی چیز کا اضافہ کرے گا وہ

برا کرے گا، زیادتی کرے گا اور ظلم کرے گا۔

اسی طرح حضرت عمرو بن عبسہ نے ایک مجلس میں سرکار دو عالم ﷺ کے وضو کی کیفیت بیان کی تو ابوامامہ بولے خیال کرو کیا اتنا کچھ ایک ہی نشست میں سکھایا جا سکتا ہے؟ اس پر حضرت عمرو بن عبسہ نے فرمایا۔

"اما واللہ فقد کبرت سنی دنا اجلی وما بی من فقر فاکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولقد سمعتہ اذ نای ووعاء قلبی من رسول اللہ"(17)۔

ترجمہ: دیکھو! اللہ کی قسم میں عمر رسیدہ انسان ہوں میری موت نزدیک آچکی ہے اور نہ ہی میں غربت کا شکار ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھوں۔ اس حدیث کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور حضور صلعم سے میرے دل نے یاد کیا ہے۔

یعنی میری سمعی و بصری اور قلبی قوتیں اس امر پر شاہد ہیں کہ یہ واقعی وہ علم یقینی ہے جو آنحضرت صلعم نے مجھے عطا کیا تھا۔

ان تینوں امور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی اصولِ تحقیق میں تحقیقی مقالہ مقصدیت کا حامل ہونا چاہیئے اور طالب علم یا محقق یہ بات ذہن میں رکھے کہ تحقیقی عمل کے آغاز سے پہلے مقالہ کے مقاصد کا تعین ضرور کر لے۔

حوالہ جات

چھٹا باب (فصل اول)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن۔ اسلام آباد ۔ مقتدرہ قومی زبان 59/1994 مزید شبلی ڈاکٹر۔ کیف تکتب بحثاً (اردو ترجمہ) 51 مزید دیکھیے افریقی ابن منظور۔ لسان العرب تحقیق علی شیری۔ مادہ ''قول''

۲۔ شبلی ڈاکٹر۔ کیف تکتب بحثاً: 69

۳۔ سید سابق۔ فقہ السنۃ۔ بیروت۔ دارالکتاب العربی 293/1987

۴۔ شلبی ڈاکٹر۔ کیف تکتب بحثاً 52

۵۔ حوالہ سابقہ

۶۔ رسالہ تحقیقات اسلامی: 71

۷۔ حوالہ سابقہ: 73

۸۔ شلبی ڈاکٹر۔ کتاب سابقہ: 53

۹۔ دارمی امام۔ سنن دارمی دمشق۔ دارالقلم 1996۔ باب لمن یطلب العلم لغیر الله (34) 110/1

۱۰۔ حوالہ سابقہ

۱۱۔ سنن الدارمی۔ باب صیانۃ العلم (48) 150/1

۱۲۔ صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولائمۃ۔

۱۳۔ حاکم امام۔ مستدرک حاکم بیروت دارالکتاب العربی (ب۔ن) کتاب العلم

105/19

۱۴۔ سنن الدارمی ۔باب فی ذھاب العلم۔ 84/1

۱۵۔ حوالہ سابقہ

۱۶۔ سنن النسائی ۔ کتاب الطھارۃ باب الاعتداء فی الوضوء۔

۱۷۔ حوالہ سابقہ کتاب الطھارۃ۔ باب ثواب من توضا کما أمَرَ

چھٹا باب

فصل ثانی

مقالہ کی خاکہ سازی (Synopsis Writing)

خاکہ کا تعارف:

تحقیق کے ابتدائی مراحل میں اس کے اہم فکری مباحث (Course Work) کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد پہلا اہم کام موضوع کا انتخاب ہوتا ہے جس کی تفصیل پانچویں باب میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد اُس موضوع سے متعلق اس تحقیقی منصوبے کا خاکہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس خاکے میں تحقیقی عمل کی تمام تفصیلات درج ہوتی ہیں۔ خاکہ اردو زبان کا لفظ ہے اور فارسی سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معنی تصویر کا مسودہ ،ڈھانچہ یا نقشہ وغیرہ ہیں۔ گویا کہ خاکہ جس کو عربی میں ''خطہ'' اور انگلش میں "Synopsis" کہتے ہیں وہ ابتدائی نقشہ ہے جس پر تحقیق کی عمارت قائم کی جاتی ہے۔ اس میں موضوع کا تعارف، مفروضہ و فرضیہ، تحقیق کا بنیادی سوال (Research Question) دائرہ، پس منظر اور مقصد شامل ہوتا ہے۔ خاکے میں ابواب کی تنظیم اس طرح ہوتی ہے جس سے ربط و تسلسل کا پتہ چل سکے۔ اسکی بنیاد منطقی غور و فکر پر ہوتی ہے۔ خاکے کے آخر میں اختتامیہ اور مآخذ کی عارضی فہرست شامل ہوتی ہے۔(1)

مفروضہ (Assumption) اور فرضیہ (Hypothesis):

تحقیق ایک ایسا تکنیکی (Technical) عمل ہے جو انسانی ذہن کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ اُس کے ذہنی دریچوں کو مزید کھولتا ہے۔ اس لئے محقق کو تحقیق سے قبل یہ بات ثابت کرنا پڑتی ہے کہ اُس کا یہ موضوع تحقیق کے قابل ہے اور اس سے پہلے اس پر کوئی

تحقیقی کام نہیں ہوا، یہ امور فرضیہ کے ذریعہ واضح کیے جاتے ہیں۔

مفروضہ اور فرضیہ کسی بھی تحقیقی مقالہ کی خاکہ سازی میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن دونوں کی تعریف میں ماہرین تحقیق کے درمیان کافی اختلاف ہے بعض دونوں الفاظ کو ہم معنی اور مترادف سمجھتے ہیں لیکن چند اِن دونوں میں فرق کر کے اِن کی علیحدہ تعریف کرتے ہیں، کچھ ماہرین مفروضہ کی تعریف کو فرضیہ کی تعریف گردانتے ہیں اور کچھ فرضیہ کی تعریف کو مفروضہ سمجھتے ہیں جس طرح ڈاکٹر گیان چند مفروضہ کو فرضیہ شمار کرتے ہیں۔ اِن تمام اختلاف سے ہٹ کر، خاکہ کو مکمل تحریری شکل دینے سے قبل محقق زیر تحقیق مسئلہ یا منتخب شدہ موضوع کے بارے میں یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ یہ موضوع تحقیق کے قابل اور اسلامی تحقیقی اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے ایک رائے یا چند آراء قائم کرتا ہے۔ ان میں سے ہر رائے کو (Hypothesis) فرضیے کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کسی طالب علم کے منتخب شدہ موضوع مقالہ کے بارے میں ایک معقول اندازہ ہوتا ہے جس کی بنیاد اس شہادت پر ہوتی ہے جو اندازہ لگانے کے وقت موجود ہوتی ہے۔ محقق دوران تحقیق اپنے موضوع کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے کئی فرضیات بنا سکتا ہے۔ یہ فرضیہ قرآن وسنت یا مزید اسلامی علوم کے ان میادین میں بھی بنایا جا سکتا ہے جن کے بارے میں علماء نے کوئی حتمی رائے نہیں دی۔

محقق یا مقالہ نگار (Researcher) کسی موضوع کی حقیقت کو پانے کے لئے مختلف اندازے قائم کرتا ہے یہ انداز بھی فرضیے کہلاتے ہے۔ یہاں تک کہ وہ آخر میں ایک ایسا فرضیہ پا لیتا ہے جو زیر تحقیق صورت حال سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے، پھر اُسی فرضیہ کو بنیاد بنا کر اپنی تحقیق مکمل کرتا ہے۔ اس فرضیہ کو تحقیق کا بنیادی سوال بھی کہتے ہیں جس کے جواب میں سارا مقالہ تحریر کیا جاتا ہے۔ گویا کہ مقالہ کے تمام مراحل اسی بنیادی سوال یا فرضیہ کے گرد گھومتے ہیں۔ اس فرضیہ کی بنیاد ایک مفروضہ پر ہوتی ہے۔

مفروضہ (Assumption)

مفروضہ دراصل ایک ایسی حقیقت ہوتی ہے جس کو تمام محققین تسلیم کر چکے ہوتے ہیں۔یعنی وہ کسی علمی مسئلہ کے بارے میں متفق علیہ رائے ہوتی ہے یا کسی علاقائی صورت حال کے بارے میں مسلمہ اُمر یا غیر متنازعہ حقیقت ہوتی ہے۔ پھر اس مفروضہ کی بنیاد پر چند فرضیہ قائم کیے جاتے ہیں۔اُن میں سے ایک کو بنیادی سوال قرار دے کر اُس پر تحقیق شروع کی جاتی ہے۔اس طرح فرضیے (Hypothesises) اس مطالعے سے ماخوذ اہم نتیجے بن جاتے ہے۔جن میں سے کسی ایک کو تحقیق کا بنیادی سوال (Research Question) کہتے ہیں اور پورا تحقیقی عمل اس سوال کا جواب ہوتا ہے۔

مفروضہ اور فرضیہ کی مثالیں:

مفروضہ اور فرضیہ کو ہم اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کچھ محقق برصغیر کی اجڑی ہوئی بستی موہنجوڈرو یا ہڑپہ پر کام کر رہے ہوں تو اس میں مفروضہ یہ ہوگا کہ یہ بستیاں کسی زمانہ میں آباد تھیں، متمدن تھیں اور آخر کار تباہ و برباد ہو گئیں اب اس مفروضہ پر درج ذیل فرضیہ قائم کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ کیا یہ بستیاں عذاب الٰہی سے تباہ ہوئیں؟

۲۔ کیا یہ بستیاں معاشی بدحالی سے تباہ ہوئیں؟

۳۔ کیا یہ بستیاں گردش زمانہ کی وجہ سے تباہ ہوئیں؟

۴۔ کیا بستیوں کے مکین خود بستیاں چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے؟

ان فرضیوں، جن کو ہم طالب علم یا محققین کے اندازوں یا آراء کا نام دیتے ہیں، پر غور و فکر کے بعد کسی ایک فرضیہ کو منتخب کر کے اُس پر کام شروع کر دیا جاتا ہے اور طالب علم مقالہ میں اِن تمام فرضیوں میں سے کسی ایک فرضیہ کا انتخاب کر کے اُس میں ثابت کرتا ہے کہ اس بستی کی تباہی عذاب الٰہی کی وجہ سے ہوئی تھی یہ آخری فرضیہ تحقیق کا بنیادی

سوال (Research Question) کہلائے گا، جس کا جواب سارا مقالہ ہوگا۔(2)

مفروضہ اور فرضیہ کی حقیقت کو ایک اور مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے مثلاً فرض کیجئے آپ کے سر میں درد ہے آپ علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اب ڈاکٹر آپ کے اس مرض کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے چند فرضیہ قائم کرے گا جو درج ذیل ہیں۔

1- دردِ سر نیند نہ آنے کی وجہ سے ہے

2- اس کی وجہ ہلکا بخار بھی ہوسکتا ہے

3- معدہ کا غلیظ ہونا بھی ایک سبب ہوسکتا ہے

4- کام کی کثرت کی وجہ سے تکان بھی وجہ ہوسکتی ہے۔

ڈاکٹر آپ سے کچھ امور دریافت کر کے پہلے فرضیہ کے مطابق آپ کو نسخہ تجویز کر کے دوائی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کل پھر آئیں اور یہ نسخہ ساتھ لے آئیں۔ دوسرے دن آپ آتے ہیں تو ڈاکٹر سے عدم صحت کی شکایت کرتے ہیں۔ اب ڈاکٹر آپ کا نسخہ دوسرے فرضیہ کے مطابق ترتیب دیتا ہے اور اس سے آپ صحت یاب ہوجاتے ہیں۔

اس لئے اس مثال میں مفروضہ آپ کی بیماری ہے جو ایک تسلیم شدہ اُمر ہے، اور فرضیہ اُس بیماری کی تشخیص کے مختلف انداز ہیں اور پھر کسی ایک فرضیہ کو حقیقت کے قریب پا کر اُس کو تحقیق کی بنیاد بنانا حقیقی فرضیہ یا تحقیق کا بنیادی سوال(Research Question) کہلاتا ہے جس کے اردگرد سارا تحقیقی عمل گھومتا ہے۔(3)

اعلیٰ تحقیق میں مفروضہ اور فرضیہ کی عدم ضرورت کے بارے میں رائے:

فرضیہ تحقیق کے لئے رہنمائی فراہم کرتا ہے اور تحقیق کے عمل کو تیز کرتا ہے۔ بعض ماہرین کی رائے میں اگر موضوع ایسا ہو جس میں صرف حقائق کو جمع کرنا ہو تو پھر اس کی ضرورت نہیں پڑے گی نہ اس سے کوئی فائدہ ہوگا۔ اگر محقق کسی قوم کی تاریخ پر کام کر رہا ہو یا کسی شخصیت پر تحقیق کر رہا ہو یا کتابیات یا اشاریہ مرتب کر رہا ہو تو فرضیے کا فائدہ نہ ہوگا۔

مزید چند ماہرین کی رائے میں اعلیٰ تحقیق خصوصاً ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لئے خاکہ سازی میں مفروضہ وفرضیہ کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف بنیادی سوال (Research Question) مرتب کر کے تحقیق کا آغاز کر دینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں محقق/مقالہ نگار اپنی یونیورسٹی اور ادارہ کے اصول وقواعد کا مطالعہ کر کے اُس کی پابندی کرے۔ مزید یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بنیادی سوال کے پس منظر میں بھی کوئی نہ کوئی مفروضہ (Issumption) ہوگا جس کی وجہ سے بنیادی سوال معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اور یہ بنیادی سوال بھی تو فرضیہ کا ایک حصہ ہے، جس کا مطالعہ آپ سابقہ سطور میں کر چکے ہیں، لہٰذہ فرضیہ، مفروضہ اور بنیادی سوال ایک دوسرے کے لئے بھی اور تحقیق کے لئے بھی لازم وملزوم ہیں۔

اسلامی اصول تحقیق کے مطابق اعلیٰ تحقیق میں نہ صرف حقائق کی دریافت ہوتی ہے بلکہ ان کی توضیح وتوجیہہ بھی کی جاتی ہے۔ ایسی تحقیق فرضیے یا عام اصول بنانے کے بغیر نہیں کی جاتی تحقیق کا بڑا مقصد حقائق سے نتائج نکالنا ہے۔ صرف حقائق کی جمع آوری اس کا مقصد نہیں ہے۔(4)

مقالہ یا تحقیقی عنوان کا خاکہ

خاکہ مقالہ کا تعارف اور اِس کے چند اہم امور کا مطالعہ آپ اِسی باب کی اِسی فصل کے ابتداء میں کر چکے ہیں۔ خاکہ کس طرح بنانا چاہیئے اور اس خاکہ سازی کی اہمیت، خصوصیات اور لازمی عناصر کون سے ہیں ان کا اب آپ مطالعہ کریں گے۔

خاکہ سازی میں معروضی حالات کے اثرات:

موضوع مقالہ کے حتمی فیصلہ کرنے کے بعد اُس کو تحریر کرنے سے قبل خاکہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ جس طرح کسی مکان یا عمارت کے بنانے سے قبل اُس کا نقشہ بنایا جاتا ہے اِسی طرح یہ خاکہ آپ کے تحقیقی منصوبہ کا نقشہ ہوتا ہے۔ جیسے انجینئر کسی عمارت کا نقشہ اس

سے مطلوبہ مقاصد اور اسے پیش آنے والے مختلف معروضی رذاتی حالات یعنی جگہ، بنانے والے کی ضرورت، مالی حیثیت و اطراف کو مدنظر رکھ کر تیار کرتا ہے، مسجد، مدرسہ، گھر اور باغیچہ ہر ایک کی ایک خاص شکل اور حیثیت ہے، مزید برآں دولت مندی، تنگدستی، محل وقوع اور دیگر حالات کا بھی اچھا خاصہ دخل ہوتا ہے، گھر کا ایک جگہ میں یا ایک شخص کی ملکیت میں ہونا کسی دوسری جگہ اور دوسرے شخص سے مختلف ہوتا ہے۔

اس طرح مقالات کی خاکہ کشی اپنے اپنے موضوع، مواد، مقررہ مدت، متعلقہ یونیورسٹی اور دیگر اثر انداز ہونے والے واقعاتی رذاتی اور معروضی عوامل کے اعتبار سے باہم مختلف ہوگی، اس سلسلہ میں تمام طلباء و محققین کو چاہیے کہ وہ پیشرو یعنی اُس یا اُس سے متعلقہ موضوع پر تحقیقی منصوبہ مکمل کرنے والے سابقہ طلبہ کی مساعی جمیلہ سے ضرور مستفید ہوں۔ یونیورسٹیوں کی لائبریریاں بہتر تحقیقی مقالات پر مشتمل ہوتی ہیں، یہ مقالات ایک ہی مضمون کے طلبہ کے لئے معاون ہوتے ہیں اور طالب علم کی رہنمائی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

البتہ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ تمام مقالات جن پر جامعات نے ڈگریاں تفویض کر دی ہوں، قابل تقلید ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بعض مقالات تو اس قدر غیر معیاری ہوتے ہیں کہ ان کی تقلید کرنا طالب علم کے لئے زہر قاتل ہوتا ہے۔(5)

خاکہ کی اہمیت:

خاکہ بنیادی طور پر سہ گونہ حیثیت کا حامل ہے

(۱) خاکہ کی پہلی اہمیت:

خاکہ آپ کی تحقیقی عمارت کا بنیادی نقشہ اور منصوبہ ہے جس کے مطابق آپ نے اپنی تحقیق کی عمارت کو کھڑا کرنا اور ترتیب دینا ہے۔ اگر پہلا نقش یا منصوبہ ہی غلط تشکیل پا گیا یا آپ نے اسے صحیح اور جامع طریقہ سے ترتیب نہیں دیا تو آپ تحقیق کے ہر مرحلہ

میں مشکلات اور ناکامیوں سے دوچار ہوتے رہیں گے۔ اور ممکن ہے کہ اس ابتدائی بے توجہی کی وجہ سے آپ ایک دن تنگ آکر یہ کہنا شروع کر دیں کہ کیا تحقیق کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی اور کیا باقی ساری دنیا تحقیق کر کے زندگی گذار رہی ہے۔ یہ ابتدائی غلطی آخر کار اس میدان میں ناکامی اور اس عظیم علمی راستہ کو چھوڑنے پر منتج ہوگی۔ لہٰذا جس طرح عنوان مقالہ کے انتخاب میں آپ کو کافی محنت کرنی پڑے گی اسی طرح خاکہ کی تشکیل میں بھی آپ کو کافی محنت کرنی پڑے گی۔ اس محنت کے اثرات یہ ہوں گے کہ آپ مقالہ نگاری کے بقیہ تمام مراحل کے دوران مختصر عرصہ میں ہی کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہوئے بہت جلد اپنی منزل کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ آپ کی بنیادیں یعنی عنوان مقالہ کا انتخاب اور خاکہ سازی میں محنت شاقہ بہت مضبوط ہو چکی ہیں اور اب ان پر عمارت کی تعمیر آسانی سے مکمل ہو جائیگی۔

(۲) خاکہ کی دوسری اہمیت:

خاکہ مقالہ کی دوسری اہمیت ہمارے وطن عزیز پاکستان اور برصغیر کے معروضی صورت حال کو مدنظر رکھ کر ہے۔ کہ آپ کا خاکہ تیار ہو کر مختلف کمیٹیوں کے سامنے پیش ہوگا اور بعض کمیٹیاں تو ایسی بھی ہوں گی جن میں اکثر ممبران علوم اسلامیہ سے نابلد اور صرف فنی تحقیقی اصولوں کے ماہر ہوں گے۔ انہوں نے عنوان کی اہمیت اور اس کی علوم اسلامیہ میں گہرائی اور گیرائی کو نہیں دیکھنا بلکہ ہر چیز کا صرف اور صرف فنی نقطہ نظر سے جائزہ لینا ہے: کہ آیا یہ خاکہ تحقیقی اصولوں کے مطابق تمام لوازم پورے کر رہا ہے یا اس میں فنی لحاظ سے خامیاں ہیں۔ اگر خاکہ مقالہ میں فنی لحاظ سے خامیاں ہوئیں اور موضوع جتنا ہی اہم کیوں نہ ہو وہ خاکہ ان کمیٹیوں سے مسترد ہو کر دوبارہ محقق یا مقالہ نگار کے پاس واپس آ جائے گا۔ یہ بات واضح ہے کہ ہمارے ملک کی بعض جامعات میں تو ان کمیٹیوں کے اجلاس سال میں ایک یا دو مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ تو اس مسترد ہونے کی وجہ سے طلباء اور

امیدواران کے کئی سال ضائع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا موضوع مقالہ اور خاکہ اتنی محنت، لگن اور کوشش سے بنایا جائے کہ وہ علمی اور فنی دونوں لحاظ سے مکمل اور جامع ہو، اور اسے کمیٹیوں کے ممبران سے پذیرائی حاصل ہو۔ اس محنت کی وجہ سے وقت کی بہت بچت ہو جاتی ہے اور کمیٹیوں میں علوم اسلامیہ کے اساتذہ اور طلباء کا رتبہ بڑھ جاتا ہے۔(6)

(۳) خاکہ کی تیسری اہمیت:

خاکہ مقالہ کی تیسری اہمیت یہ ہے کہ آپ کا خاکہ اگر فنی لحاظ سے جامع اور علمی لحاظ سے مکمل ہے، مزید یہ کہ اس خاکہ کو مختلف کمیٹیوں نے مسترد نہیں بلکہ منظور کیا اور اس کی تعریف ہوئی اور پذیرائی حاصل ہونے کے ساتھ پہلے مرحلے میں ہی منظور ہو گیا اور آپ نے اس کے مطابق تحقیقی کام بھی شروع کر دیا، تو آپ کا یہ خاکہ آنے والے طلبہ اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک مثال بن جائے گا اور تمام محققین، طلبہ اور مصنفین آپ کے خاکہ کے انداز کو اپنائیں گے اور یہ آپ کی محنت کا پھل آپ کو آپ کے مقالہ مکمل کرنے سے پہلے ہی ملنا شروع ہو جائے گا۔

خاکہ (Synopsis۔ خُطة البحث) کی خصوصیات اور مرتب کرنے کا طریقہ:

عربی میں خاکہ کو خُطہ خاء کی پیش کے ساتھ کہتے ہیں اس کے لئے عمومی طور پر ''خُطة البحث'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ خاکہ مرتب کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے طالب علم کو چاہئے کہ وہ زیر تحقیق مضمون سے متعلق کوئی سابقہ تحریر شدہ مقالہ تلاش کرنے کی کوشش کرے مثلاً لاء اسٹوڈنٹس، علم قانون میں پیش کردہ مقالات اور تاریخ کے طلباء تاریخی مقالات کی طرف رجوع کریں صرف یہی نہیں، بلکہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ ایسا مقالہ تلاش کرے جس کے خدوخال اس کے موضوع سے قریب ہوں، مثلاً جب کسی شاعر کی سوانح حیات یا دارالخلافوں میں سے کسی ایک دارالخلافہ کی کہانی لکھنا مقصود ہو تو

اس کے لئے بہتر ہے کہ ان مقالات کو زیر مطالعہ لائے جو دیگر شعراء اور دارالحکومتوں سے متعلق ہوں اسے ان مقالات سے ایسی بصیرت حاصل ہوگی، جس کے ذریعے شخصیات اور دارالحکومت کی تاریخ پر تحقیق کا طریقہ معلوم ہو سکے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بعینہ اسی طریقے کو اپنائے جسے پہلے سے اپنایا جا چکا ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان مقالات کے ذریعے اپنے مقالہ کے خطة البحث(Synopses) بنانے کے لئے رہنمائی حاصل کرے، دریں اثناء یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ ایک موضوع دوسرے موضوع سے اور ایک نظریہ دوسرے نظریہ سے مختلف ہوتا ہے۔

جب طالب علم کو اپنے مقالہ سے ملتے جلتے عنوانات والے مختلف مقالے مل جائیں تو انھیں جمع کر لے پھر اسے اس کے موضوعات سے متعلق جنرل مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ اپنے موضوع کے مختلف پہلوؤں پر سوچ و بچار کر سکے اور اسے اپنے موضوع پر مکمل بصیرت حاصل ہو سکے۔

گویا طالبعلم کے لئے (مناسب ہوگا) اپنا موضوع لوگوں تک پہنچانے سے پہلے اس کی حدود کو خود بھی سمجھ لے۔(7)

ان نکات کی روشنی میں طالب علم ایک نئے مرحلہ تک پہنچ سکتا ہے وہ ہے اس کی بحث وتحقیقات کے خدوخال کا مرحلہ، جس میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

۱۔ عنوان سے پیدا ہونے والے بنیادی نکات بیان کرنا، ان میں سے ہر بنیادی نکتہ(Fundamental Point) کو باب کا نام دیا جاتا ہے یعنی موضوع کا ہر نمایاں پہلو الگ الگ باب کے عنوان کے ساتھ آئے گا

۲۔ تمام بنیادی نکات کو فرعی نکات میں تقسیم کرنا چاہیئے اور ہر فرعی نکتہ(Branch Point) کو فصل کہتے ہیں(یعنی ابواب کے ماتحت عنوانات کو مختلف حصوں میں فصل کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا)

مقالہ کا خاکہ جامع پر مغز اور جاذب نظر ہونا چاہیئے، اسی طرح ہر باب وفصل کے

عنوان کو جامع و جاذب نظر اور حتی الامکان مختصر ہونا چاہیئے، نیز اس اختصار کے ساتھ ساتھ نہایت واضح اور اپنی تمام تر جزئیات و تفاصیل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوں۔ خاکہ حقیقت میں ایک تیر کی طرح ہے جسے کسی جگہ اس لئے نصب کیا گیا ہو کہ وہ چلنے والوں کو کسی خاص مقام کی نشاندہی یا منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرے، اسی وجہ سے ضروری ہے کہ خاکہ، مقالہ کے مشمولات کا غماز ہو۔

طالب علم کے خاکہ کے ذیلی عنوان ابہام اور ضعف جیسے نقائص سے پاک ہوں، مثلاً: جدید تاریخ کے خدوخال''، ''بعض جدید ادبی نظریات کا مطالعہ، وغیرہ کیوں کہ ضعیف یا مبہم عنوان آغاز کی سست روی پر دلیل ہے، طالب علم کیلئے ضروری ہے اس کی ابتدا مضبوط ہو کیوں کہ کامیاب آغاز کار تصنیف کی کامیابی ہے۔

اسی طرح ابواب وفصول کے عنوان میں (مقالہ کے عنوان سے) ربط، نمائندگی، تسلسل، ترتیب زمانی ومکانی اور اہمیت نمایاں ہونی چاہیئے، طالبعلم کو ایسے ابواب وفصول نہیں قائم کرنا چاہیئے جس کا (مقالہ کے عنوان سے) رابطہ کمزور ہو۔(8)

خاکہ مقالہ (خُطہ- Synopsis) کے تین لازمی عناصر:

ان تمام اہمیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اور سابقہ بحث کو ذہن میں رکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خاکہ مقالہ میں درج ذیل تین امور کو ترتیب کے ساتھ بہترین انداز میں واضح کیا جاتا ہے۔

خاکہ کے لئے تین بنیادی امور:

1- مقدمہ (Preface or Introducation)

2- تبویب (Chapterterision)

الف۔ خلاصہ مقالہ (Summary/Conclusion)

ب۔ نتائج وسفارشات (Finding and Recomendation)

3- کتابیات (Biblography)

ان تین بنیادی امور کی تشریح درج ذیل ہے

1- مقدمہ (Preamble/Preface or Introducation) اور

اِس کے نو لوازم

خاکہ کا آغاز آپ موضوع مقالہ لکھنے کے بعد مقدمہ سے کریں گے مقدمہ میں عمومی طور پر درج ذیل نو اشیاء کو واضح کریں گے۔

(۱) موضوع کا مختصر تعارف، اہمیت و افادیت (Introducation of the Topic)

(۲) سبب اختیار موضوع یعنی جواز تحقیق (Justification of Research)

آپ نے یہ موضوع تحقیق کے لئے کیوں منتخب کیا ہے۔اس موضوع پر تحقیق کرنے کی ضرورت کیوں ہے۔ حالات حاضرہ میں بنی نوع انسان یا مسلمانوں کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

(۳) مفروضہ اور اس کی بنیاد پر فرضیہ تحقیق (Assumption & Hypothesis)

اس کی تفصیل اِسی باب کے سابقہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

(۴) تحقیق کا بنیادی سوال (Research Question) جو آپ کی تحقیق کا محور ہو گا۔

(۵) طریق تحقیق (Way & Kind of Research)

کیا آپ کی تحقیق بنیادی یعنی نظریاتی اور خالص تحقیق ہوگی یا تنقیدی و تحلیلی جائزہ ہو گا؟ مزید سائنسی تحقیق ہوگی یا اطلاقی، تجرباتی یا عملی تحقیق ہوگی؟۔آپ نے اس عنوان کے تحت اپنا طریق تحقیق واضح طور پر بیان کرنا ہے کہ وہ دستاویزی ہوگا۔ تاریخی ہوگا یا لسانی ہوگا گویا کہ اس سلسلہ کی مکمل معلومات اس عنوان کے تحت درج کرنی ہیں۔

(٦) موضوع کا تاریخی یا پس منظری مطالعہ: (Back Round/History Sheet)

کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کتنا کام ہو چکا ہے اور اب مزید کس سطح کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اپنے عنوان مقالہ کا تاریخی جائزہ لینا ہے۔

(٧) مشکلات تحقیق کا بیان: (Diffculties During Reseerd)

آپ کو اس موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس میں اپنا راستہ کیسے پیدا کریں گے اور اپنے مقالہ کو کس طرح پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔

(٨) تحقیقی مقاصد: (Research Objectives)

آپ اس تحقیق سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی علمی، سیاسی، معاشی یا کسی اور میدان میں اس سے کیا فائدہ ہوگا۔

(٩) حدود و تحدید (Limitation and Delimitation)

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اس موضوع یا عنوان کے بارے میں واضح کرنا ہے کہ یہ بہت وسیع نہیں بلکہ میں نے ایک وسیع علمی میدان کے ایک مخفی گوشہ کو موضوع بنایا ہے۔ مثلاً تاریخ برصغیر کے وسیع میدان میں صرف عربوں کی برصغیر کی حکومت کے چار سو سالوں میں سے دور بنوامیہ کی حکومتوں کا جائزہ لینا ہے۔

مقدمہ کے اِن نو لوازم کا مقدمہ میں سمونا ضروری ہے۔ اگر ان میں سے چند کو چھوڑ دیا جائے یا اِن کی ترتیب بدل دی جائے تو اُس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ تمام امور مقدمہ میں درج کیے جائیں البتہ اِس سلسلہ میں متعلقہ یونیورسٹی یا ادارہ کے قواعد کا مطالعہ ضرور کر لیا جائے۔

2-ابواب وفصول:تبویب (Chptarization)

تبویب سے مراد ابواب بندی ہے اس کے بھی تین عناصر ہیں۔

۱۔ ابواب وفصول سازی

۲۔ خلاصہ بحث نتائج وسفارشات

۳۔ فہارس سازی

آپ نے مقدمہ کی تکمیل کے بعد اپنے موضوع کو مختلف ابواب میں تقسیم کرنا ہے۔ ان ابواب کی تعداد، ایم اے۔ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اول الذکر دونوں میں عام طور پر تین، چار یا پانچ سے زیادہ ابواب نہیں بنائے جاتے لیکن یہ تعداد ڈاکٹریٹ میں سات یا آٹھ تک بڑھائی جاسکتی ہے۔ ابواب کی تعداد کا کوئی مقرر معیار نہیں ہے بلکہ یہ ہر موضوع اور ہر ڈگری کی سطح کے اعتبار سے بڑھائے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں متعلقہ یونیورسٹی یا ادارے کے قواعد کا مطالعہ ضروری ہے۔

ان ابواب میں پہلا باب اکثر تعارفی ہوتا ہے جس میں موضوع کے متعلقات کی لغوی واصطلاحی تعریف مزید اس موضوع کا جغرافیہ، خدوخال اور بقیہ ضروری حقیقت کو واضح کیا جاتا ہے۔ آخری سے پہلے ابواب موضوع سے متعلق جدید وقدیم حقائق کو واضح کرتے ہیں یعنی ان کے اندر موضوع کے بارے میں مکمل بحث کو سمیٹا جاتا ہے۔ آخری باب تنقیدی، تقابلی، تحلیلی یا اثرات کے جائزہ سے متعلق ہوتا ہے۔ ابواب کی ترتیب عمومی طور ہی پر یہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ حرف آخر نہیں ہے بلکہ سپروائزر کی مشاورت اور عنوان کے تقاضہ کے مطابق ان میں تبدیلی ممکن ہے۔

الف۔خلاصہ مقالہ (Summary/Conclusion)

خلاصہ تو اصل میں مقالہ مکمل ہونے کے بعد ترتیب دیا جاتا ہے۔ اور مختلف جامعات کے قانونی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن خاکہ میں ابواب کی

تفصیل بیان کرنے کے بعد صرف یہ عنوان لکھ کر اس کے ذیل میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ مقالہ کی تکمیل کے بعد اس کا خلاصہ بھی لکھا جائے گا۔

ب۔نتائج (حاصلات) وسفارشات

(Findings and Recomendations)

یہ نتائج مقالہ/بحث وسفارشات بھی مقالہ کی تکمیل کے بعد ہی سابقہ خلاصہ مقالہ کی طرح ترتیب دیئے جاسکتے ہیں لیکن ان کو بھی خاکہ ِ مقالہ میں اس طرح تحریر کر کے لکھ دیا جاتا ہے۔مقالہ کی تکمیل کے بعد اس کے نتائج یا حاصلِ مقالہ، حاصلِ بحث اور سفارشات بھی مرتب کر کے ساتھ لگائے جائیں گے۔

یہ دونوں عنوانات تحقیق کے فنی اصولوں کے تحت خاکہ کی بنیادی ضرورت ہیں اگر یہ نہ لکھے جائیں تو خاکہ پر اعتراض لگ سکتا ہے جو بعد میں تکلیف اور تاخیر کا باعث بنتا ہے،اس لئے ان دونوں عنوانات کے تحت دو چار سطور لکھ دینا خاکہ کی خوبصورتی اور تزئین وآرائش کا باعث بن جاتا ہے۔

ج۔فہارس سازی:

یہ فہرستیں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اِن کو خاکہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا بلکہ مقالہ لکھنے کے بعد اُس میں جو آیات قرآنیہ، حدیث مبارکہ، شخصیات، بلا دواماکن اور مزید اہم اشیاء کا ذکر ہوتا ہے، اُن تمام کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں مرتب کی جاتی ہیں۔ یہ تمام فہارس مقالہ لکھنے کے بعد مرتب ہوتی ہیں۔لیکن خاکہ میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ درج ذیل اشیاء کی فہارس مرتب کی جائیں گی۔

۱۔ فہرست آیاتِ قرآنیہ

۲۔ فہرست احادیثِ مبارکہ

۳۔ فہرست شخصیات

۴۔ فہرست بلاد واماکن

۵۔ فہرست نقشہ جات وغیرہ

3- کتابیات (Biblography)

مقدمہ، تبویب، خلاصہ مقالہ وسفارشات کے بعد کتابیات (Biblograply)، فہرست کتب یا فہرست مآخذ ومصادر یعنی موضوع سے متعلقہ کتب کی ایک معقول فہرست جو کم از کم سوڈیڑھ سو کتب پر مشتمل ہو تیار کر کے خاکہ کے ساتھ لگانی پڑتی ہے، یہ تعداد حتمی نہیں ہے بلکہ اِس سلسلہ میں یونیورسٹی/ادارہ کے قواعد اور سپر وائزر کی رائے اہمیت کی حامل ہے۔علوم اسلامیہ کے حوالہ سے پہلے متعدد تفاسیر جن کا تعلق موضوع سے ہو، کتب حدیث، شروح حدیث، مختلف اہم فقہی فتاوی وکتب اور پھر اس موضوع سے متعلق بنیادی مآخذ جنہیں امہات الکتب کہا جاتا ہے اور ثانوی واضافی مآخذ اور تحقیقی جرائد سے یہ فہرست تیار کی جاتی ہے اس فہرست میں مصنف کا نام، مکتبہ کا نام، سن اشاعت وغیرہ سپروائزر کی ہدایات کے مطابق درج کرنا ضروری ہے۔ یہ کتابیات بھی فنی لحاظ سے از حد ضروری ہے۔کتب کی تعداد کا تعین بھی موضوع کے مناسبت سے کیا جاتا ہے۔کوئی مقرر عدد اس سلسلہ میں قطعاً معیار نہیں بن سکتا۔

یہ تین عناصر خاکہ کے کم از کم بنیادی لوازم ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز خاکہ میں شامل نہ کی گئی تو ہر طرح سطح پر خاکہ کے مسترد ہونے کا خطرہ رہتا ہے لہٰذہ طلبہ کو اس سلسلے میں کافی احتیاط کرنی پڑے گی۔

خاکہ مقالہ جمع کرانے کا طریقہ:

خاکہ مقالہ تیار کر کے اُسے بہترین انداز میں جمع کرانا بھی ایک فن ہے۔طالب علم/مقالہ نگار کو چاہیے کہ سابقہ پیرہ میں بیان کردہ تین عناصر کو باقاعدہ ترتیب کے ساتھ صفحہ نمبر دے کر اکٹھا کرے اور ایک نوٹ بک کی صورت دیدے۔اس کے بعد پہلے صفحہ پر

مقالہ کا موضوع بمع تمام متعلقہ معلومات جن کا ذکر ساتویں باب کی پہلی فصل کے عنوان ''سرورق'' میں موجود ہے لکھے۔ پھر ان تمام عناصر کی فہرست موضوعات، ان کے صفحہ نمبر کے مطابق بنا کر اُس کو پہلے صفحہ کے بعد لگائے۔ خاکہ میں بھی مختلف امور کے عنوانات کو موٹا فاؤنٹ دے کر واضح کرنا ہے۔ جب خاکہ کی یہ ترتیب خوبصورت انداز اور فنی لحاظ سے مکمل ہو جائے تو اُس کی رنگ بائنڈنگ یا عارضی جلد بندی کرا کر اُسے اپنے ادارہ میں مزید منظوری کے مراحل سے گزرنے کے لئے جمع کرا دیں۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آپ کے خاکے کے اندر ایک فطری ترتیب اور جاذبیت برقرار رہنی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ ہدایت مدِنظر رہے کہ مجلد خاکہ کا ایک پرنٹ اپنے پاس ضرور رکھیں۔

مقالے کے خاکے (خُطۃُ البحث) میں ترمیم:

خاکہ مقالہ کی ترتیب حرف آخر نہیں ہوتی کہ اس میں تبدیلی ناممکنات میں سے ہو۔ طلباء اور محققین یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جامعات کالج یا مزید اداروں کی مختلف کمیٹیاں موضوع کی منظوری دیتی ہیں نہ کہ خاکہ مقالہ کی بھی، اس تحقیقی مرحلہ کے دوران جب بھی ضرورت محسوس ہو نگران مقالہ کی مشاورت سے خاکہ کی تبویب ذیلی عنوانات اور فصول وغیرہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جب محقق یا طالب علم بقدر گنجائش مواد جمع کر لے تو قبل از تحریر اسے چاہیے کہ وہ باب بندی پر نظر ثانی کرے، زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ حاصل کردہ مواد کی روشنی میں ان میں ترمیم کی ضرورت محسوس کرے گا۔ کبھی کبھی ترمیم کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ اسے تیار شدہ خاکہ کے ہدف اساسی میں تبدیلی کے باعث مقالے کا عنوان تبدیل کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ جمع شدہ مواد بھی اس تبدیلی کا متقاضی ہو، اس قسم کی تبدیلی رسمی طور پر ہونی چاہئے، یعنی طالب علم جس کالج یا یونیورسٹی کے تابع ہے اپنے مقالے کا عنوان نئے قالب میں لکھ کر پیش کرے، ایڈوائزر کی موافقت کے بعد عام

طور پر شعبہ اس تبدیلی کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ لیکن پاکستان کے معروضی حالات میں اس قسم کی تبدیلی بہت مشکل ہوتی ہے لہٰذا عنوان کی تبدیلی سے عمومی طور پر احتراز کرنا چاہئے۔

کبھی کبھی یہ تبدیلی بعض ابواب یا فصول کو حذف کرنے یا بعض نئے ابواب وفصول کا اضافہ کرنے پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح یہ تبدیلی کبھی ابواب یا فصول کو مقدم یا موخر کرنے کی صورت میں بھی ہوتی ہے، جب طالب علم ترمیم کر لے اور خاکہ کو آخری شکل دے چکے تو اسے چاہئے کہ وہ ایڈوائزر کے ساتھ رابطہ قائم کرے تا کہ وہ اتفاق رائے کا اظہار کرے یا اپنی تجاویز پیش کرے جب ایڈوائزر اتفاق کرے یا اپنی تجاویز سامنے رکھ دے تو ایک گونہ اس کی طرف سے ایک نئے مرحلے میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے یعنی مقالہ تحریر کرنے کا مرحلہ جو آئندہ باب میں ہمارا موضوع بحث ہے۔

حالانکہ کبھی کبھار اس نئے مرحلے یعنی خاکہ کی تکمیل کے بعد تحریر متن کے مرحلے میں بھی ترمیم کی ضرورت ہو جاتی ہے بلکہ کبھی طالب علم کو ایسی مشکل درپیش آتی ہے جو اسے دوران تحریر دوبارہ خاکہ میں ترمیم کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، ایسا کرنے میں بھی اسے کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ مقالہ کی حیثیت طالب علم کے سامنے وہی ہے جو مصور کے سامنے تصویر کی، وہ اپنے قلم کو جس حصے میں چاہے حرکت دیتا رہتا ہے بالآخر اپنی استطاعت کے مطابق اسے خوبصورت ترین شکل اور عمدہ ترین انداز میں تیار کر کے سامنے لاتا ہے۔(10)

خاکہ کمیٹی، میں خاکہ کی پیشکش
(Presentation of the Synopsis)

دور حاضر میں برصغیر کی اکثر یونیورسٹیوں اور مختلف اداروں میں موضوع اور اُس کے خاکہ سے متعلق حتمی رائے کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک خاکہ منظوری کمیٹی (Synopsis Committee / Research Committee) تشکیل دی جاتی

ہے۔اس کمیٹی میں اُس ادارہ کے ماہر اساتذہ کرام اور کسی بیرونی ادارہ کے ماہر اساتذہ بھی شامل ہوتے ہیں۔بعض اداروں میں یہ پیش کشش بھی عمومی دفاع(Open Defance) کی صورت میں ہوتی ہے۔جس میں تمام طلبہ واساتذہ اکٹھے ہوتے ہیں اور طالبعلم اپنے مقالہ کا عنوان اور اُس سے متعلقہ جوازِ تحقیق اُن کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مزید اُس عنوان پر اُن کے اعتراضات کے تسلی بخش جواب دیتا ہے۔اس طرح یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ خاکہ کی یہ پیش کشش بھی خاکہ کا ایک طرح سے زبانی امتحان ہوتا ہے۔

ایم فل یا ڈاکٹریٹ کے جو طلبا کورس ورک (Course Work) کے دوران خاکہ نویسی (Synopsis Writing) کا کورس مکمل کر کے اپنے لئے موضوع کا انتخاب کر چکے ہوتے ہیں انہیں اس کمیٹی میں اپنے مقالہ کے موضوع اور اُس کے خاکہ کی پیش کش (Presentation) یعنی تفصیل بیان کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔اس کمیٹی میں خاکہ کی پیش کشش (Presentation) بھی طالب علم کے لئے بہت ضروری ہے۔اس کمیٹی میں طالب علم/محقق اپنے عنوان یا موضوع مقالہ کے بارے میں جوازِ تحقیق اور اپنے خاکہ کی تفصیل پیش کرتا ہے۔طالب علم کی پیشکش کے بعد ماہرین اساتذہ موضوع کی منظوری یا اُس میں مکمل یا جزوی تبدیلی واصلاح اور خاکہ کی تبویب کے بارے میں اپنی حتمی رائے سے اُسے آگاہ کرتے ہیں تاکہ طالب علم یا مقالہ نگار اُن کی رائے کے مطابق تصحیح کر کے اُسے متعلقہ ادارے میں جمع کرا دے۔اس پیشکش میں خاکہ کے پانچ عناصر جن کا اِسی باب کے آخر میں مطالعہ کر چکے ہیں کو بہترین انداز میں پیش کیا جاتا ہے گویا کہ درج ذیل چودہ امور کو واضح کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

1-مقالہ کا موضوع

2-سببِ اختیارِ موضوع

3-موضوع کی عمومی اہمیت

4-موضوع کی حدود وتحدید

5- موضوع کا تاریخی جائزہ (سابقہ کام کی تفصیل)

6- موضوع کا مفروضہ وفرضیہ

7- موضوع کا بنیادی سوال

8- موضوع کی دور حاضر میں ضرورت اور افادیت

9- تحقیق کی قسم (اطلاقی، بنیادی، تاریخی وغیرہ) کی تفصیل

10- موضوع مقالہ میں حصول مواد کے مختلف طریقوں کی وضاحت (سروے، انٹرویو، سیاحت وغیرہ)

11- موضوع سے متعلق مختلف ممکنہ اعتراضات کے جواب

12- موضوع کے ابواب وفصول کی تفصیل

13- اہم مصادر ومراجع کی مختصر فہرست

14- تحقیق کے دوران پیش آمدہ مشکلات کا اظہار اور اُن کا حل

طالب علم کے لئے مناسب یہی ہے کہ اِن تمام امور کی اِسی ترتیب کے مطابق اچھی طرح تیاری کر کے پیش کرے۔ اگر پیشکش (Presentation) کے بعد کمیٹی کوئی سوالات کرے تو طالب علم اپنے مطالعہ کی روشنی میں اُن کا تسلی بخش جواب دے۔ اگر کمیٹی موضوع یا تبویب میں جزوی تبدیلی کرے تو طالب علم اُسے فوراً قبول کر لے اور اگر موضوع کو مسترد کر کے نیا موضوع دے تو طالب علم سابقہ موضوع کے حق میں مکمل دلائل دے اور کمیٹی کو قائل کرنے کی کوشش کرنے اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو تو پھر کمیٹی کی سفارشات کو قبول کر کے نئے موضوع کے مطابق خاکہ تیار کر کے اُسے جمع کرا دے۔ کمیٹی کے ممبران سے اُلجھنا اپنے سابقہ موضوع پر ضد کرنا یا اُن کی سفارشات کو نہ ماننا ایک اچھے طالب علم کی خصوصیات نہیں ہیں۔

حوالہ جات

چھٹا باب (فصل ثانی)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ اصول تحقیق (کوڈ۔711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی/122

۲۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان /59/1994 مزید اصول تحقیق 121-122

۳۔ ایس ایم ناز ایجوکیشنل ریسرچ/248

۴۔ حوالہ سابقہ/144

۵۔ احمد شلبی۔ کیف تکتب بحثاً (اردو ترجمہ)73

۶۔ ڈاکٹر تبسم کشمیری۔ ادبی تحقیق کے اصول۔ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان55/1992

۷۔ احمد شلبی/75

۸۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن/131

۹۔ ڈاکٹر تبسم کشمیری۔ ادبی تحقیق کے اصول/191

۱۰۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن/108

ساتواں باب:

مقالہ کے لازمی عناصر (مشمولات)، مراحل اور مراجع ومصادر کی اہمیت

فصل اول

تحقیقی مقالہ کے (مشمولات) لازمی عناصر

اسلامی اصولِ تحقیق میں مشمولاتِ مقالہ یا مقالے کے لازمی عناصر سے مراد وہ تمام اشیاء یا اجزاء ہیں جن کو پہلے صفحہ سے لے کر آخری صفحہ تک مقالہ میں شامل کیا جانا ضروری ہے۔عمومی طور پر درج ذیل دس اشیاء مقالہ کا لازمی عنصر ہیں۔

۱۔ سرورق (Title page)

۲۔ چنداوراق برائے دستخط کمیٹی وانتساب (Attribution) وغیرہ

۳۔ طالب علم کی طرف سے حلف نامہ (Declaration)

۴۔ نگرانِ مقالہ یا سپروائزر کی طرف سے تصدیقی سرٹیفیکٹ (Forwarding Letter)

۵۔ مقدمہ دیباچہ، اظہار تشکر، حدیثِ دل (Preface) وغیرہ

۶۔ فہرست عنوانات، موضوعات یا مشمولات (List of Contents)

۷۔ متن مقالہ (ابواب وفصول) (Text of Thesis)

۸۔ خلاصہ، نتائج، سفارشات وغیرہ (Conclusion / Finding / Recommendation)

۹۔ فہارس (Indexes): مآخذ (کتابیات) آیاتِ قرآنی، احادیثِ مبارکہ، شخصیات، اماکن، نقشہ جات، تصاویر وغیرہ

۱۰۔ ضمیمہ جات (Annextures)

مقالہ کے تین لازمی عناصر:

اِن دس لازمی عناصر کو مختصر کرتے ہوئے فنِ تحقیق کے ماہرین کے نزدیک تحقیقی مقالے کی پیش کش اِن تین اہم اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) ابتدائی حصہ (۲) متنِ مقالہ (۳) حوالہ جاتی مواد

ان کو مشمولاتِ مقالہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

ابتدائی حصہ میں سرورق، دیباچہ اور فہرست عنوانات وموضوعات (مشمولات) وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ دوسرا حصہ متنِ مقالہ میں تحقیقی مقالے کا بنیادی حصہ یعنی ابواب وفصول کو واضح تقسیم کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ آخری حصہ حوالہ جاتی مواد پر مشتمل ہوتا ہے جن میں قلمی نسخوں، مطبوعہ کتب، رسائل جرائد کی فہرستیں، ضمیمہ جات اور تعلیقات شامل ہیں۔ اگر کتاب کی صورت میں مقالہ شائع کیا جارہا ہو تو اشاریے کا اضافہ ضروری ہے۔

ان تین بنیادی عناصر کے سلسلہ میں یہ بات واضح ہو جائے کہ مقالے کی ایک معین ترتیب، (Format) ہے۔ یہ بات طے ہے کہ مقالے کا سرورق کیسا ہو، اس پر کیا کیا اندراجات ہوں، اس کے بعد کے صفحات میں کیا کیا اندرجات ہوں، ان کی ترتیب کیا ہو، ابواب کا آغاز کیسے کیا جائے۔ نتائج کہاں درج کئے جائیں، ملحقات کی صحیح جگہ کونسی ہے، اور مراجع ومصادر کہاں شامل کئے جائیں۔ الغرض ہر چیز کی جگہ مقرر ہے اور اگر اس میں تبدیلی کردی جائے تو مقالے کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ اور یہ امر رسمیات مقالہ کے خلاف شمار ہوتا ہے اور اسلامی اصولِ تحقیق کے مروجہ اصولوں کی نفی ہے جس کا نقصان محقق یا مقالہ

نگار کو پہنچتا ہے۔ اِن تمام امور کے بارے میں محقق کو متعلقہ ادارہ یونیورسٹی یا کالج کے اصولِ وضوابط کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئیے۔(1)

تحقیق ایک مربوط عمل کا نام ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی منضبط عمل کے اندر جو کشش اور جاذبیت ہوتی ہے وہ منتشر اور آوارگی کی حامل اشیاء میں قطعاً پیدا نہیں ہو سکتی۔ تحقیقی عمل کے مختلف عناصر ہیں ان میں کچھ تو اس کے لوازم اور بہت ہی اہم ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو بہت اہم نہیں بلکہ ان عناصر کے وجہ سے تحقیق کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ان عناصر میں سے بعض کی رائے میں دس لازمی عناصر کا آپ اِسی باب کے ابتداء میں مطالعہ کر چکے ہیں اب اس سلسلہ میں مزید محققین کی آراء بھی پیش کی جارہی ہیں۔

محققین کی رائے ہیں عمومی طور پر تحقیقی مقالہ کے درج ذیل تین لازمی عناصر ہوتے ہیں۔

ا۔ ابتدائی حصہ

۲۔ مقالہ کا متن

۳۔ آخری حصہ یا حوالہ جاتی مواد

ان تینوں لازمی عناصر کی تفصیل درج ذیل ہے

ا۔مقالہ کا پہلا لازمی عنصر: ابتدائی حصہ اور اس کے تین اجزاء:

تحقیقی مقالہ کا پہلا حصہ آپ کے مقالہ کا اشتہار ہے۔اس کی پراسپکٹس ہے، مقالہ کا چہرہ اور حسن ہے اور دیکھنے والوں کے لئے مقالہ کی تشہیر کا باعث ہے۔یہ حصہ بھی عمومی طور پر تین اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔

الف۔ سرورق

ب۔ مقدمہ، دیباچہ، ہدیہ تشکر، حرف چند، پیش لفظ یا حدیث دل وغیرہ

ج۔ فہرست عنوانات یا موضوعات (مشمولات)

الف۔سرورق:

یہ ابتدائی حصہ کا پہلا کام یا عمل ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ پہلا تاثر ہمیشہ آخری تاثر ثابت ہوتا ہے یہ پہلا کام بھی دو امور پر مشتمل ہے۔

1- عنوان والا صفحہ   2- چند مزید اوراق

مقالہ کا عنوان:

سرورق کے پہلے حصہ کے بارے میں عمومی طور پر تمام جامعات واداروں کی طرف سے واضح ہدایات موجود ہوتی ہیں۔ان ھدایات کا مطالعہ کر کے اس کو ترتیب دیا جائے، ٹائٹل کے لئے مقالہ کے پہلے ورق کا سامنے والا حصہ ہوتا ہے یہ عام کاغذ سے بھی تیار کیا جاتا ہے اور سخت گتے سے بھی،یعنی مجلّد بھی ہوتا ہے۔مجلّد ہونے کی صورت میں گتے کے بعد ایک ورق بالکل خالی چھوڑ دیں۔سرورق میں درج ذیل چھ قسم کی لازمی معلومات ضرور ہونی چاہیں البتہ ان کی ترتیب اس ادارہ کی ہدایات کے مطابق کر دی جائے۔

۱۔ موضوع مقالہ اپنی پوری تفصیل اور موٹے الفاظ میں سرورق کے سب سے اوپر تقریبا دور جدید میں کمپیوٹر کے ۲۲ فونٹ سے کسی صورت کم نہ ہو اور مکمل تحریر کیا جائے۔جو موضوع یا عنوان عربی، اردو، انگریزی یا کسی اور زبان میں کمیٹیوں سے منظور ہوا ہو وہ پورا وہاں تحریر کر دیا جائے ،اُس عنوان میں کمی یا بیشی کا اختیار آپ کو قطعاً حاصل نہیں۔مثلاً

اصول روایت حدیث اصولِ فقہ کی روشنی میں

۲۔ عنوان کے بعد جس ڈگری کے حصول کے لئے وہ مقالہ تحریر کیا گیا اس کا نام ضرور لکھا جائے مثلاً

مقالہ برائے (حصول ڈگری) ایم اے اسلامیات / ایم فل اسلامیات

یا ڈاکٹریٹ علوم اسلامیہ

۳۔ اس کے بعد محقق یا مقالہ نگار کا نام مع مکمل تعلیقات و مختصر مگر جامع پتہ کے ساتھ ہو مثلاً
"شبلی نعمانی استاد ندوۃ العلماء اعظم گڑھ لکھنو ہندوستان"

اپنے نام کے ساتھ بہت زیادہ القاب لگانے کی ضرورت نہیں۔ بسا اوقات ممتحن حضرات زیادہ القاب پڑھ کر غصہ میں آجاتے ہیں، یا حیرت واستعجاب اور پریشانی کا شکار ہو کر اپنا غصہ مقالہ پر اس طرح نکالتے ہیں کہ اس میں بے شمار غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں یا سخت شرائط کے ساتھ قبولیت کی سفارش کرتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اسلامی تحقیقی اصولوں کے مطابق میانہ روی کے طریقہ کو اپنایا جائے۔

۴۔ نگران مقالہ کا نام ان کے لازمی القاب واوصاف کے ساتھ مثلاً
(پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی استاد جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد، پاکستان)

نگران مقالہ کے القاب میں بھی حقیقت اور میانہ روی اختیار کرنا از حد ضروری ہے۔ بے شمار القابات لکھنے سے بعض ممتحنین یہ تصور کرتے ہیں کہ شاید مقالہ نگار اس کے ذریعہ ہم پر اپنے نگران کا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور اس کے بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۵۔ سرورق پر ادارہ کا نام مع اس کے مکمل پتہ کے ضرور لکھا جائے تا کہ آپ کا مقالہ دنیا میں جہاں پر جائے، ادارہ کا پتہ اور اس کے سلسلہ میں مکمل معلومات اس کے سرورق پر واضح طور پر درج ہوں۔ مثلاً
(شعبہ فکر اسلامی تاریخ وثقافت فیکلٹی برائے عربی واسلامیات علامہ

اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد پاکستان)

۶۔ سرورق کا آخری لازمی حصہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں یا جہاں اس ادارہ کے قوانین اجازت دیں اپنے مقالہ کے عنوان کی قبولیت کی تاریخ و حوالہ نمبر ضرور لکھ دیں تا کہ وہ ہر مقام پر سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ مثلاً

(اس ڈاکٹریٹ یا ایم فل کے مقالہ کے عنوان کی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد پاکستان کے بورڈ آف سٹڈیز کے اجلاس منعقدہ پندرہ دسمبر ۲۰۱۰ نے مراسلہ نمبری رجسٹرار ۲۷۱۰۔ ۲۵ دسمبر ۲۰۱۰" کے تحت منظوری دی تھی)

یہ تمام اداروں کی طرف سے منظوری کے مختلف طریق کار کے مطابق اس مقالہ کے عنوان کی منظوری کا مراسلہ نمبر و تاریخ سرورق پر ضرور درج کر لی جائے۔

ان چھ لازمی عناصر کے علاوہ اس ادارہ کا ٹریڈ مارک، فوٹو اور چند اور لوازمات، معاون نگران کا نام وغیرہ اگر ضروری ہوں تو ان کو بھی سرورق میں سمویا جا سکتا ہے۔ مزید یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اگر سرورق سخت گتا یا ہارڈ بائنڈنگ کے ذریعہ تیار کیا گیا ہے تو سر ورق پر درج شدہ تمام معلومات کے ساتھ ایک عام صفحہ اندر بھی ضرور لگایا جانا چاہئے۔ البتہ اندر والے ورق میں برصغیر کے معروضی حالات کے مطابق ایک اضافہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ کا عنوان عربی یا اردو میں ہے تو اس کا انگریزی ترجمہ اساتذہ کرام کی مدد اور اُن کی منظوری کے بعد اُس صفحہ پر ضرور لکھ دیں۔ یہ اُمر آپ کو ڈگری ملنے میں آسانی کا باعث بنے گا۔

یہ بات بھی محققین و مقالہ نگار حضرات ذہن میں رکھیں کہ سرورق کو جامع و مانع بنائیں، فضول خرچی و اسراف و تبذیر سے پرہیز کریں لیکن اس میں معنویت، جاذبیت اور کشش ضرور ہونی چاہئے کیونکہ سرورق چہرے کی مانند ہے۔(2)

۲۔ چند اوراق:

سرورق پر عنوان لکھنے کے بعد چند خالی اوراق رکھے جاتے ہیں جن کی تعداد پانچ یا چھ ہو، اِن میں مقالہ کے موضوع سے متعلق اہم قرآنی آیات یا مزید بہت زیادہ پرکشش و پر مغز فقرِہ، جوامع الکلم یا اہم شعر ہوں جو قاری یا ممتحنین کو متاثر کر سکیں اور محقق کے ذوق سلیم کے غماض اور موضوع مقالہ سے مطابقت رکھتے ہوں۔ مزید ان صفحات میں مقالہ نگار کی طرف سے اقرار نامہ، نگران مقالہ کی طرف سے تصدیقی سٹرٹیفکیٹ، زبانی امتحان لینے والی کمیٹی کے دستخط اور مقالہ کو کسی کی طرف منسوب بھی کیا جاتا ہے، یعنی مقالہ کا انتساب۔ اس سلسلہ میں مقالہ کو عظیم نظریات یا عظیم شخصیات کی طرف منسوب کرنا اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق بہت بہتر ہے۔

ب۔ مقدمہ اور خاکہ کے مقدمہ و مقالہ کے مقدمہ میں فرق:

مقدمہ ابتدائی حصہ کا دوسرا عمل ہے۔ اس کے بارے میں تفصیلی ھدایات چھٹے باب کی دوسری فصل میں موجود ہیں اُن کا بھی مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض اوقات مقدمہ کو اظہار تشکر، دیباچہ، پیش لفظ، حرفِ چند، حدیث دل وغیرہ کے ساتھ ملحق کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اداروں کے قواعد کی پابندی ضروری ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ خاکہ مقالہ میں جو مقدمہ آپ تحریر کرتے ہیں اس مقدمہ اور مقالہ کی تکمیل کے بعد تحریر شدہ مقدمہ میں فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر میں بعض امور ظن و گمان کی بنیاد پر تحریر کئے جاتے ہیں لیکن دوسرا مقدمہ مقالہ نگار تحقیق کے میدان کو عبور کر کے لکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حقیقی اور مختصر مگر جامع ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقدمہ میں سے اظہار تشکر کے عنوان کو علیحدہ بھی کیا جا سکتا ہے اور مقدمہ کی آخری سطور میں بھی سمویا جا سکتا ہے۔ مزید مقالہ نگار اپنے تجربات کے لحاظ سے اس دوسرے عمل میں چند مزید عنوانات کو بھی علیحدہ کر کے ان کے ذیل میں کچھ لکھنا چاہیے تو لکھ سکتا ہے۔

مثلاً مختلف مشکل الفاظ کے معانی یا جو مخصوص تراکیب استعمال کی ہیں ان کی تشریح یا اس طرح کے متعدد امور لیکن اس میں طوالت سے بچنا ہوگا اور اس عمل میں بھی کشش اور جاذبیت برقرار رکھنی ہوگی۔

ہدیہ تشکر، دیباچہ وغیرہ

1- ہدیہ تشکر:

سرورق اور اُس کے بقیہ لوازم کی تکمیل کے بعد مقالہ نگار مقدمہ تحریر کرے گا جس کی تفصیل سابقہ عنوان میں گزر چکی ہے۔ مقدمہ تحریر کرنے کے مختلف طریقہ متعدد اداروں میں مروج ہیں اُن سے آگاہی ضروری ہے۔ اکثر مقالہ نگار اس کا آغاز اظہار تشکر سے کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مقالہ نگار ان افراد، شخصیات اور اداروں کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے مقالہ نگار کی کسی نہ کسی طرح اس کام میں مدد کی ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کو بعض اداروں اور شخصیات کی طرف سے دوران تحقیق خصوصی تعاون حاصل ہوتا ہے ان لوگوں کا محقق پر حق ہوتا ہے کہ وہ ان کے احسان کا اعتراف کرے اور ان کی معاونت کا اقرار کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کرے۔

شکرگزاری اور اعتراف ممنونیت کا صفحہ سرورق اور دوسرے اہم صفحات کے فوراً بعد ہوتا ہے اور اس کا عنوان ''تقدیر واعتراف'' یعنی ''اظہار تشکر'' اور ''شکر و تقدیر'' وغیرہ ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے بعد میں رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام اور پھر اساتذہ کرام، والدین اور دوسرے لوگوں کی باری آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ثناء اور رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے بعد اس ادارے کے شکریہ سے آغاز کرے جس نے اسے مقالہ لکھنے کی منظوری دی۔ پھر اپنے نگران مقالہ کا شکریہ ادا کرے، پھر دوسرے اساتذہ اور افراد کا جنہوں نے کسی نہ کسی طریقے سے مدد کی،

پھر لائبریرین اور لائبریری کے عملے کا جنہوں نے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

شکریہ مختصر اور واقعی ادا کیا جائے، شکریہ ادا کرنے میں مبالغے اور خوشامد سے گریز کیا جائے۔

مقالہ نگار یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ دیباچہ، پیش لفظ یا حرفِ چند وغیرہ لکھنا مقالہ کے ابتدائی حصہ میں یہ دوسرا عمل ہوگا۔ یہ کبھی مقدمہ کے اندر سمو دیا جاتا ہے۔ اور کبھی ان میں سے بعض عنوانات کو علیحدہ کر کے بھی لکھا جا سکتا ہے۔

2-دیباچہ، پیش لفظ، حدیثِ دل وغیرہ اور اُس میں تین امور:

شکریہ ادا کرنے کے بعد مقدمہ کے مزید حصوں میں سے دیباچہ، پیش لفظ، حرفِ چند یا حدیث دل وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ اِن میں عمومی طور پر تین امور زیر بحث آتے ہیں۔

(۱) مقالے کے موضوع کی اہمیت:

اس سے مراد یہ ہے کہ مقالہ کے موضوع کی وضاحت اس طرح کی جائے کہ اُس کی علمی حیثیت ومقام ومرتبہ واضح ہو جائے مزید متعلقہ مضمون یعنی علمی میدان میں اس کی اہمیت اُجاگر ہو جائے:

(۲) موضوع کی مختصر تاریخ (پسِ منظری مطالعہ):

پیش نظر موضوع کے تاریخی مطالعہ سے مراد یہ ہے کہ یہ موضوع کب شروع ہوا؟ اس کا مفروضہ اور فرضیہ یا بنیادی سوال کیا تھا؟ اس کے ارتقائی مراحل کیا ہیں، اس میں حصہ لینے والے کون کون ہیں؟ محققین نے اسے کہاں تک پہنچایا؟ جدید تحقیق کا نقطہ، آغاز اس سے قبل تحقیق کے نہ ہونے یا نامکمل ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ گویا اس طرح مقالہ کے موضوع کی علمی کیفیت واہمیت کو بڑی باریک بینی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور چند قدم آگے بڑھانے سے پہلے اس کی ارتقائی منازل بیان کی جاتی ہیں۔

مزید یہ کہ اس موضوع پر کن کن لوگوں نے ان سے پہلے کام کیا اور ان کا کام کہاں

تک ہے اور آپ نے اپنے کام کا آغاز کس نقطے سے کیا ہے، آپ کا منہاج تحقیق (Research Methodology) کیا تھا اور آپ نے کیا نتائج حاصل کئے۔ گویا اس میں آپ کے کام کے پس منظر اور پیش نظر کا مکمل خلاصہ آ جائے گا۔ اس سلسلے میں اسی باب کے آغاز میں خاکہ مقالہ کی تیاری کے لئے تین نبیادی امور میں سے عنوان ''مقدمہ'' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

(۳) اہم مراجع کا تعارف:

موضوع تحقیق کے سلسلے میں وہ اہم مراجع جن سے آپ نے بکثرت استفادہ کیا، ان کا مختصر تعارف کرا دینا بھی اِس موقعہ پر مفید ہوتا ہے۔ مکمل مراجع کی فہرست تو آپ مقالہ کے آخری حصہ یعنی حوالہ جاتی مواد میں مرتب کریں گے۔

اس سے مراد ان بنیادی مآخذ (Basic Sources) کا تذکرہ ہے جن پر طالب علم کا زیادہ تر اعتماد رہے گا اور کس طرح مخصوص قابل اعتماد کتب اور اہم قلمی نسخوں سے نیا مواد حاصل کرنے میں اس کو مدد ملے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اہم مراجع کو چند مجموعہ جات (Catagaries) میں تقسیم کر دیا جائے ہر مجموعہ کتب اور کسی تحقیقی نکتے کے درمیان ربط واضح کیا جائے مثلاً کہے کہ سیاحوں کی تصنیفات جیسے یعقوبی کی کتاب البلدان، ابن قتیبہ کی البلدان، مقدسی کی احسن التقاسیم ابن حوقل کی المسالک، والممالک، ابن جبیر کی الرحلہ، یاقوت کی مجم البلدان اور ابن بطوطہ کی تحفۃ النظار بحث میں خاصی اہمیت کی حامل تھیں، کتب تراجم مثلاً یاقوت کی مجم البلدان، ابن خلکان کی دفیات الاعیان، کتبی کی فوات الوفیات اور صفدی کی الوافی بالوفیات نے موضوع پر مفید معلومات باہم پہنچائیں، کتب احتساب مثلاً نہایۃ الرتبۃ از شیزری اور معالم القربہ از قرشی اور الحسبۃ از حصان، کی بحث از حد مفید ثابت ہوئیں، علی ھذا القیاس۔ (3)

ج۔فہرست عنوانات یا موضوعات (مشمولات):

یہ ابتدائی حصہ کا آخری عمل ہے۔اور یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ فہرست مقالہ یا کتاب کا آئینہ ہے۔جس میں جھانک کر تمام مقالہ کی حقیقت، ماہیت، گہرائی، گیرائی، علمی وقعت، تحقیق کی قسم اور جملہ امور سے آگاہی حاصل ہوسکتی ہے۔جس طرح کوئی شخص آئینہ دیکھ کر اپنی شکل کی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے۔اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے کیونکہ وہ اپنے دوسرے مسلمان دوست کو اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔اسی طرح آپ کا یہ عمل یعنی فہرست مشمولات بھی آپ کی حسن ترتیب کی آئینہ دار ہے آپ اس کو اس طرح ترتیب دیں کہ آپ کے تحقیقی عمل کے تمام محاسن، خوبیاں اور حقائق اس ترتیب سے جھلک رہے ہوں بلکہ چھلک رہے ہوں۔(4)

فہرست مضامین یا فہرست مشمولات کے تین لوازم:

سرورق، چند مزید صفحات، اظہار تشکر، مقدمہ، حدیث دل یا دیباچہ کے بعد مقالہ کے مضامین کی فہرست کا صفحہ یا صفحات آتے ہیں اس سلسلہ میں متعلقہ ادارے کے اصولوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس میں بھی عمومی طور پر مندرجہ ذیل تین چیزیں شامل ہوتی ہیں۔

ا۔ فہرست عنوانات

ب۔ مزید علمی مواد کی فہرست

ج۔ جدول، گراف، نقشہ جات، تصاویر اور ضمیمہ جات کی فہرست

اس میں سابقہ اجزاء اور بقیہ دونوں حصوں کی فہرست ان کے صفحہ نمبر کے ساتھ تیار کی جاتی ہے۔یہ فہرست عنوانات سارے مقالہ کی تصویر ہے اگر یہ محنت اور تفصیل سے تیار کی جائے تو صرف اس فہرست کے پڑھنے سی ہی کتاب، مقالہ یا تحقیق کی قدر و قیمت یا

بے وزنی کا اندازہ ہو جاتا ہے اس فہرست میں نقشہ، جدول اور تصاویر وغیرہ کی فہرست بھی نمایاں انداز میں پیش کی جاتی ہے۔

پہلا حصہ مقالہ نگار یا محقق کے لئے اشتہار یا پراسپکٹس کی مانند ہے۔ اسی حصہ کو دیکھ کر ہر انسان ابتدائی سطح پر فیصلہ کر لیتا ہے کہ عمارت شاندار ہے یا کھنڈرات پر مبنی ہے۔

۱۔ فہرست مشمولات میں دو اشیاء بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ ابتدائی طور پر آپ فہرست موضوعات بنائیں گے اور اپنے مقالہ کے تمام ابواب، فصول، مطالب اور مباحث کے تمام عنوانات کو ان کے صفحہ نمبر کے بیان کے ساتھ اس میں سمو دیں گے۔ اس میں اس امر کی کوشش کریں کہ وہ تمام اہم عنوانات جو آپ کے مقالہ کی جان ہیں، خوبصورتی کا باعث ہیں، علمی وقعت کا آئینہ دار ہیں اور تحقیقی عمل کی مثال ہیں ان تمام کو واضح اور جلی حروف یعنی موٹے فونٹ سے اس فہرست میں واضح کریں۔ یہ بات واضح بھی ہو جانی چاہئے کہ ممتحن، قاری یا مطالعہ نگار نے جب آپ کی کتاب یا مقالہ کو دیکھنا ہے تو پہلے پہل اس نے آپ کی اس فہرست کا مطالعہ کرنا ہے۔ اگر آپ نے مقالہ کے اندر علمی خزانہ جمع کیا ہوا ہے لیکن مقالہ کی اس فہرست میں اس کا اندراج نہیں تو آپ کے تمام تحقیقی عمل کی حقیقت اور قدر و قیمت سے وہ آگاہ نہ ہو کر ہو سکتا ہے کہ اس کا مطالعہ نہ کرے یا اس کو وہ مقام نہ دے سکے جو اسلامی تحقیقی میدان میں اس کو حاصل ہے۔ اس لئے تحقیق مکمل کرنا اور پھر اس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا بھی اسلامی تحقیقی اصولوں کے دو بنیادی امور ہیں اور دوسرا عمل یعنی فائدہ پہنچانے میں فہرست عنوانات کی تفصیل سے تیاری کار تریاقی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

۲۔ پھر فہرست مشمولات کے دوسرے اہم حصہ میں آپ نے اپنی اس فہرست عنوانات کے علاوہ تمام کوششوں اور مساعی کو بھی روز روشن کی طرح واضح کر دینا ہے۔ تاکہ وہ ممتحنین اور مطالعہ کرنے والوں کی آنکھوں میں چھبیں اور وہ انہیں جادو وہ جو سر چڑھ

کے بولے، کے مصداق پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔

اس سلسلہ میں آپ کو نقشہ جات، تصاویر، شماریاتی خاکہ مختلف سائنسی خلیات، اور اس قسم کی مزید اقتصادی خاکوں کی فہرست علیحدہ صفحہ پر اوپر عنوان درج کر کے مثلاً فہرست نقشہ جات، فہرست نمونہ ہائے خطاطی، فہرست تصاویر، وغیرہ اور پھر ان کے صفحہ کے نمبر کے ساتھ فہرست عنوانات کے فوراً بعد بنانی پڑیں گی۔ تاکہ آپ کی تمام محنت اس فہرست مشمولات میں پڑھنے والے کے سامنے واضح، ظاہر اور نکھر کر سامنے آ جائے۔

یہ فہرست مشمولات کی بہترین انداز میں تیاری آپ کی ساری تحقیقی محنت، کوشش اور کاوش کو لباس مجاز سے حقیقت کے روپ میں سامنے لے آئیگی۔ اور اس کو دیکھنے والا پہلے تو آپ کی اس محنت پر آپ کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ کہ آپ نے کس طرح ایک مخفی خزانہ کو ظاہر کر دیا اور عوام الناس کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ دیا۔ (5)

ابتدائی حصہ میں صفحہ نمبر دینے کا طریقہ:

اسلامی تحقیقی اصولوں کے مطابق ابتدائی حصہ کے صفحات کو نمبر عدد یعنی ایک، دو، تین کے ذریعہ نہیں دیتے بلکہ حروف تہجی کے ذریعہ۔ ''ابجد۔ ھوز، حطی، کلمن وغیرہ'' دیتے ہیں۔ لیکن اگر عدد کے اعتبار سے بھی دے دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ حروف تہجی کے لحاظ سے سے صفحہ نمبر لگائے جائیں۔

ابتدائی حصے کے چند مزید اہم امور:

دیباچہ، حرف چند پیش لفظ، حدیث دل وغیرہ۔ یہ حصہ سرورق کے بعد آتا ہے۔ اور کبھی مقدمہ کا حصہ بن جاتا ہے کبھی علیحدہ بھی لکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ سرورق اور دیباچہ کے درمیان چند صفحات کو جن کی تعداد کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ پانچ ہو فنون لطیفہ سے مزین کرنا مقالہ کی تزئین، خوبصورتی اور علمی وقعت میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں اسلامی اصولوں کے مطابق ان صفحات میں موضوع سے متعلق چند اہم ترین

قرآنی آیات جو خطاطی کا نمونہ ہوں، کچھ احادیث یا جوامع الکلم، بعض اہم اشعار اہم جملہ جات یا اسلامی خطاطی کے نمونہ سمو دیئے جائیں۔ ان صفحات سے یہ بات عیاں ہوگی کہ محقق یا مقالہ نگار ذوق سلیم اور فنون لطیفہ کے جذبات کا حامل بھی ہے۔

دیباچہ وغیرہ بعض اداروں یا جامعات کے قواعد کے مطابق مشمولات یعنی فہرست مضامین کے بعد آنا چاہئے اور بعض کے قواعد کے مطابق اس سے قبل۔ اس سلسلہ میں قواعد کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ لیکن اگر یہ فہرست عنوانات کے بعد آجائے تو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا صفحہ نمبر اس فہرست میں شامل ہو جاتا ہے اور اگر پہلے آجائے تو ممتحن یا قاری فہرست کے مطالعہ سے قبل ہی مقالہ کی ھیئت ترکیبی اور اس کے خدوخال سے واقفیت حاصل کر کے فہرست موضوعات کا مطالعہ کرتا ہے تو فہرست اس کو اجنبی اور کوئی نئی چیز محسوس نہیں ہوتی اور اس کو تمام ابتدائی معلومات، مشکلات وغیرہ کے حصول کے بعد کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ فہرست کس قسم کی ہوگی۔ اس طرح ابتداء سے ہی اپنائیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۔ مقالہ کا دوسرا لازمی عنصر: مقالہ کا متن

متن مقالہ کسی مقالہ کا دوسرا اہم حصہ یا لازمی عنصر ہوتا ہے جو ہمیشہ لازمی طور پر ابتدائی حصہ کے بعد آتا ہے یہ حصہ مقالہ کی روح اور جسم ہوتا ہے جب کہ بقیہ حصہ اس کے نقش و نین، خوبصورتی تزئین اور کشش کا باعث ہوتے ہیں۔

اس حصہ میں مقالہ نگار اپنی علمی نگارشات اور موضوع سے متعلق جمع شدہ مواد کو تحقیقی انداز میں مختلف ابواب، فصول، مطالب اور مباحث وغیرہ میں تقسیم کر کے ان کے اندر سمو دیتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ ہر علمی موضوع کو اس کا مقام دے اور اس طرح سے سموئے کہ موتیوں کے ہار کی مانند ہر موتی کو اس کا مخصوص مقام دے کر اس کی اہمیت کو اجاگر کر دے اور پھر تحقیقی انداز کو اختیار کرتے ہوئے ہر علمی بحث کا نتیجہ اور اس کا حوالہ جس کا آغاز

بنیادی کتب و مآخذ سے ہو اور پھر ثانوی یعنی مراجع اور اضافی مآخذ بھی درج کر دیئے جائیں۔ متن مقالہ میں مختلف صاحب علم کی آراء، ان آراء میں ترجیحی آراء اور بعض کا محاکمہ یا محاسبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی علمی اور تحقیقی انداز اختیار کیا جائے گا اور اس ترجیح اور محاسبہ میں بھی اپنے دلائل اور صاحب علم لوگوں کی آراء کا حوالہ ضروری ہے۔

تحریر متن سے قبل علمی سائنسی و عملی تجربات وتحقیقات کا طریقہ:

بعض تحقیقات کا تقاضا ہوتا ہے کہ طالب علم ان میں انسان، حیوان یا نباتات سے متعلق ذاتی تجربات کی روشنی میں چلے اور بعض دیگر تحقیقات میں (جیسا کہ تاریخی، جغرافیائی اور معاشرتی مباحث ہیں) طالب علم کو کچھ مقامات کی سیر و سیاحت کی ضرورت ہوتی ہے یا تو جغرافیائی پہلوؤں میں سے کسی پہلو کا مشاہدہ کرنے کے لئے یا لوگوں کے حالات وطبقات اور باہمی رسوم ورواج کا مطالعہ کرنے کے لئے نیز کبھی ان کے نقطہ ہائے نظر معلوم کرنے اور ان کے خیالات کا جائزہ لینے کے لئے ان کا کلام سننے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے جس کو دور حاضر میں سروے (Surway) بھی کہا جاتا ہے۔

طالبعلم کو موضوع سے متعلق تحریری مواد کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تجربات اور سیاحت کو بروئے کار لانا چاہئے تاکہ وہ پیش آمدہ علم و تجربہ کی روشنی میں تحقیقات کو مکمل کر سکے، دوران بحث و تحقیق اسے تقابلی جائزہ پر قادر ہونا چاہئے، تاکہ متقدمین اہل قلم کے ساتھ اتفاق یا اختلاف رائے کر سکے۔

فنی تحقیق (جیسا کہ طب یا زراعت سے متعلق مقالات ہیں) میں اکثر و بیشتر طالب علم کے ذاتی تجربات پر اعتماد کیا جاتا ہے تجربات پر کام شروع کرنے سے پہلے مختلف غیر متعلقہ تجربات کا اس کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس میں تجرباتی قوت و اہلیت پیدا ہو سکے، نیز اس کی طبیعت حساس، مطمئن، نبرد آزما، استقلال پسند، جفاکش اور انتہائی درجہ دیانتدار ہونی چاہئے۔(6)

اس مرحلہ میں سپروائزر کے ساتھ رابطہ کی اہمیت:

متنِ مقالہ تحریر کرنے کے مرحلہ میں آپ نے اپنی ہر علمی تحریر کی منظوری اپنے نگران مقالہ سے لینی ہے۔اس سلسلہ میں یہ بات مقالہ نگار اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ اسے اپنے تحقیقی ذوق کو سپروائزر یا نگران مقالہ کے ذوق سے ہم آہنگ کرنا ہوگا اور مقالہ تحریر کرنے کے دوران اپنی تحریر شدہ عبارتوں کے بارے میں نگران مقالہ سے متواتر رائے لینی ہوگی۔

عمومی طور پر یہ صورت حال رونما ہوتی ہے کہ جب مقالہ نگار اپنے جمع شدہ مواد کو تحریری شکل میں ترتیب دینا شروع کرتا ہے تو اپنے طور پر یہ تصور کرتا ہے کہ اس کی تحریر اب بہت پختہ اور طریقہ بہت مضبوط ہے اور اس زعم میں اپنے تحقیقی کام کو جاری رکھتے ہوئے دو یا تین ابواب مکمل کرکے پھر نگرانِ مقالہ کو اس امید کے ساتھ پیش کردیتا ہے کہ وہ اب اس پر اسے شاباش دے گا، تعریف کرے گا اور اسے اسی نہج اور طریقہ پر کام جاری رکھنے اور مکمل کرنے کے بارے میں ہدایات دے گا۔لیکن اکثر اوقات صورت حال اس کے برعکس ہوجاتی ہے کیونکہ امیدوار یا مقالہ نگار اگر کہیں غلطی کرتا ہے اور اس کا احساس بھی اُسے نہیں ہوتا تو پھر غلطیوں پر غلطیاں ہی ہوتی جاتی ہیں اور تمام ابواب حوالہ نگاری، ترتیب، حاشیہ نگاری اور مختلف زاویوں سے متعدد اغلاط اور ان کے تکرار کا مجموعہ بن چکے ہوتے ہیں۔ نگران مقالہ کے ان تمام امور پر توجہ دلانے پر مقالہ نگار اس فکر کی وجہ سے مایوسیوں اور پریشانیوں کا شکار ہوجاتا ہے کہ اتنی محنت کرکے یہ ابواب ترتیب دیئے ہیں۔ اور ان پر دوبارہ محنت کرکے دوسری مرتبہ پھر نگران کی ہدایات کے مطابق مرتب کرنا پڑے گا۔

مقالہ نگار اس مرحلہ میں یہ بات ذہن میں رکھ لے کہ جونہی وہ متن تحریر کرنا شروع کرے، اور جیسے ہی پندرہ یا بیس صفحات تحریر کرلے فوری طور پر ان کو نگران مقالہ کی خدمت میں پیش کرکے ان صفحات پر اس کی رائے حاصل کرلے۔ پھر جب پہلا باب مکمل کرلے

تو یہ عمل دوبارہ کرے۔ دوسرے اور تیسرے باب کی تکمیل کے بعد بھی فوراً اس کے بارے میں نگران مقالہ سے مشورہ ضروری ہے۔ تحریر کے آخری مرحلہ میں مقالہ نگار سپروائزر کے مزاج سے کافی حد تک ہم آہنگ ہو چکا ہوتا ہے۔ مزید یہ بھی کہ اس نے اپنی تحریر و ترتیب میں کافی اصلاح کر لی ہوتی ہے اسلئے اب آخری ابواب میں نگران مقالہ سے بہت زیادہ مشاورت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب جب مقالہ مکمل ہو جائے تو پھر نگران کی خدمت میں پیش کر کے اس کے بارے میں آخری ہدایات حاصل کرے اور ان کے مطابق مقالہ ترتیب دے۔ (7)

تحقیقی مقالے کے متن کی دو اہم خصوصیات:

اس دوسرے حصہ میں محقق اپنی تحقیق سے قاری کو متعارف کراتا ہے۔ اسمیں اس کی تمام محنت اور کاوشوں کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مقالہ کو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کے ذریعہ کمپوز کرایا جائے۔ ٹائپ کیا جائے یا کتابت کی منزلوں سے گزرے۔ اس کی نظر ثانی ضروری ہے۔ نظر ثانی کے بعد اس کی تدوین کی جاتی ہے۔

تاہم مقالے کی تحریر میں دو خصوصیات ضروری ہیں۔ ایک سنجیدگی اور دوسرا تاثر۔ اچھے اور موثر اسلوب بیان کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ الفاظ کو نہایت احتیاط سے استعمال کیا جاتا ہے۔ لفظوں میں توانائی ہوتی ہے۔ اسکا استعمال عبارت میں حسن پیدا کرتا ہے۔ ضمائر متکلم کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ گنتی کے اعداد اگر سو تک ہوں تو ان کو حروف میں لکھا جاتا ہے۔ سو سے زائد گنتی کو اعداد میں لکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر جملے کی ابتدا گنتی سے ہو تو اس کو حروف میں ہی لکھا جاتا ہے۔ مقالے کے شروع میں جن اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوا ہے، اس مفہوم میں انہی الفاظ کا استعمال پورے مقالے میں کیا جاتا ہے۔ رائے قائم کرنے اور اس کے اظہار کے لئے صفات کے استعمال میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ''بے انتہا دلچسپ'' ''نہایت ہی عمدہ'' ''بالکل بے کار'' وغیرہ قسم

کی رائے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

مقالے کو ابواب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ذیلی عنوانات کو مختصر رکھا جا سکتا ہے۔ عبارت کو مسلسل لکھتے جانا متن کے نکھار کو گہنا دیتا ہے اس لئے لکھتے ہوئے تحریر میں پیراگراف ضرور بنائے جاتے ہیں۔ ایک پیراگراف میں اگر ایک ہی بات کی وضاحت ہو تو بہتر ہے۔ تحریر متن کے دوران ہر صفحہ پر ایک بنیادی عنوان یا ذیلی عنوان ضرور بنایا جائے۔ اقتباسات کی عبارت کو احتیاط سے نقل کیا جاتا ہے اور اسے واوین ("") میں رکھا جاتا ہے۔ اقتباس میں اگر ترجمہ دیا جائے یا حاشیئے میں اصل عبارت کا حوالہ دیا جائے تو بہتر ہے۔ ترجمہ کی عبارت کو بغیر واوین کے استعمال کیا جاتا ہے۔ اقتباس کی عبارت میں کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہو تو اسے بریکٹ () میں لکھا جا سکتا ہے یا اگر مصنف یا کاتب سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہو تو اس بھی بریکٹ () میں دیا جا سکتا ہے۔(8)

مقالہ کے متن کا اسلوب:

مقالہ کے متن کا اسلوب سادہ، عبارتیں عام فہم اور انداز بیان ادیبانہ اور عالمانہ انداز کا حامل ہونا چاہیے، عامیانہ انداز اور کج فہم عبارتوں کی تحریر سے پرہیز ضروری ہے۔ جس زبان میں مقالہ لکھ رہے ہیں اسی زبان کے الفاظ استعمال کریں، دوسری زبانوں کے الفاظ سے پرہیز کریں اگر دوسری زبانوں کے الفاظ یا عبارتیں دینا ناگزیر ہے تو پھر ان زبانوں کی عبارتوں کا اس زبان میں میں ترجمہ ضرور کیا جائے۔ اس امر کو بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ مقالہ کو دوسری زبان کی عبارتیں اور ان کے ترجمہ کا مجموعہ نہیں بنانا چاہئے بلکہ دوسری زبانوں کی عبارتوں کو بامر مجبوری نقل کر کے ان کا ترجمہ کریں مثلاً کسی علم یا ترکیب کی تعریف یا بہت اہم عبارت جو آپ کی تحریر کردہ زبان میں میسر نہیں وہ اسی زبان میں تحریر کریں جس طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اصول حدیث، اصول تفسیر، اقسام تفسیر، اصول فقہ، فقہ کی تعریف یا اسی طرح متعدد اہم مشکل الفاظ کے معنی آپ

دوسری زبان میں نقل کر کے ان کا ترجمہ دے سکتے ہیں لیکن عام عبارات کو اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اس کا خلاصہ لکھ کر نیچے حاشیہ میں حوالہ دے دیں تا کہ بے جا طوالت سے پرہیز ہو سکے۔(9)

متن مقالہ کی تحریر میں چار اہم امور:

تحریرِ متن میں ان چار امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(1) اندازِ تحریر

تحریر متن کے دوران حاشیہ میں حوالہ کتب کے سلسلہ میں بہت زیادہ کتب کے نام درج کرنا بے جا طوالت کے زمرہ میں آتا ہے۔ بنیادی مآخذ کا حوالہ دیں اور اس کے ساتھ ایک یا دو دوسری ثانوی یا اضافی کتب وغیرہ کا حوالہ دے دیں۔ یہی صورت حال اہم شخصیات یا مصنفین کتب کے حالات زندگی کے بارے میں مدنظر رکھنی چاہیئے۔ اور ان کے مختصر حالات جو دو یا تین سطور سے قطعاً زیادہ نہ ہوں اور سن وفات لکھنا کافی ہے۔ کیمپوز کراتے وقت اس کا فونٹ بھی زیادہ موٹا نہیں رکھنا چاہیے۔ بارہ سے سولہ فونٹ سے زیادہ مناسب نہیں۔ عبارتیں تحریر کرتے ہوئے درمیان میں عنوان اور ذیلی عنوان ضرور دیں۔ لیکن صفحات کے بعض حصہ غیر ضروری طور پر خالی نہ چھوڑیں اس سے آپ کے مقالہ کا اچھا تاثر قائم نہیں ہوگا۔ صفحہ کے دونوں اطراف میں ایک ایک انچ سے زیادہ حاشیہ نہ چھوڑیں اور اوپر نیچے کی اطراف میں اس سے زیادہ جگہ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔

اس سلسلہ کی مزید معلومات تمام اداروں اور جامعات کی ہدایات والی کتب سے یا نگران مقالہ سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں اور اسلوب کو اسی بیان کردہ انداز میں ترتیب دینا چاہیے۔ مزید جزم، قومہ، قوسین وغیرہ کا استعمال حسب حال تحریری اصولوں کے مطابق ضروری ہے۔(10)

(2) باب کا آغاز:

ہر باب کا آغاز نئے صفحے سے کریں اور باب کا مواد شروع کرنے سے پہلے ایک صفحہ لگائیں جس کے درمیان میں باب کا نمبر اور عنوان تحریر کریں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر باب کے شروع کرنے سے پہلے ایک رنگین صفحہ لگا دیں، اور ہر باب کے صفحہ کا رنگ، علیحدہ رکھیں تاکہ ابواب کی تلاش آسان ہو جائے۔ اگر فصول طویل ہوں تو نئی فصل نئے صفحے سے شروع کریں ورنہ تسلسل سے چلنے دیں اور عنوانات دیتے جائیں۔ ذیلی عنوان صفحے کی دائیں جانب درج کریں اور مواد بعد والی سطر سے شروع کریں۔

(3) نتائج:

بعض مقالات میں بحث و تحقیق کے دوران کچھ نتائج سامنے آتے ہیں ان نتائج کو اگر وہ بہت زیادہ اہم ہوں تو اُسی باب کے آخر میں نتائج یا خلاصہ بحث کے عنوان سے الگ لکھیں۔ یہ ملخص آپ کے مقالے کا اہم ترین حصہ ہوگا جس سے قاری اور ممتحن کو آپ کے کام کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا۔

(4) ملحقات (ضمیمہ جات):

اقتباسات کے زیر عنوان آپ پڑھ چکے ہیں کہ مقالہ کے اس دوسرے لازمی عنصر میں تحریر متن کے دوران کچھ مواد ایسا ہوتا ہے جو مقالے کے متن میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور اسے آخر میں ضمیمہ جات یا ملحقات کی شکل میں شامل کیا جاتا ہے جس کا مطالعہ آپ اسی باب کے آئندہ سطور میں بھی کریں گے۔(11)

متنِ مقالہ کی ضخامت:

مقالہ کا متن کتنے صفحات پر محیط ہو، اس کے بارے میں کوئی حتمی تعداد آج تک متعین نہیں کی جا سکی۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ تحقیق کا عمل علمی کوششوں اور مساعی کا نچوڑ

ہوتا ہے۔لہٰذا اس کو مختصر مگر جامع ہونا چاہیے غیر ضروری طوالت، بنیادی وثانوی اور اضافی مآخذ کے حوالہ جات کی بھر مار، دوسری زبانوں کی عبارتیں اور ان کے تراجم، شخصیات یا مصنفین کے حالات زندگی کے بیان میں غلو، ایک ہی قسم کی عبارتوں کی مختلف ابواب میں تکرار اور اس قسم کے اور کئی متعدد امور مقالہ کی ضخامت میں غیر ضروری اضافہ کا باعث بنتے ہیں اس طرح کے عمل جن کا ذکر آٹھویں باب کے عنوان ''اقتباسات کے استعمال میں احتیاط'' عنوان میں ہے سے مقالہ نگار یا محقق کا اجتناب کرنا ضروری ہے۔اس سلسلہ میں دوسری احتیاط یہ بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ ہماری تحقیق عام لوگوں کے سامنے کتاب یا مقالہ کی ہی صورت میں پیش ہوتی ہے تو وہ ان کے لئے پرکشش اور دلچسپی کا باعث ہو۔یہ نہ ہو کہ اس تحقیق کا مطالعہ انہیں بور کردے۔اکتاہٹ کا باعث بنے اور عامۃ الناس اس سے استفادہ ہی نہ کر سکیں۔

عمومی طور پر ایم اے کے سطح کی تحقیق میں سو سے ڈیڑھ سو صفحہ، ایم فل میں تین صد صفحات اور ڈاکٹریٹ میں زیادہ سے زیادہ پانچ صد صفحات کی مقدار ایک معیاری مقدار تصور ہوتی ہے۔یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ اس سلسلہ میں کوئی حتمی رائے آج تک قائم نہیں ہو سکی۔سائنسی میدان میں ایک صفحہ کا نیا کلیہ یا چند صفحات کی تحقیق پیش کرنے پر بھی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دی جاتی ہے۔جس طرح ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کے سکالر ڈاکٹر محمد سعود مرحوم نے ''ابن الہیثم کی سائنسی تحقیقات'' پر تقریباً 60 صفحہ کا مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔بعض مقامات پر سابقہ بیان کردہ مقدار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔اور چند میں اس سے کم مقدار یا زیادہ مقدار کا تعین بھی کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں نگران مقالہ کی مشاورت از حد ضروری ہے اور اُس کی رائے حتمی اور اسی کے مطابق مقالہ کی ضخامت کا تعین کیا جاتا ہے۔مزید اس سلسلہ میں متعلقہ ادارے کے قوانین کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔

۳۔مقالہ کا تیسرا لازمی عنصر: آخری حصہ یا حوالہ جاتی مواد

اسلامی تحقیقی اصولوں کے مطابق عام طور پر تحقیقی مقالہ کے اہم لازمی عناصر تین ہوتے ہیں ابتدائی حصہ، مقالہ کا متن اور آخری حصہ یا حوالہ جاتی مواد۔ آخری حصہ کسی حوالہ کی سند اور اس کے اعتماد کا باعث بنتا ہے۔اس حصہ سے مقالہ کی قدر و قیمت، تحقیق کا خلاصہ، اپنی تحقیق کے بارے میں مقالہ نگار کی رائے، اور تحقیقی مقالہ میں علمی سرمایہ کاری کی مقدار کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔تحقیقی مقالہ کے ممتحنین اساتذہ کرام یا مطالعہ نگار جب اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے مقالہ کی ابتدائی اور آخری حصہ کا مطالعہ کر کے مقالہ کی قدر و قیمت اور اس کی گہرائی و گیرائی کا کافی حد تک اندازہ کر لیتے ہیں۔اس لئے یہ حصہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کی تیاری میں بھی محقق یا مقالہ نگار کو خصوصی محنت کرنی پڑتی ہے۔

آخری حصہ کے دس اہم امور:

یہ آخری حصہ عمومی طور پر دس امور پر مشتمل ہوتا ہے۔موضوع یا حالات کے مطابق ان میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔لیکن اکثر جامعات و ادارہ اس آخری حصہ میں ان دس اجزاء کے شامل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔

۱۔ خلاصہ مقالہ

۲۔ نتائج تحقیق

۳۔ تحقیقی موضوع کے بارے میں سفارشات

۴۔ قرآنی آیات جو مقالہ میں موجود ہیں، ان کی فہرست

۵۔ احادیث مبارکہ کی فہرست

۶۔ مصادر و مراجع یعنی کتابیات کی فہرست

۷۔ شخصیات کی فہرست

۸۔ بلاد، امصار اور اماکن کی فہرست

۹۔ ضمیمہ جات و ملحقات

۱۰۔ مزید اہم اقوال، یا واقعات کے ماہ و سال کی فہرست وغیرہ

یہ تمام دس اجزاء عام فہم اور خود اپنی تشریح کر رہے ہیں۔ گویا کہ اس حصہ میں تمام مقالہ کی قرآنی آیات، احادیث نبوی ﷺ مزید مختلف علماء کرام، یا سکالرز کے اقوال زریں، شخصیات، کتابیات، مقالہ میں مذکور شہروں ملکوں وغیرہ کے نام اور تمام اہم اشیاء کا خلاصہ اور نچوڑ فہرستوں کی صورت میں جمع کر دینا ہوتا ہے تاکہ اس کا مطالعہ کر کے یہ بات واضح ہو جائے کہ مقالہ نگار نے اتنی محنت کی ہے۔ اِن امور میں سے چند کی تشریح درج ذیل ہے۔

نتائج، خلاصہ اور سفارشات:

بعض مقالات کے خصوصی نتائج ہوتے ہیں جو تحقیق سے بطور کل حاصل ہوتے ہیں، ان نتائج کو مقالہ کے آخر میں ایک خاص عنوان کے تحت درج کیا جانا چاہئے مثلاً یہ عنوانات ہو سکتے ہیں ''اہم نتائج'' ''خلاصہ تحقیق'' ''حاصل بحث''۔ اور اس خلاصہ کے بعد اپنے موضوع سے متعلق ''سفارشات'' بھی مرتب کیئے جاتے ہیں۔ ان سفارشات میں تحقیق نگار اپنے عنوان یا مقالہ سے متعلق وہ امور جن پر ابھی مزید تحقیق کرنے کی ضرورت ہے واضح کرتا ہے۔

اس خلاصہ کی ترتیب وتحریر میں انتہائی توجہ سے کام لینا ہوگا، اکثر یہ ہوتا ہے کہ مقالہ پڑھنے والا پہلے ان پر نگاہ ڈالتا ہے تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ یہ مقالہ قابل مطالعہ بھی ہے یا نہیں، اس تلخیص میں مقالہ کے جدید پہلو ذکر کیئے جاتے ہیں، گویا یہ خلاصہ طالب علم کی ثقافت عامہ کے سلسلے میں اس مقالہ کے ذریعے کی گئی خدمت کی پیشگی تصویر ہوتی ہے۔

ملحقات، ضمیمہ جات اور وثیقے:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ محقق کے سامنے دوران تحقیق کچھ ایسے نکات آتے ہیں جن کا موضوع کے ساتھ گہرا تعلق نہیں ہوتا ہے، محقق انہیں موضوع کے تسلسل سے منقطع ہونے کے اندیشہ کی بنا پر مقالہ کے متن میں لانے سے قاصر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ انہیں مختصر ہونے کی صورت میں حاشیہ میں بیان کر دیتا ہے لیکن اگر وہ لمبے اور مفصل ہوں تو انہیں ضمیمہ کی شکل دے کر مقالہ کے آخر میں لگا دیتا ہے۔ مثلاً جب آپ بنو عباس کے وزراء میں سے برامکہ پر بحث کر رہے ہوں ان کا نسب، ان کی ثقافت اور ان کے پہلے عباسی خلیفہ سے لیکر عباسیوں کے ساتھ تعلق، پھر یحییٰ بن خالد برمکی کی رشید پر مہربانی اور جن ایام میں وہ ہادی سے لرزاں و ترساں تھا ان دنوں کا ذکر کر رہے ہوں یا پھر آپ رشید کے خلافت سنبھالنے کے بعد برامکہ کو شان و شوکت عنایت کرنے پر گفتگو شروع کر دیں کہ اس نے کیسے حکومت ان کے ہاتھ میں دی اور وزارت ان کے سپرد کر دی، اس کے بعد آپ اسلام میں وزارت کے تصور پر اظہار رائے کرنا چاہیں کہ آیا وزارت نامزدگی کے ذریعے ہو یا بصورت انتخابات اور ہر ایک کی شروط و امتیازات بیان کرنا چاہیں تو اسلام میں وزارت پر مقالہ بطور ضمیمہ مقالہ کے آخر میں ہوگا۔

گویا کہ اگر آپ اپنا مقالہ مکمل کرنے کے بعد مزید کچھ تحقیقی مواد اس میں لکھنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں مقالہ کی صفحہ بندی اور ترتیب میں بے قاعدگی پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے لہٰذا آپ اس ترتیب کو ویسے ہی برقرار رکھ کر اس مزید تحقیق کو آخر میں ضمیمہ جات اور ملحقات کی صورت میں لگا دیں اور ان کا حوالہ مقالہ کے سابقہ مقام پر دے دیں۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ضمیمہ جات بہت زیادہ نہ ہوں ایک، دو، تین یا زیادہ سے زیادہ پانچ تک قابل برداشت ہیں۔ اس سے زیادہ مقالہ کی خوبصورتی پر اثر انداز ہوتے ہیں، یہ تو ممکن ہے کہ آپ نے کسی عدالتی نظام یا دستوری طریق کار یا اس قسم کے عنوان پر کام کیا

ہے تو ان کے ایکٹ (Act) کی اصل کا پیاں، ترمیم شدہ کا پیاں یا ان سے متعلق فیصلہ جات جن کو مقالہ کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا وہ آخر میں ضمیمہ جات کی صورت میں لگا دیں اور ان کی تعداد کا انحصار اس وقت تک موجودہ قواعد کی کتب پر ہے اس میں تعداد بندی ممکن نہیں لیکن نظریاتی یا تاریخی تحقیق میں زیادہ ضمیمہ جات یا ملحقات مقالہ کے ساتھ ملحق کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

آخری حصہ کے یہ دس اجزاء واضح ہیں ان کی مزید تشریح کی خاص ضرورت نہیں ہے۔

حوالہ جات

ساتواں باب (فصل اول)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ تحقیق نگاری/97 مزید ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن/65

۲۔ حوالہ سابقہ

۳۔ احمد شبلی/119

۴۔ احمد شلبی/150-141

۵۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن 65-67

۶۔ احمد شبلی/100

۷۔ حوالہ سابقہ/62 مزید تحقیق نگاری/38

۸۔ تحقیق نگاری/27

۹۔ احمد شبلی/119

۱۰۔ حوالہ سابقہ

۱۱۔ تبسم کشمیری۔ ادبی تحقیق کے اصول/70

ساتواں باب

فصلِ ثانی

تحقیقی مقالہ کے مراحل اور مراجع ومصادر کی اہمیت

اِسی باب کی فصل اول میں آپ ایک تحقیقی مقالہ یا تحقیقی عمل کے تین لازمی عناصر (مشمولات) کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہ تمام عناصر مختلف مراحل میں پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تمام لازمی عناصر کو یکدم عدم سے وجود بخش دیا جائے، بلکہ یہ تمام عناصر مختلف معین اوقات میں متعدد مراحل طے کرتے ہوئے بالآخر ایک جاندار اور صحت مند علمی مقالہ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اِن مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تحقیقی مقالہ کے سات مراحل:

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے اس دنیا میں سات مراحل رکھے ہیں۔ جس کا ذکر سورہ الحج آیت نمبر ۵ میں کر دیا ہے اور وہ مراحل درج ذیل ہیں۔

(۱) تراب (۲) نطفہ (۳) علقہ (۴) مضغہ (۵) طفولیت (۶) جوانی (۷) موت

اسی طرح تحقیقی عمل میں بھی مقالہ نویسی دراصل کسی ذرہ کو آفتاب بنانے کے مترادف ہے۔ یعنی کسی موضوع کو عدم سے وجود بخشنا ہے۔ اس عمل کے بھی عمومی طور پر درج ذیل سات مراحل ہوتے ہیں۔

۱۔ موضوع کا انتخاب

۲۔ موضوع کے مطابق خاکہ تیار کرنا

۳۔ خاکہ کو منظوری کے لئے پیش کرنا

۴۔ خاکہ کی منظوری کے بعد مقالہ تحریر کرنا

۵۔ مقالہ مکمل کر لینے کے بعد متعلقہ ادارہ میں اسے جمع کرانا

۶۔ مقالہ کی ممتحنین سے رپوٹیں آنے کے بعد ان کی ھدایات کے مطابق اس میں تصیح کرنا۔

۷۔ زبانی امتحانی (Viva Voce) کی تیاری کر کے اس میں کامیاب ہونا۔

اولین تین مراحل کی تفصیل سابقہ اوراق میں ہے:

ان سات مراحل میں سے اول الذکر تین کے بارے میں پانچویں، چھٹے باب اور اس باب کے سابقہ اوراق میں انہیں عناوین کے تحت بحث گزر چکی ہے اس کا مطالعہ کر لینا چاہئے۔ خاکہ مقالہ کی مختلف کمیٹیوں سے منظوری کے بعد نگران مقالہ کی ھدایات کے مطابق اس کو تحریر کرنا شروع کر دینا چاہئے اس کو "تحریر مقالہ" کا مرحلہ کہتے ہیں اور یہ مرحلہ مقالہ سازی میں روح کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں متعدد امور اس باب کے سابقہ عنوان "مقالہ کا دوسرا لازمی عنصر: مقالہ کا متن" میں بھی موجود ہیں اُن کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

تحقیقی مراحل میں وقت کا تخمینہ اور اندازہ:

سات تحقیقی مراحل، جن کا آپ نے ابھی مطالعہ کیا ہے، میں اول الذکر چار مراحل میں کتنا وقت صرف ہوگا اُس کا اندازہ درج ذیل ہے۔

	کم از کم مدت	زیادہ سے زیادہ مدت
۱۔ انتخاب موضوع	۳ ماہ	۶ ماہ
۲۔ خاکہ سازی	۳ ماہ	۶ ماہ
۳۔ خاکہ منظوری کے لئے پیش کرنا اور اس کی منظوری	۶ ماہ	۱۲ ماہ

۴۔ تحریر مقالہ

الف: حصولِ مواد، جمع کتب یا متعلقہ مواد	۶ ماہ	۱۲ ماہ (ایک سال)
ب: انتخاب مواد	۶ ماہ	۸ ماہ
ج: تحریر مواد، ترتیب وتزئین مواد	۴ ماہ	۸ ماہ
د: اشاعت مواد (کمپوزنگ)	۲ ماہ	۴ ماہ
د: پروف ریڈنگ	۱ ماہ	۲ ماہ
و: بائنڈنگ وغیرہ	۱ ماہ	۲ ماہ
میزان	۳۲ ماہ (دوسال آٹھ ماہ)	۶۰ ماہ (پانچ سال)

بقیہ تین مراحل کا تعلق طالب علم سے نہیں بلکہ متعلقہ ادارہ، یونیورسٹی یا کالج سے ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں وقت کا تعین بہت مشکل مسئلہ ہے کیونکہ برصغیر اور خصوصاً پاکستان میں مختلف اداروں کے اصول وضوابط اور روایات میں کافی فرق ہوتا ہے اور وقت کا تعین اُن روایات کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اس لئے باقی مراحل کے بارے میں وقت کا تخمینہ طالب علم متعلقہ ادارے کے اساتذہ کرام سے پوچھ کر خود کر سکتا ہے۔

اس تخمینہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر محقق کی قسمت اچھی ہوئی اور مقدر نے بھی ساتھ دیا تو اس کی کوششوں کی وجہ سے اس کا ایم فل یا ڈاکٹریٹ کا مقالہ کم از کم تین سے چار سال کے اندر تمام مراحل طے کرے گا اور ڈگری اس کے ہاتھ میں ہوگی اور اگر حالات اس قسم کے نہ ہوئے تو پھر پانچ سال سے زیادہ عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔ اِس تخمینہ میں کورس ورک (Course Work) کی مدت شامل نہیں ہے۔

وقت کے تخمینہ کے بارے میں تین اہم امور:

اس تخمینہ کے بارے میں تین امور ذہن میں رکھنے چاہیئے۔

(1) وقت کا یہ تخمینہ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے مقالہ جات سے متعلق ہے۔ جہاں تک

ایم اے کے مقالہ جات ہیں تو ان میں برصغیر اور پاکستان کے حالات کے مطابق مقالہ نگار باقاعدہ کلاسوں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ مقالہ کے مراحل کو بھی مکمل کرتے رہتے ہیں حتی کہ کلاسوں سے فارغ ہونے سے قبل ہی ان کے خاکہ کی منظوری بھی ہو چکی ہوتی ہے اور وہ دوران تعلیم مقالہ کا کچھ حصہ بھی مکمل کر چکے ہوتے ہیں لہٰذا اس تخمینہ کا اطلاق اس ابتدائی سطح کے تحقیقی عمل پر نہیں ہوتا۔ پھر ایم اے کی سطح پر امیدوار یا طالب علم کو تحقیقی عمل سے آشنا کرنے، یا تحقیقی مراحل کا ذائقہ چکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اصل تحقیق ایم فل یا ڈاکٹریٹ میں ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض قابل طالب علم ایم اے میں بھی تحقیق کر کے داد وصول کر رہے ہوتے ہیں لیکن عمومی طور پر ایم اے کے مقالہ نگار سے مثالی تحقیق مطلوب نہیں ہوتی۔

(2) دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ یہ وقت کا تخمینہ ان مقالہ نگاروں کیلئے ہے جو تحقیقی عمل میں پوری طرح مکمل یا جزوی طور پر منہمک ہو جاتے ہیں۔ مکمل سے مراد یہ ہے کہ تمام امور مثلاً ملازمت اور دیگر مصروفیات کو چھوڑ کر پورا وقت تحقیقی عمل کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ جزوی طور سے مراد یہ ہے کہ مقالہ نگار سارے دن میں سے باقاعدہ کچھ مخصوص وقت تحقیقی عمل کے لئے وقف کرتے ہیں۔ یہ دونوں تخمینہ ان دو قسم کے مقالہ نگاروں کے لئے ہیں۔ اگر مقالہ نگاران دو اقسام میں سے نہیں اور موضوع مقالہ منظور ہو جانے کے بعد آرام سے خرگوش کی مانند سو گیا اور کھو گیا تو اس کے لئے یہ تخمینہ نہیں ہے۔

(3) اس سلسلہ میں تیسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ان سات مراحل میں سے اول الذکر چار کا تخمینہ یا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا تعلق مقالہ نگار اور نگران مقالہ یا متعلقہ اساتذہ کرام سے ہے۔ آخری دو کے وقت کے بارے میں پاکستان کی معروضی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا پانچویں مرحلہ

کے بعد مقالہ نگار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اس سے دعائیں مانگتا رہے اور گاہے بگاہے اپنے نگران مقالہ اور متعلقہ ادارے یا یونیورسٹی کے صدر شعبہ اور دوسرے ارباب اختیار سے ملاقات کر کے ان کو اپنے مقالہ سے متعلق حکیمانہ انداز میں یاددہانی کراتا رہے۔ اگر اس طریقہ کو اختیار کیا جائے تو کافی حد تک امید ہے کہ کم از کم ایک سال اور زیادہ سے زیادہ تین سال میں اس کے آخری مراحل بھی طے ہو جائیں گے۔

چوتھا مرحلہ (تحریرِ مقالہ) کے مزید چھ حصے:

چوتھے مرحلہ کو پھر مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہیں۔ ان کی تفصیل آئندہ سطور میں بھی بیان ہوگی۔

۱۔ حصولِ مواد، جمع کتب یا متعلقہ مواد (Collection of data/material)

۲۔ انتخابِ مواد (Selection of data/material)

۳۔ تحریرِ مواد اور ترتیب و تزئین مواد (Analiysis and writing of data/material)

۴۔ کمپوزنگ یا اشاعت مواد (Composing)

۵۔ پروف ریڈنگ (Proof Reading)

۶۔ مقالہ کی جلد بندی (Binding)

چوتھے مرحلہ کے مکمل ہو جانے کے بعد پھر تین مراحل باقی رہ جاتے ہیں جن کی تفصیل اس باب کے آخر اور آٹھویں باب میں ہے، ان مراحل کو طے کرنا بھی از حد ضروری ہے۔

تحقیق مقالے کے چوتھے مرحلے کے متعدد حصوں کی مزید تشریح:

چوتھے مرحلہ کے بارے میں کچھ ہدایات اسی باب کے سابقہ عنوان ''مقالہ کے

لازمی تین عناصر" یعنی مشمولاتِ مقالہ میں سے دوسرا عنصر "مقالہ کا متن" میں بھی موجود ہیں۔ گویا کہ یہ مرحلہ مقالہ کے متن کو مکمل کرنے کی کوشش ہے اور مقالہ کا یہ حصہ اس کی روح اور جسم ہوتا ہے۔ اور یہ مرحلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس مرحلہ کو "تحریر مقالہ" کا مرحلہ کہا جائے گا۔ حالانکہ اِس میں مقالہ سے متعلقہ مواد جمع بھی کیا جائے گا، اُس کی ترتیب و تزئین بھی ہوگی، کیمپوزنگ پروف ریڈنگ بھی ہوگی اور مقالہ کو جلد کر کے متعلقہ ادارہ میں جمع بھی کرایا جائے گا۔ لیکن یہ تمام امور مقالہ کو لکھنے یعنی تحریر کرنے سے متعلق ہیں اِس لئے اِس چوتھے مرحلہ کو اِس تمام وسعت کے باوجود "تحریر مقالہ" کا مرحلہ کہا جائے گا۔

اس مرحلہ کے چھ حصوں کو پھر دو درجات میں تقسیم کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں اِن چھ حصوں میں اولین تین حصہ بہت زیادہ اہم ہیں۔

(ا) پہلے تین حصہ:

۱۔ حصولِ مواد، جمع کتب یا جمع مواد (Collection of data/material)

۲۔ انتخاب مواد (Selection of data/material)

۳۔ تحریر مواد، ترتیب و تزئین مواد (Analysis and writing of data/material)

(ب) آخری تین حصہ:

۴۔ کمپوزنگ یا اشاعت مواد

۵۔ پروف ریڈنگ

۶۔ مقالہ کی جلد بندی اور اُس کو متعلقہ ادارہ میں جمع کرانا۔

یہ آخری تین حصہ اس مرحلہ کا اختتامی حصہ ہیں اور ان کا انحصار بھی پہلے تین حصوں پر ہے۔

اس مرحلہ کے پہلے تین حصوں کو آپ بیک وقت بھی شروع کر سکتے ہیں اور ان تمام کے لئے علیحدہ علیحدہ اوقات متعین کر کے ان معینہ اوقات میں بھی ان تین مراحل کو سرانجام دیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ متن مقالہ کو تحریر کرتے ہوئے اختتامی عرصہ میں بسا اوقات ان تینوں مراحل کو اکھٹا بھی کرنا پڑتا ہے۔

(1) چوتھے مرحلہ کا پہلا حصہ (حصولِ مواد)

حصولِ مواد یا جمع کتب ومواد کی اہمیت واحتیاطیں:

حصولِ مواد یا جمع کتب یعنی اِس چوتھے مرحلہ کے پہلے حصہ میں مقالہ نگار خاکہ منظور ہوتے ہی نگران مقالہ سے مشاورت کے بعد اپنے موضوع سے متعلق کتب، رسالہ جات، سی ڈیز، رپورٹیں، تحقیقی مقالہ جات، اپنے ذاتی نوٹ، مضامین، سروے رپورٹ، یا سائنسی اور تجرباتی تحقیق میں متعلقہ ذرائع سے مواد اکٹھا کرنا شروع کر دے گا۔

اسے جس جگہ لائبریری، انٹرنیٹ، تقاریر، انٹرویو، یا سروے کے علاوہ اپنے موضوع یا عنوان سے متعلق مزید بصری وسمعی مواد وغیرہ ملنے کی امید ہوگی وہاں پہنچ کر فوری طور پر اپنے موضوع سے متعلقہ کتب، فوٹو کاپی، سی ڈیز، انٹرنیٹ سے پرنٹ، انٹرویو، تجرباتی رپورٹیں وغیرہ اکٹھا کر کے اسے اپنے مطالعہ گاہ میں رکھتا جائے۔ اس پہلے حصہ میں اس نے کوشش کرنی ہے کہ صرف موضوع سے متعلق مواد اکٹھا کرتا جائے۔ مزید مراحل یعنی اس مواد کا مطالعہ اس سے اپنے متعلقہ مواد کا انتخاب، اس منتخب مواد کی ترتیب وتحریر ان تمام امور کو اگر وہ ابتدائی سطح پر چھوڑ کر کچھ مدت کے لئے صرف جمع مواد میں پوری تندہی دکھائے اور اس پہلے حصہ میں خاطر خواہ مواد جمع کر لے تو پھر باقی امور ومراحل میں اسے مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس پہلے حصہ میں اگر وہ بنیادی مآخذ، ثانوی اہم مآخذ یعنی مراجع اور اہم اضافی مآخذ مثلاً اصول فقہ حنفی میں اصول سرخسی، اصول البزدوی جیسی بنیادی کتب اور کشف الاسرار شرح اصول البزدوی یا حجۃ اللہ البالغۃ جیسے ثانوی اہم

مآخذ اور اہم جرائد پچاس سے لے ایک صد کے قریب اکٹھے کر لیتا ہے تو پھر نگران مقالہ کو لسٹ دکھا کر اس مرحلہ کے دوسرے حصہ یعنی ان مآخذ میں سے اپنے متعلقہ مواد کا انتخاب شروع کر سکتا ہے۔

اس مرحلہ کے اس پہلے حصہ میں مقالہ نگار کو نظریاتی یا بنیادی تحقیق جسے خالص تحقیق کا نام بھی دیا جاتا ہے میں کتب اور مزید متعلقہ مواد اکٹھا کرنے کا ایک جنون سوار ہو جائے اور جس لائبریری، ذاتی کتب خانہ، کتاب گھر، کمپیوٹر ہاؤس، انٹرنیٹ وغیرہ میں اسے اپنے مواد ملنے کی امید ہو وہ وہاں پہنچ جائے اور اپنے موضوع سے متعلقہ تمام کوائف حاصل کر لے، اس حصہ میں اس نے اس امر کا جائزہ نہیں لینا کہ اس کتاب، مقالہ، نوٹ وغیرہ میں اس سے موضوع سے متعلقہ مواد معقول درجہ کا ہے۔ بہت زیادہ ہے یا تھوڑا ہے بلکہ جہاں سے یہ امید بھی ہے کہ متعلقہ موضوع کے کسی ایک مختصر سے گوشہ یا کونہ کا مواد اس میں مل سکتا ہے اس کتاب/نوٹ وغیرہ کو فوراً حاصل کر کے اپنی مطالعہ کی میز پر اکٹھا کر لے۔ چوتھے مرحلہ کے اس ابتدائی حصہ میں نوٹس، فوٹو کاپی، انٹرویو، سروے وغیرہ کے دوران اس بات کا بخوبی اہتمام کرنا ہے کہ ان کے مکمل حوالہ بھی اکٹھے کرنے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کتاب یا ویب سائیڈ سے چند اوراق فوٹو کاپی کرائے ہیں یا اُن کا پرنٹ لیا ہے تو اس میں سے درج ذیل مزید اشیاء بھی ضرور فوٹو کاپی کرانے ہیں۔(1)

۱۔ متعلقہ اوراق

۲۔ سرورق اور اندرونی صفحہ

جس پر مطبوعہ، پریس اور سن اشاعت وغیرہ کا اندراج ہوتا ہے، ویب سائیڈ/ای میل ایڈریس وغیرہ

۳۔ اس کتاب کی فہرست موضوعات

یہ تمام چیزیں اس مرحلہ کے بقیہ حصوں میں آپ کے بہت مدد ومعاون ہوں گی مثلاً آپ نے کتاب کے پچاس اوراق اور فہرست موضوعات وغیرہ فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس

رکھ لی ہے اور اب ان اوراق سے منتخب مواد اکٹھا کرتے ہوئے آپ کو محسوس ہوا کہ اس کتاب سے تو میں مزید معلومات بھی لے سکتا ہوں تو آپ کو دوبارہ اس کتاب کو دیکھنے کے لئے سفر نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ آپ فوراً اس کتاب کی فہرست موضوعات کا مطالعہ کر کے تسلی کر سکتے ہیں کہ آپ کا اندازہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ اسی طرح کتابیات کی فہرست بناتے ہوتے یا کتاب کا پہلی مرتبہ حوالہ دیتے ہوئے آپ کے لئے سرورق اور دوسرا صفحہ مد و معاون ہوگا۔ اس لئے جمع مواد میں حوالہ بھی ساتھ لکھنے کا خصوصی اہتمام کرنا ہے۔ اور اگر انٹرنیٹ سے معلومات حاصل کی ہیں تو ویب سائیڈ اور دوسرے متعلقہ امور کو ضرور سمیٹ لیں۔

چوتھے مرحلہ میں حصول مواد یا جمع مواد کے مختلف طریقہ:

اسلامی اصول تحقیق کے مطابق تحقیق کا آغاز پہلے ان تمام کتابوں سے ہونا چاہئے جو موضوع سے متعلق ہوں۔ یہ تحریری مواد قرآن، حدیث فقہ علم الکلام کی کتب اور انسائیکلو پیڈیا، لغات، تذکرہ مشاہیر، سوانح حیات، فہرست مخطوطات، فہرست نایاب کتب، فہرست مطبوعات غیر مطبوعہ مقالات، کتابیات، اخبارات و رسائل کے فائل، روداد ین اور مستقل تصنیفات سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لائبریری سے مواد حاصل کرنے کا ایک پرانا طریقہ کار تھا۔ جو مسلمانوں کا ایجاد کردہ تھا لیکن دور حاضر میں تقریباً تمام لائبریریوں کا نظام عام طور پر ڈیوی اعشاری نظام کے تحت چلتا ہے۔ اس نظام سے واقفیت محقق کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ اس لائبریری سسٹم کو سمجھنے کے بعد طالب علم خود مطلوبہ مواد تلاش کرسکتا ہے۔(2)

مواد کی فراہمی، تحقیق کی ایک اہم منزل ہے۔ محقق کو اس منزل تک پہنچنے میں بہت سی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق عزم صمیم اور قوت ارادی ان کٹھن راستوں کو آسان بنا دیتی ہے۔ محقق مواد کو سارے ممکن ذرائع سے اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عام طور پر مواد حاصل کرنے کے تین اہم

ذرائع ہیں۔ ایک لائبریری اور دوسری عوامی تیسرا فنی یعنی کمپیوٹر ای میل وغیرہ۔ لائبریری کے ذریعے کثیر مقدار میں مواد کا سرمایا جمع ہو سکتا ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ ایک کتب خانے میں تحقیق کا پورا مواد مل جائے۔ بعض چیزیں ملک کی مختلف لائبریریوں، ذاتی کتب خانوں، عجائب گھروں اور آرکائیوز کے شعبوں وغیرہ میں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ بہر حال یہ پہلا ذریعہ ہے۔

مواد کی فراہمی کا دوسرا ذریعہ عوامی ہے۔ بعض اوقات، واقعات اور روایات کی تصدیق عوام کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ عوامی ذرائع میں عام طور پر سوال نامے، انٹرویو اور سروے شامل ہیں۔ ان ذریعوں سے بہت سی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور تیسرے ذریعہ سے معلومات انٹرنیٹ، اور دور حاضر کے مزید جدید ذرائع ای میل، ویب سائیڈ وغیرہ کی مدد سے حاصل کی جاتی ہیں۔

تحقیقی عمل میں مواد کی تلاش وجستجو بنیادی ذرائع سے ہوتی ہے۔ بنیادی ذرائع سے حاصل کیا ہوا مواد مستند ترین ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو یہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف مجبوری کی حالت میں ثانوی ذرائع کی صرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ایک کتاب عربی میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ اگر محقق عربی جانتا ہو تو اسلامی اصول کے مطابق اصل کتاب سے استفادہ کرے نہ کہ ترجمے سے۔ کیونکہ ترجمہ ثانوی درجے کی حیثیت رکھتا ہے۔ عام طور پر تجربے، ذاتی تفتیش و تلاش، انٹرویو، سوالنامے، تحقیقی مقالات ومضامین، خطوط، ڈائریاں، خودنوشتہ سوانح عمریاں، متن اور ادب کی تخلیقی تحریریں، حکومت، بورڈ، تحقیقی ادارون، دانش گاہوں وغیرہ کی رودادیں، اخبارات، مخطوطات اور فرامین وغیرہ کو بنیادی ذرائع میں شمار کیا جاتا ہے۔ تحقیق میں جن حقائق کو دریافت کیا جاتا ہے، بنیادی مآخذ حوالہ بہم پہنچاتے ہیں۔ ثانوی مآخذ پر صرف بھروسہ کر کے لکھا جاتا ہے، جو غیر سائنسی طریقہ کار ہے، جس کی تحقیق میں گنجائش نہیں۔ (3)

جمع مواد کے مزید طریقے: سروے، سوال نامے، انٹرویو وغیرہ:

تحقیق کا کوئی موضوع ہو مواد کی فراہمی اور معلومات کا حصول، سوال نامے، انٹرویو، نمونے، سروے اور کیس اسٹڈی کے ذریعے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ سوالنامے مزید تحقیق کے لئے رجحانات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس میں صرف ایسے سوال پوچھے جاتے ہیں جن کے جواب دوسرے ذرائع سے نہ مل سکتے ہوں۔ سوال نامہ مختصر اور عمدگی سے ترتیب دیا ہوا ہوتا ہے۔ ہدایت واضح اور مکمل ہوتی ہیں۔ ایک سوال میں صرف ایک بات پوچھی جاتی ہے۔ سوالات صرف نفس امر سے متعلق ہوتے ہیں۔ سوالات کی عبارت واضح ہو، جواب دینے کا طریقہ بھی واضح انداز میں بیان کیا گیا ہو۔ سوال نامہ میں کہیں کوئی ایسی عبارت نہ ہو جس سے جواب دینے والا پریشانی کا شکار ہو جائے یا اُسے سمجھ نہ پائے۔ سوال کرنے والا یعنی محقق اپنا پتہ واضح صورت میں علیحدہ لکھے مزید دور جدید کے تقاضوں کے مطابق موبائل نمبر اور ای میل ایڈریس بھی ساتھ لکھے۔ اگر سوال نامہ کا جواب بذریعہ ڈاک منگوانا ہو تو جوابی لفافہ پر اپنا پتہ اور ڈاک ٹکٹ لگا کر ساتھ بھیجے تا کہ جواب دینے والے کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

انٹرویو یا باضابطہ ملاقات بھی ایک طرح کا سوال نامہ ہے۔ اس میں سوالات تحریری شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ جس سے انٹرویو لیا جا رہا ہے اس کی سہولت کے مطابق انٹرویو کے لئے وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ غیر متعلق سوالات سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ جواب اسی وقت لکھ لئے جاتے ہیں یا ٹیپ ریکارڈ کر لئے جاتے ہیں۔ نظریاتی مباحث اور عقیدوں کی چھان بین کے لئے یہ بہت موثر ذریعہ ہے۔ انٹرویوز کی وڈیو فلم یا فوٹو گرافی بھی دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ضروری ہے۔ اگر آپ انٹرویو یا کسی اور قسم کا فوٹو وغیرہ مقالہ میں لگانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں فوٹو کے نیچے وقت، تاریخ اور مقام کا حوالہ دینا ازحد ضروری ہے۔

مطالعہ احوال یا کیس اسٹڈی کا مطلب کسی فرد، واقعہ یا ادارہ یا جماعت کے احوال کی مفصل وضاحت اور تجزیہ ہے۔ کیس اسٹڈی کے ذریعے کسی شخص، خاندان، برادریوں یا قوم کی زندگی کے متعلق ان تمام پوشیدہ اور غیر پوشیدہ خصوصیتوں کو دریافت کیا جاتا ہے۔ ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے ان کی شناخت ممکن ہوتی ہے۔ سماجی علوم کی تحقیق میں یہ ایک کارآمد اور مفید نتائج حاصل کرنے کے لیے ایک موثر ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ ان تمام ذرائع یا طریقہ کار کی مدد سے مطلوبہ تحقیقی مواد کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔ (4)

حصول مواد میں لائبریری کا استعمال:

عمومی طور پر ہر بڑی لائبریری میں دو طرح کی کتابیں ہوتی ہیں۔ حوالے کی کتابیں اور عام مطالعے کی کتابیں۔ حوالے کی کتابیں عموماً کھلی الماریوں میں رکھی ہوتی ہیں تاکہ ہر اسکالر جب چاہے اور جتنی بار چاہے انھیں آسانی سے دیکھ سکے۔ یہ کتابیں لائبریری سے باہر نہیں جاسکتیں۔ حوالے کی کتابوں میں انسائیکلو پیڈیا جنہیں عربی میں موسوعہ کہا جاتا ہے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر، لغات، لائبریریوں کے مطبوعہ کیٹلاگ وغیرہ ہوتے ہیں۔ محقق کے ابتدائی مراحل میں انسائیکلو پیڈیا خصوصاً بہت مفید ثابت ہوتا ہے اس کے ہر مضمون کے آخر میں مآخذ کی ایک منتخب فہرست ہوتی ہیں، جس کی مدد سے محقق آسانی سے قدم بڑھا سکتا ہے۔

ڈیوی ڈیسمیل سسٹم (Dewey Decimal System) کا تعارف:

اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق علمی میدان میں تعصب جائز نہیں اور ہر جگہ اور ہر جائز طریقہ سے علم حاصل کرنا واجب ہے۔ موجودہ دور میں بڑی اور اچھی لائبریریوں میں مغربی اصول تحقیق کے مطابق عموماً ڈیوی ڈیسمیل سسٹم (Dewey Decimal System) کا چلن ہے۔ اس میں کتابوں کی ترتیب کے لئے اعشاری نظام استعمال کیا جاتا ہے اِس سسٹم کو سمجھنے کے لئے ایک کتاب (ڈیوی ڈیسمیل کلاسیفیکیشن (Dewey

(Decimal Classfication) موجود ہے اِس کا مطالعہ بھی بہت سودمند ہے۔ اِس سسٹم میں تمام ادیان کو دوسو سے تین سو (200-300) کے درمیان نمبر الاٹ کیے گئے ہیں۔ اِس میں اسلام اور علومِ اسلامیہ کو 297 نمبر اور اُس کے ذیلی نمبر الاٹ کیے گئے ہیں۔ اس لئے آپ جب کسی لائبریری میں جائیں تو اُس کے کتابوں کی الماریوں میں جہاں 297 کا عدد لکھا ہو وہاں سے اپنے مصادر و مراجع تلاش کرنے کا آغاز کریں۔ اِس کی مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

Islam, Babism, Bahai Faith

Standard subdivisions are added for Islam, Babism, Bahai Faith together, for Islam, alone

See Manual at 290.92 and 201-209-299; also at 201-209-299; 261.7, 292-299; also at 398.2 vs. 201.3, 230, 270 292-299; also at 615.852 vs. 203.1, 234.131, 292-299: also at 616.86 vs. 158.1, 204.42, 248.8629.

Summary

297.01-09 Standard subdivisions

1. Sources of Islam
2. Islamic Doctrinal theology ("Aqa"id and Kalam): Islam and secular disciplines; Islam and other systems of belief
3. Islamic Worship
4. Sufis (islamic My sticism)
5. Islamic ethic and religious experience, lief, practice
6. Islamic leaders and organization
7. Protection and propagation of Islam
8. Islamic sects and reform movements
9. Babism and Bahai Faith

لائبریریوں سے کتب تلاش کرنے کا طریقہ:

دور حاضر میں تمام یونیورسٹیوں، کالجوں اور جدید اداروں میں لائبریریوں میں تمام کتب کی فہرست کے لئے کیٹلاگ مرتب کیے جاتے ہیں۔ اِن میں کتاب کا نام اور ضروری تفصیلات ایک کارڈ پر ہوتی ہیں۔ ہر کتاب کے لئے تین کارڈ ہوتے ہیں۔ پہلا مصنف کے نام کا، دوسرا کتاب کے کا اور تیسرا موضوع کا کارڈ ہوتا ہے۔ انجمن، سوسائٹی، کمیٹی وغیرہ کا نام مصنف کے طور پر استعمال ہوتا ہے، بشرطیکہ روئیداد یا رسالہ پر مرتب کا نام نہ ہو۔ مآخذ کی عارضی فہرست تیار کرتے وقت چونکہ محقق طالب علم اپنے موضوع سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتا اس لئے تیسرا کارڈ اس کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ موضوع کا کارڈ دیکھ کر وہ معلوم کرسکتا ہے۔ کہ اس کے کام کی کون کون سی کتابیں لائبریری میں موجود ہیں۔ آج کل تمام لائبریریوں میں یہ معلومات کمپیوٹراز ہوتی ہیں۔ لہٰذہ کسی لائبریری میں جا کر وہاں کے کمپیوٹر کے ذریعے بھی یہ تمام معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ڈیوی کے اعشاری نظام میں تمام مضامین کو دس حصوں میں اور پھر ہر حصے کو دس ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مواد کی تلاش کے سلسلے میں مخطوطوں اور کتابوں کے علاوہ معیاری رسالوں کی جلدوں سے بھی استفادہ کرنا ہوتا ہے چونکہ ان کے اشاریہ کارڈ بہت کم لائبریریوں میں موجود ہوتے ہیں اس لئے پورے رسالے کی ورق گردانی ضروری ہے۔ یہ کام وقت طلب ضرور ہے لیکن اس سے استفادہ ناگزیر ہے۔ رسائل کے مضامین چونکہ ایک موضوع سے بحث کرتے ہیں اس لئے ان میں کتاب سے زیادہ تفصیل ہوتی ہے۔

مواد کی فراہمی اور تحقیق کی رہنمائی میں لائبریریوں کے مطبوعہ مفصل کیٹلاگ بھی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ان کیٹلاگوں سے نہ صرف یہ کہ متعلقہ کتابوں کا پتہ چلتا ہے بلکہ اور بھی کارآمد اشارے ملتے ہیں۔ (5)

حصول مواد کے مرحلہ میں مراجع کی تیاری کے لئے تجاویز:

مراجع اعلیٰ تعلیم کی تیاری میں ایک اہم حیثیت کی حامل ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب طالب علم اپنے مقالہ کی ابواب بندی اور حوالہ جاتی کتب کی فہرست کی تیاری کے ساتھ خاکۂ مقالہ بنانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کا کام واضح اور آسان ہو جاتا ہے، اور بعد میں شروع ہونے والا کام ایک مضبوط بنیاد پر استوار ہو جاتا ہے۔

مراجع کی تیاری کے سلسلے میں چند اہم تجاویز:

1- طالب علم کو اپنے موضوع سے متعلق مطالعہ کا آغاز قرآنی آیات کی کتب، شروح حدیث اور فکر اسلامی کی اہم کتاب مثلاً مقدمہ ابن خلدون، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ انسائیکلوپیڈیا سے کرنا چاہیے۔ مثلاً اسلامیات کا طالب علم اپنے موضوع سے متعلق The Encyclopedia of Islam religious and ethics کا مطالعہ کرے۔

طالب علم کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ ایک ہی موضوع کو مختلف مقالات میں تلاش کیا جا سکتا ہے، طالبعلم کو چاہیے کہ ان مقالات کا بھی مطالعہ کرے جن کا موضوع کی شخصیت یا مقام سے معمولی سا بھی تعلق ہو صلیبی جنگوں کے مطالعے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے ان کتابوں کو پڑھنا چاہیے جو خلیفہ عاضد، سلطان صلاح الدین اور ملک الکامل وغیرہ کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔

2- اس مرحلے میں جدید تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع ہونے والی کتابوں سے بھی تعاون لینا چاہیے جن کے حواشی میں مراجع کا ذکر ہو، ان حواشی سے طالب علم بہت سے اساسی مراجع معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، لہٰذا وہ انہیں بھی اپنے مراجع کی فہرست میں شامل کر لے۔

3- اس شخص سے استفادہ کرنے کی کوشش کرے جسے اس موضوع پر مطالعہ کا تجربہ ہو وہ

یقیناً بعض مراجع کی طرف اس کی راہنمائی کرے گا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ موضوع کی ترتیب کے بارے میں معاون ثابت ہوگا اور تحقیق کے متعدد نئے دروازے اس کے سامنے کھول دے گا۔

4- طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتب خانوں کے انچارج سے خوشگوار روابط پیدا کرے جہاں سے ان کو استفادہ کرنا ہے۔

5- طالب علم کو چاہیئے کہ وُہ علمی و تحقیق رسائل میں شائع ہونے والے ان جدید مضامین کا مطالعہ کرے جن کا اس کے موضوع سے تعلق ہو۔

طالب علم کے لئے یہ بات ذہن میں محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جب وہ کسی مآخذ کا کوئی ایڈیشن استعمال کرے تو اپنے پورے مقالہ میں حتی الامکان وہی ایڈیشن استعمال کرتا رہے جب کسی ایک ہی ریفرینس کے دو ایڈیشن استعمال کرنے کے لئے مجبور ہو تو ضروری ہے وہ اس مطبوعہ نسخہ سے اخذ کئے گئے ہر اقتباس میں معتمد علیہ ایڈیشن کی نشاندہی کرے۔(6)

مصادر(Sources)،مراجع(References):

مصادر وہ بنیادی کتب یا حصول مواد کے ذرائع ہیں جو کسی موضوع پر سب سے پہلے مرتب یا ترتیب دیئے جاتے ہیں یعنی ان سے پہلے ان موضوعات پر کوئی بنیادی یا خاطر خواہ کام نہ ہوا ہو۔ مراجع کسی موضوع پر وہ اہم ترین کتب ہیں جن میں اسی موضوع سے متعلق نئی جہات بھی واضح کی گئی ہوں لیکن ان کا زیادہ انحصار سابقہ ابتدائی کتب پر ہو مثلاً تفسیر کے میدان میں تفسیر طبری مصدر لیکن تفسیر ابن کثیر مرجع شمار ہوگی بسا اوقات اس قسم کی کتب کو ان کی اہمیت کی وجہ سے ثانوی مآخذ بھی کہا جاتا ہے گویا کہ اولین مآخذ یعنی مصدر طبری اور ثانوی مآخذ یا مرجع ابن کثیر ہوئی۔ مزید ثانوی مآخذ وہ ہیں جو متعدد بنیادی مآخذ سے مواد لے کر ایک دوسرے رنگ میں اسے پیش کرتے ہیں طالب علم کو اگر ان میں کوئی

مطلوبہ چیز ملے تو اسے بنیادی مآخذ یعنی مصادر کی طرف بغرض توثیق رجوع کرنا چاہئے، اس طرح تجربات کے بعد طالب علم کو معلوم ہو جائے گا کہ تحقیق کے لئے اس کا رجوع کرنا نہایت ضروری تھا۔ ریسرچ اسکالر اکثر ثانوی مآخذ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ پاتے۔ جس کو وجہ سے وہ ثانوی مآخذ پر اعتماد کر کے اصل مقصد و مفہوم سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔

جب مآخذ زیادہ ہوں تو اسکالر کو قدیم ترین اور موضوع کے ساتھ زیادہ تعلق رکھنے والے مآخذ کا اہتمام کرنا چاہئے اور جب وہ بنیادی مآخذ ذکر کر دے تو مراجع کو ذکر کرنے سے مستغنی ہو جائے گا، جنہوں نے اس مآخذ سے لیا ہو، لہٰذا مقالہ نویس کو اس نکتہ کے ساتھ جو پہلے مآخذ سے لیا تھا بعد کے مآخذ یعنی دیگر مراجع کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔(7)

بنیادی مآخذ و مصادر:

لفظ مآخذ جس کی واحد ماخذ ہے دراصل عربی لفظ ہے اس کا مادہ اَخَذَ ہے یہ لفظ مفعول ہے۔ اس کا ترجمہ حاصل کرنا، لینا، وصول کرنا وغیرہ ہے۔ اس لحاظ سے ماخذ سے مراد وہ تمام مواد ہے جو مقالہ نگار، تحقیق کار یا محقق نے اپنے مقالہ کے لئے مختلف مقام سے حاصل کیا ہے۔ اب یہ محقق کا فرض ہے کہ وہ اس امر کا جائزہ لے کہ یہ اُس کے مآخذ (Origin)، مصادر (Sources) ہیں، مراجع (References) ہیں، اضافی (Additional Sources) ہیں بنیادی (Basic Sources) ہیں، ثانوی (Secondary Sources) ہیں یا کس درجہ کے ہیں۔

اسلام اس امر پر بہت زور دیتا ہے کہ مصادر جو کسی موضوع سے متعلقہ اہم ترین مواد پر مشتمل ہوتے ہیں وہی درحقیقت مقالات میں وزن و اہمیت پیدا کرتے ہیں اِن مصادر کے علاوہ جس قدر بنیادی مراجع کا استعمال اور ان سے حاصل کردہ حقائق زیادہ ہوں گے اس قدر مقالات کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا بالخصوص جب ان حقائق و

معلومات تک پہلے کسی کی رسائی نہ ہوئی ہو، اور کسی نے ان کو بطور اقتباس نہ لیا ہو۔

عمومی طور پر بنیادی مصادر:

۱۔ قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم اسلامیہ کی بنیادی کتب یعنی مآخذ اور ان سے متعلق قیمتی قلمی نسخے، جو ابھی تک طبع نہ ہوئے ہوں اور ایسے مواد پر مشتمل ہوں جو کسی مطبوعہ کتاب میں نہ ہوں۔

۲۔ وثیقہ جات

۳۔ علماء، سکالرز، قائدین اور سیاسی لیڈرز کی ڈائریاں یا انٹرویو جن میں ایسی خفیہ باتیں درج ہوں جن کو صرف وہی جانتے ہوں، ان کے علاوہ کسی کو ان کا علم نہ ہو۔

۴۔ عدالتی فیصلوں سے پیدا شدہ مسائل

۵۔ قابل ذکر شخصیات کے خصوصی مکاتیب

۶۔ روزمرہ کی ڈائریاں (روزنامچہ)

۷۔ تاریخی مقامات اور آثار قدیمہ کی تحریرات ونقشے۔

۸۔ ایسی مشہور ومعروف کتابیں جن کے مصنفین نے زیر تحقیق مسئلہ سے متعلق اپنے تجربہ کو بذات خود دیکھ کر پیش کیا ہو، اس طرح بیان عینی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی علوم کے سلسلے میں اس نوعیت کی کتابوں میں ''کتاب اخبار الراضی باللہ والمتقی اللہ'' یا عباسی حکومت کی تاریخ ۳۲۳ء ھ تا ۳۳۳ھ جسے ابوبکر الصوتی المتوفی ۵۳۳ھ نے تحریر کیا ہے اسی طرح ''کتاب المحاسن الیوسفیۃ'' از مصنف مذکور جسے اس نے اس کے سیکرٹری صلاح الدین ابن شداد کے متعلق تحریر کیا ان میں وہ کتابیں آتی ہیں جن میں کسی دور کے مورخین اپنی چشم دید سوانح میں بیان کرتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طالب علم کو سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب ''تاریخ

الخلفاء'' کی ان باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے جو طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کے حوالہ سے اپنی مذکورہ کتاب یا ابن سعد (متوفی ۶۶۳ھ) نے ''صلتہ تاریخ الطبری'' یا ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) نے الکامل فی التاریخ میں یا ان کے علاوہ ان کے ہم عصر یا قریب العصر مورخین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہو۔(8)

جس طرح وقت اور زمانے کا لحاظ رکھا جاتا ہے اسی طرح مقام اور جگہ کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے، جو طالب علم مصری تاریخ پر قلم آراء ہوا سے حتی الامکان اس مصری مورخ پر اعتماد کرنا چاہئے جس نے اس مطلوبہ صدی پر لکھا ہو، اس کے لئے بغدادی جیسے ہم عصر مورخ پر اعتماد کرنے سے بہتر ہے۔

یہاں ایک تیسری چیز بھی ہے جو زمان و مکان سے اگر زیادہ نہیں تو کم اہمیت بھی نہیں رکھتی وہ یہ کہ مصنف کے بارے میں غور و فکر سے معلومات حاصل کی جائیں۔تاکہ ان میں سے دور اندیش، وسیع الاطلاع شخصیت تجربہ کار اور دیگر صلاحیتوں کے حامل افراد کو منتخب کرے نیز ایسے مصنفین کی آرا کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کرے جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ خارجی عوامل سے متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ جدید اہل قلم کسی شخص کا بیان پڑھ کر متاثر ہوتے ہیں مثلاً ناصر خسرو (م ۴۸۴) نے جس طرح دور فاطمی کا نقشہ کھینچا ہے، محققین کو اندیشہ ہے کہ ناصر خسرو دور فاطمی پر لکھتے ہوئے اپنے شیعی رجحانات سے متاثر ہوا ہے۔

حصولِ مواد کے دوران تمام علوم کے مآخذ سے استفادہ کرنا:

ریسرچ اسکالر کے لئے ضروری ہے وہ ایسے مراجع کی طرف رجوع کرے جو خاص اس زیر بحث مسئلہ پر مشتمل ہوں مثلاً جب تاریخ میں ریسرچ کر رہے ہوں تو اس کے بنیادی مآخذ کتب تاریخ ہی ہونی چاہیں، لیکن اگر دوران تحقیق کوئی لغوی مسئلہ درپیش ہو مثلاً خلافت یا وزارت کا لغوی معنی وغیرہ تو ایسی صورت میں اس کا مآخذ کتب لغت ہوں گی، اور

جب کوئی حدیث رسول ﷺ سامنے ہو اور اس کی صحت کی توثیق مطلوب ہو تو اسے صحاح ستہ میں تلاش کرے جب کسی شاعر کے ابیات سے استفادہ کرنا چاہیے تو اس کے دیوان کی طرف رجوع کرے، اس طرح محقق اپنے عام بنیادی آخذ سے خاص بنیادی مآخذ کی طرف منتقل ہوتا چلا جائے گا، مثلاً کتب فقہ، عقائد، لغت، حدیث دیوان وغیرہ جس جس فن کی ضرورت ہوتی جائے اس کی جانب منتقل ہوتا جائے۔ (9)

حصول مواد یا جمع مواد کے سلسلہ میں کتابیں اور مطالعہ:

(References And Study)

یہ ایک متفق علیہ بات ہے کہ کتاب یا محقق کا مقالہ، آرٹسٹ کے پینٹنگ برش کی مانند ہے اگر اسے اناڑی ہاتھ میں لے لے تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا اور اگر اسے ماہر کہنہ مشق پکڑ لے تو وہ بے مثال اور حسن و جمال سے ٹپکتی ہوئی تصویر بنائے گا، اسی طرح کتاب کا معاملہ ہے، ایک شخص اسے پڑھتا ہے تو غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے یا بالکل خالی ہاتھ اس سے فارغ ہوتا ہے جب کہ دوسرا شخص اسے پڑھتا ہے تو علم، اسلوب اور انداز بیان جیسے گران مایہ موتی اس کے ہاتھ آتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب مراجع تیار ہوں، خاکہ مکمل ہو تو مطالعہ بالکل آسان ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطالعہ کا اگر مقصد یہ ہو کہ وہ مفید اور منظم انداز میں ہو تو یہ آسان کام نہیں ہے۔

اعلیٰ تعلیم یعنی ہائر اسٹڈیز کے طالب علم کا فرض ہے کہ وہ مطالعہ کا طریقہ سیکھے، ایک اہم حقیقت کو اپنا مطمع نظر بنائے، وہ یہ کہ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ مطالعہ کرے اور اس کے پاس کتب کا ایک ذخیرہ ہو اور اپنے موضوع سے متعلق کوئی بیان یا اہم مآخذ اس کی نظر سے اوجھل نہ رہے، اس نوعیت کا کام سالہا سال پر مشتمل طویل مدت کا مرہون منت ہوتا ہے، جب کہ طالب علم کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم تیزی کے ساتھ کتابوں کے مطالعہ کے اصول

سے واقف ہو۔

مطالعہ کی تین قسمیں:

لہٰذا مطالعہ کے تین مراحل ہیں (جنہیں ہم تین قسمیں قرار دے سکتے ہیں)

1-سرسری مطالعہ(Fast Study)

یہ فہرست کے بغور مطالعے کا نام ہے اس کا تعلق حصولِ مواد، جمع مواد یا کتب وغیرہ سے ہے، طالب علم کسی کتاب یا دوسرے سابقہ بیان کردہ ذرائع کی فہرست سے کسی کتاب، سی ڈی یا ای میل وغیرہ کو اپنے مقالہ کے موضوع سے متعلق ہونے کی وجہ سے منتخب کرتا ہے، پھر اُس کی فہرست مضامین کا مطالعہ کر کے کسی عنوان کو اپنے مقالہ کے لئے موزوں سمجھ کر صرف اُسی حصہ کا سرسری اور تیزی سے مطالعہ کرتا ہے۔ اس مرحلے میں قابل مطالعہ مقامات کا تعین ہی مطالعہ کا ہدف اساسی ہوتا ہے، نیز اس مرحلہ میں کتاب کے بعض مباحث یا فصول سرسری نظر میں پڑھ کر اس کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا جاتا ہے، کیونکہ بسا اوقات فہرست میں دیا گیا عنوان پرکشش ہوتا ہے۔ جب کہ اندرون کتاب، اس سے متعلق بحث بالکل سطحی اور کمزور ہوتی ہے۔

2-معمولی کے مطابق مطالعہ(Habitual Study)

اس مرحلے میں طالب علم متعین شدہ کتاب کے عنوانات کو پڑھتا ہے اور ان میں سے اپنے مقالہ کے موضوع سے متعلق اقتباسات کے منتخب کر لیتا ہے۔ اِس کا تعلق انتخابِ مواد کے مرحلہ یعنی چوتھے مرحلہ ''تحریر مقالہ'' کے دوسرے حصہ سے ہے۔

3- گہرا مطالعہ(Deep Study)

کچھ ایسے امتیازی مباحث ہوتے ہیں جن کو موضوع سے گہرا ربط ہوتا ہے، ان کا مطالعہ اطمینان اور غور سے کرنا چاہیے، انہیں اپنے ذہن میں بٹھا کر خیالات مرتب کرنے

اور ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے بروئے کار لانا چاہیے، ان کے مختلف پہلوؤں سے مکمل استفادہ کرنا چاہیے بلکہ بسا اوقات ان کو دوبارہ سہ بارہ پڑھ کر ان میں غور و فکر کرنا چاہیے اور ان میں سے اقتباسات لے کر مقالہ کے لئے مشعل راہ بنانا چاہیے۔ اس کا تعلق بھی انتخاب مواد سے ہے۔

چوتھے مرحلہ میں نگران مقالہ سے رہنمائی کی اہمیت:

اس مطالعہ کی اقسام کا ادراک ہونے کے بعد اسلامی اصول تحقیق کے مطابق یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحقیق ایک با مقصد سائنسی اور منضبط فکری عمل اور اسکی پیش کش ہے۔ یہ کام بعض مخصوص مراحل کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ ان میں انتخاب موضوع، موضوع کی وسعت کا تعین، طریقہ کار کا تعین، مواد کا تعین، مآخذ کا تعین اور مقالہ کی تسوید و پیش کش شامل ہے۔ ان مراحل کو طے کرنے کے لئے تجربہ کار استاد، رہنما اور نگرانِ مقالہ سے رہنمائی اشد کی ضرورت ہے۔ یوں تو محقق کو اپنے تحقیقی عمل میں پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ تاہم اپنے رہنما سے رابطہ اور رہنمائی بہت ضروری ہے تا کہ تحقیق کے میدان میں پیش آنے والی دشواریوں کا حل اپنے استاد کی رہنمائی میں تلاش کیا جا سکتا اور رہنما کے تجربات سے استفادہ کرنے کا موقع مل سکے۔

نئی معلومات کی تلاش، عام اور مسلمہ علمی مفروضوں کی چھان پھٹک، تمام مطلوبہ مواد کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھنا، اصل مآخذ سے استفادہ، حوالے کے اندراجات میں محتاط انداز اس روایت کے بنیادی تقاضے ہیں جو اساتذہ کرام کی رہنمائی اور مشفقانہ آراء کے بغیر احسن طریقہ سے مکمل نہیں ہو سکتے۔

(2) چوتھے مرحلہ کا دوسرا حصہ (انتخاب مواد)

جمع شدہ کتب وغیرہ سے موضوع سے متعلقہ مواد کا انتخاب:

سابقہ حصے میں مآخذ کے حصول اور فہرست تیار کر لینے کے بعد محقق اب دوسرے

حصہ میں داخل ہو جاتا ہے۔اب وہ موضوع سے متعلق کتابیں اور بقیہ مواد پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔محقق کو اپنے موضوع سے متعلق ہر ممکن الحصول تحریر پڑھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے مقالہ میں جدت پیدا نہیں کر سکتا۔تحقیقی عمل میں پڑھنے کی بھی خاصی اہمیت ہے کیونکہ پڑھتے وقت غور وفکر کرنا ہوتا ہے۔گویا کہ حصولِ مواد کے مرحلہ کے بعد اس مرحلہ یعنی چوتھے مرحلے کے دوسرے حصہ ''انتخابِ مواد'' میں مقالہ نگار اپنی جمع شدہ کتب، مقالہ جات، نوٹس، سی ڈیز وغیرہ کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیتا ہے۔اور ان میں اپنے موضوع سے متعلقہ مواد کا انتخاب کر کے ان کو خاکہ کی تبویب کے مطابق کارڈز، فائلیں، رجسٹر، لفافہ یا کمپیوٹر فائل وغیرہ بنا کر اُن میں رکھتا آتا ہے اور تمام کتب سے اپنے متعلقہ مواد کا انتخاب کر کے ان کو کارڈوں یا کاغذوں پر نقل کر لیتا ہے۔اس حصہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ محقق یا مقالہ نگار تمام جمع شدہ مواد یا کتب وغیرہ جو اُس نے سابقہ مرحلہ جمع مواد میں اکٹھے کئے ہیں میں سے ایک ایک کتاب یا سی ڈیز وغیرہ لے کر اس کا غور سے مطالعہ کرے اور اس میں اپنے موضوع سے تمام متعلقہ مواد کو کارڈ پر تحریر کر کے یا اگر وہ کمپیوٹر کمپوزنگ جانتا ہے تو کمپیوٹر میں فائل بنا کر اُس میں محفوظ کر کے اسی طریقے سے نیچے حوالہ دے کر خاکہ کی تبویب کے اعتبار سے خاص باب کی فائل یا لفافہ وغیرہ میں ڈالتا جائے یعنی ایک ایک کتاب کا اس طرح مطالعہ کرے کہ اُس میں سے اپنے موضوع سے متعلق تمام تفصیل حاصل کر کے اسے ایک طرف رکھ دے، اور پھر دوسری کتاب شروع کر دے اس طرح تمام کتب، سی ڈیز، مکتبہ شاملہ وغیرہ کے بارے میں طریقہ اپنائے۔دوسرا طریقہ یہ بھی ہے۔وہ تمام کتب جمع شدہ مواد میں سے اپنے پہلے باب کی عبارتیں یا اس سے متعلقہ اشیاء اکٹھی کر لے اور پھر دوسرے باب کو شروع کر لے تو وہ اس طرح بھی کر سکتا ہے۔اس حصہ میں وہ متن مقالہ کے تمام ابواب، فصول، بحوث وغیرہ کے نوٹس اکٹھے کرے گا یا کسی کمپیوٹر فائل یا رجسٹر میں لکھ لے گا۔اس کے ساتھ ساتھ اگر اسے اپنے موضوع سے متعلق نئی کتاب، معلومات یا کوئی مواد مل جاتا ہے۔تو وہ اسے بھی حاصل کرتا

رہے گا۔ یعنی اس چوتھے مرحلہ کے دوسرے حصہ میں پہلے حصہ کا کچھ کام بھی جاری رہے گا۔(10)

انتخاب مواد میں احتیاط:

اس حصہ میں جمع شدہ مواد، کتب، سی ڈیز وغیرہ میں سے مطلوبہ معین مواد کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، یقیناً یہ ایک مشکل مرحلہ ہے۔ طالب علم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ اُس نے چوتھے مرحلہ کے پہلے حصہ جمع مواد، کتب اور سی ڈیز وغیرہ میں جو چیزیں اکٹھی کی ہیں اُن تمام کو مقالہ میں جمع کر دینا یا مقالہ میں جمع شدہ پورے مواد کو باقی رکھنا ناممکن ہے اور ناپسندیدہ بھی، بالخصوص جب کہ اس کا موضوع مختلف پہلوؤں اور بے شمار مباحث کا حامل ہو، اب طالب علم کو اپنی قوت انتخاب کا مظاہرہ کرنا ہے کہ وہ کس طرح پسندیدہ مواد کا انتخاب کرتا ہے، منتخب کرنا یا مواد کی کانٹ چھانٹ کرنا، طالب علم کے لئے بنیادی حیثیت کا عمل ہے کہ وہ کونسا مواد لیتا ہے اور کونسا چھوڑتا ہے، یہ ایک بدیہی بات ہے کہ مواد کی قدر و قیمت میں اس کی عمدگی، اس کا عام نہ ہونا اور مأخذ کا بلند پایہ ہونا موضوع کے لئے سب سے اہم مناسب و مفید ہے۔

طالب علم کو مواد جمع کرنے کے دوران جس مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جتنی محنت کرنی پڑتی ہے اس سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے جمع شدہ مواد، کتب، سی ڈیز وغیرہ میں سے غیر متعلقہ حوالہ ترک کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے، لیکن طالب علم کے ذہن میں یہ بات بھی ہونی چاہئے کہ بیجا اور غیر ضروری مواد مقالہ میں جمع کر دینے سے مقالہ کی جامعیت و خوبصورتی متاثر ہوتی ہے اور اس کی قدر و قیمت میں کمی پیدا ہو جاتی ہے، طالب علم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تحقیقی میدان صرف مقالہ تیار کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتا بلکہ زیر تحقیق موضوع پر علمی مواد حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

یقیناً طالب علم نے جو کچھ پڑھا جمع کیا اور اسے استفادہ کیا ہے، اگر وہ مقالہ کے

لئے ضروری نہیں ہے تو اسے زبردستی مقالہ میں گھسیڑ کر مقالہ کی خوبصورتی اور اُس کی علمی وقعت کو داغدار نہیں کرنا چاہیے۔ مزید طالب علم یا مقالہ نگار اُس مواد کو جس کو اُس نے مقالہ میں نہیں سمویا ضائع ہونا نہ سمجھے بلکہ یہ بقیہ مواد اس کی علمی زندگی اور مستقبل میں اُس کے لئے علمی سرمایہ ثابت ہوگا۔ وہ اِس ترک شدہ مواد کے ذریعہ اپنے لیکچر، تحقیقی مضامین، تقریروں وغیرہ کے لئے مدد حاصل کرتا رہے گا۔

(3) چوتھے مرحلہ کا تیسرا حصہ (ترتیب مواد)

تحریر مواد یا ترتیب وتزئین مواد:

اس چوتھے مرحلہ کے تیسرے حصہ میں مقالہ نگار جس متعلقہ مواد کا ان کتب، سی ڈیز وغیرہ میں سے انتخاب کر چکا ہے اس کو تقدم وتاخر کے لحاظ سے ترتیب دے گا۔ گویا کہ اِس میں چوتھے مرحلہ کے تیسرے حصہ میں منتخب شدہ مواد کو بہترین انداز سے ترتیب دینا اور تحریر کرنا ہے۔ اس کو مقالہ کی تسوید یعنی مسودہ کی شکل دینا اور پیش کش بھی کہتے ہیں۔ یعنی تمام مواد، کتب سی ڈیز وغیرہ جو اُس نے جمع مواد کے موقع پر اکھٹے کر کے اُن میں سے اپنے موضوع سے متعلقہ حصہ کا انتخاب کر لیا ہے اُس منتخب حصہ کا وہ جائزہ لے کر خاکہ مقالہ میں مذکور ابواب کے مطابق اُن کو حُسن ترتیب سے لکھنا شروع کر دے گا۔ اِس مرحلہ میں اِس امر کا جائزہ لے گا کہ کونسی عبارت باب کے پہلے صفحات، کونسی درمیانی حصہ اور کونسی آخری حصہ کے لئے موزوں ہے۔ پھر تمام ابواب سے متعلقہ جتنی عبارتوں کو اُس نے کمپیوٹر میں محفوظ کیا ہے یا کاغذات پر تحریر کیا ہے ان عبارتوں پر عنوانات، سرخیاں، اور ذیلی عنوانات لگا کر تمام ابواب، فصول یا مباحث ومطالب کو اس طرح ایک صحت منداور خنداں وفرحاں زندگی کا حامل بنا دے گا کہ ممتحنین اور مطالعہ نگاروں کو اس میں منطقی ترتیب وتزئین اور اس کے اندر لفظوں کا بانکپن اور رعنائی وکشش محسوس ہو۔

ترتیب مواد کا طریقہ:

مواد کے انتخاب اور کانٹ چھانٹ کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم جس حصہ کو تحریر کرنا چاہتا ہے اس کے کارڈ زاپنے سامنے رکھے اور اگر اس نے نوٹ بک استعمال کی ہو تو اس کے وہ صفحات یا کمپیوٹر وغیرہ کی وہ فائل سامنے رکھے جن پر متعلقہ مواد لکھا ہوا ہے، ان کو دوبارہ پڑھے اور ان کے مشمولات پر غور وفکر کرے، پھر اس میں سے مواد منتخب کرے، مواد کی بنیاد پر ایک نظریہ قائم کرے اور اس تیار شدہ خاکہ سے مجوزہ ومنظور شدہ ترتیب کے مطابق مقالہ تحریر کرے، جس بحث میں زمانہ کا دخل ہو اس میں ترتیب زمانی کا خصوصی خیال رکھے (یعنی سنہ کی ترتیب سے لکھے) مختلف عبارات کے باہمی تقابل، ان کی تمہید اور ان پر حاشیہ آرائی کے سلسلے میں طالب علم کی علمی شخصیت کا نمایاں ہونا ازحد ضروری ہے کبھی کبھی اپنی ذاتی رائے کا اظہار بھی کرے تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ریسرچ اسکالر اپنے سامنے موجود معلومات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہے کہ وہ ان پر اثر انداز بھی ہو رہا ہے اور اثر پذیر بھی محض اثر پذیری سے قطعی اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ صرف نقل کرنے والا کہلائے گا تجربہ کار اور ناقدانہ بصیرت کا حامل محقق نہیں کہا جائے گا۔

ترتیب مواد میں الفاظ کا انتخاب:

جس زبان میں طالب علم مقالہ لکھ رہا ہو اس زبان کی بڑی ڈکشنری اس کے پاس ہونی چاہئے تاکہ طالب علم اُن کے ذریعہ ذہن میں گردش کرنے والے مفہوم کا مترادف لفظ مہیا کرنے میں مدد لے سکے اور اگر یہ مفہوم ومعنی ایک ہی جگہ بار بار آرہا ہو تو اس کے متعدد مترادفات حاصل کر کے الگ الگ لکھ سکے الفاظ ایسے ہونے چاہئے جو اس دور میں عام مستعمل ہوں اور پڑھنے والا بھی انہیں سمجھ سکے، اور واضح ہوں قدیم یا بالکل نئے نہ ہوں۔

جس زبان (Language) میں آپ مقالہ لکھ رہے ہوں اُسی کے الفاظ استعمال

کریں اگر وضاحت کے لئے کسی اور زبان کا استعمال ضروری ہے تو اُس کے الفاظ قوسین یعنی بریکٹ میں دے کر ترجمہ ضرور لکھیں اگر قرآن کی آیت، حدیث نبوی ﷺ یا کوئی عربی، فارسی یا کسی اور زبان کے الفاظ لکھے جائیں تو اُن کا ترجمہ دینا ازحد ضروری ہے۔ اگر آپ اب ترجمہ نہیں دیں گے تو آپ کو جب اپنا مقالہ شائع کرنا ہوگا تو اُس وقت آپ کو اِن تمام الفاظ کا ترجمہ کرنے کے لئے دوبارہ محنت کرنی پڑے گی کیونکہ اب آپ کے مقالہ سے عام انسانوں نے بھی استفادہ کرنا ہے۔

اسی طرح نامانوس الفاظ اور عبارتیں بھی استعمال نہیں کرنی چاہئیں، ہاں اگر وہ تکنیکی اصطلاحات (Technical Terms) ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں، ان کے علاوہ تمام صورتوں میں استعمال کرنے سے بہر حال گریز کرنا چاہیے۔

جملہ کا انتخاب:

جملہ کو جس قدر ممکن ہو کم از کم الفاظ میں لکھا جانا چاہیے، جس جملے کو آپ آٹھ الفاظ میں لکھ سکتے ہیں اس کے لئے دس الفاظ کبھی استعمال نہ کیجئے۔

مبتدا کو خبر سے پہلے یا خبر کو مبتدا سے پہلے، فعل کو فاعل پر مقدم یا فاعل کو فعل پر مقدم اہمیت کے لحاظ سے کرنا ہوگا یا پھر تحریر کردہ جملہ کو سابقہ جملہ سے مطابقت کے اعتبار سے۔

طالب علم کو جس قدر ممکن ہو فعل اور فاعل، مبتدا اور خبر کے درمیان طویل فاصلہ لانے سے گریز کرنا چاہیئے تاکہ قاری یا سامع کے لئے جملہ کے دونوں حصوں یا متعلقات کے درمیان باہمی ربط معلوم کرنا آسان ہو۔

پیراگراف پیش کرنے کا طریقہ:

پیرا بذات خود ایک وحدت Units ہوتی ہے، جسے کسی عنوان کی ضرورت نہیں ہوتی وہ دوسری وحدات Units سے مل کر ایک فصل بناتا ہے، جس کا باقدہ عنوان ہوتا ہے اور فصول کے مجموعہ سے ''باب'' قائم ہوتا ہے۔

پیرا ایسے جملوں کے مجموعہ کا نام ہے جو ایک حقیقت اور ایک ہی مفہوم بیان کرنے کے لئے باہم مربوط ہوتے ہیں، اس باب کا خیال رکھا جائے کہ پیرے کی ایک مستقل حیثیت ہو جسے ''چھوٹی بحث'' یا ''بحث در بحث'' کا نام دیا جا سکے لہٰذا اس میں بذات خود قائم ہونے کے تمام عناصر پائے جائیں اور واضح نتیجہ تک پہنچائے، اور اس کا مرکز ومحور کلام ایک ہی پوائنٹ ہو۔

پیرے کا طول درمیانہ ہو، زیادہ لمبا ہو نہ زیادہ چھوٹا ہو، تاہم اس کا مختصر ہونا لمبائی کی نسبت زیادہ مقبول ہے۔

پیرے کی ترتیب میں تسلسل اور منطقی ربط ہونا چاہئے، ہر فقرہ اپنے سابقہ جملہ سے مربوط ہو اور لاحقہ کی بنیاد پر ہوتا کہ مطلوبہ نظریہ اس سے عیاں ہو سکے۔

ایک پیرے کا دوسرے پیرے کے ساتھ ربط ہو، کیونکہ ایک فصل میں پائے جانے والے تمام پیرے اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے ہوتے ہیں۔

چونکہ ہر پیرا ایک مستقل یونٹ ہے، لہٰذا اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ دیکھنے میں بھی ویسا ہی محسوس ہونا چاہئے، یعنی ہر پیرا صفحہ پر علیحدہ نظر آئے؟ لہٰذا کاتب ہر پیرے کے آخر میں فل اسٹاپ لگائے، دو پیروں کے درمیان کچھ جگہ خالی ہو، جس کی مقدار ایک پیرے میں لکھی جانے والی دو سطروں کے درمیانی جگہ سے زیادہ ہو، اس کا مقصد (صفحہ وعبارت میں) پیرے کو نمایاں کرنا ہے۔ ہر صفحہ پر ایک عنوان یا ذیلی عنوان ضرور ہونا چاہیے یہ مقالہ کی خوبصورتی اور جاذبیت میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ امر معیوب ہے کہ صفحوں کے صفحہ لکھے جائیں لیکن اُن میں بنیادی یا ذیلی عنوانات نہ ہوں۔

اس حصہ میں اپنے نگران سے بہت زیادہ رابطہ کی ضرورت ہے۔ مزید اس حصہ میں بھی اگر محقق یا طالب علم کو اپنے موضوع سے متعلق مزید کتاب یا مواد ملتا ہے تو وہ اسے حاصل کر کے اس میں متعلقہ حصہ کو منتخب کر کے اس کو بھی اس ترتیب میں شامل کر لے گا۔ اس طرح اس موقعہ پر اس چوتھے مرحلہ کے تینوں ابتدائی حصہ اکٹھے ہو جائیں گے یعنی جمع

کتب وحصولِ مواد، انتخاب مواد اور تحریر و ترتیب مواد۔(11)

(4,5,6)چوتھے مرحلہ کے آخری تین حصہ

(کمپوزنگ۔ پروف ریڈنگ۔ بائنڈنگ)

جب مقالہ نگار اپنے متن مقالہ کی ترتیب وتزئین سے فارغ ہو جائے تو اب اس مقالہ کے مسودہ کو آخری مرتبہ نگران مقالہ کو دکھا کر اس کی منظوری سے اسے ٹائپ، کمپیوز یا اگر اس کا اپنا خط اچھا ہے تو لکھنا شروع کر دے۔ یہاں یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ایم فل یا ڈاکٹریٹ میں مقالہ نگار یا تحقیق کار عموی طور پر تین مرتبہ مسودہ بناتے ہیں۔ پہلا مسودہ ابتدائی طور پر مقالہ نگار خود ترتیب دیتا ہے۔ پھر اُس پر نظر ثانی کر کے اُس میں ضروری اور اہم اصلاح کر کے اُسے دوسرے مسودہ کی شکل دے کر نگران کو پیش کرتا ہے۔ اِس دوسرے مسودہ میں نگران اور مقالہ نگار مشاورت کر کے کچھ تبدیلیوں پر متفق ہوتے ہیں اور پھر دوسری مرتبہ اُس میں مکمل اصلاح کر کے تیسرے مسودہ کی شکل دے کر اِس کی کمپوزنگ شروع کی جاتی ہے۔اس سلسلے میں آٹھویں باب کے عنوان رسمیاتِ مقالہ کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

اس مرحلہ کے دوران اسے اپنے تحریر یا کمپیوٹر شدہ اوراق کی پروف ریڈنگ کر کے اس میں سے لفظی غلطیوں یا کسی اور قسم کی غلطیوں کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ یہ بات ذہن نشین رہ جانی چاہئے کہ مقالہ میں عبارت، الفاظ، تراکیب یا کسی اور قسم کی غلطی کا ذمہ دار مقالہ نگار ہے،اس سلسلہ میں وہ قطعاً کسی اور کو مورد الزام یا اس کا قصور وار نہیں ٹھہرا سکتا۔ اس لئے یہ پروف ریڈنگ تین مرتبہ ضرور کرنی چاہئے۔ پہلی مرتبہ میں کچھ غلطیاں واضح ہوتی ہیں۔ دوسری مرتبہ میں مزید غلطیوں کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔اور تیسری مرتبہ میں معمولی غلطیوں کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ تین مرتبہ پروف ریڈنگ کے بعد بھی کچھ غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں ان کی اصلاح پھر ممتحنین کی رپورٹ کے بعد اور زبانی امتحان

سے پہلے کی جاتی ہیں۔

مقالہ کو یونیورسٹی/ادارہ میں جمع کرانے کا طریقہ:

تمام مراحل مکمل ہو جانے اور اچھی طرح پروف ریڈنگ کے بعد مقالہ نگاران تمام کاغذات کی جلد بندی یعنی بائنڈنگ کرائے گا۔ اور یہ جلد بندی ادارہ یا جامعہ کے قواعد کے مطابق ہوگی اور جلد بندی کے بعد ابتدائی صفحات پر اپنے اور نگران مقالہ کے دستخط کرا کر وہ متعلقہ ادارہ کے قواعد کے مطابق صدر شعبہ، شعبہ کے دفتر یا اُس ادارے کے قواعد کے مطابق کسی اور ذمہ دار شخص کو وہ مقالہ جمع کرایا جائے گا۔ تا کہ وہ اسے مزید مراحل میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے دفتری کاروائی شروع کر دیں۔ اس چوتھے مرحلہ کے آخری حصہ سے فارغ ہونے کے بعد مقالہ نگار اپنے متعلقہ کام سے مکمل فارغ ہو جائے گا۔ اب مقالہ نگار/محقق اپنے مقالہ کے مزید مراحل کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتا رہے اور گاہے بگاہے یونیورسٹی/ادارہ کا چکر لگا کر وہاں کے ارباب اختیار لوگوں کو حکیمانہ انداز میں اپنے مقالہ کے متعلق یاددہانی کراتا رہے۔

زبانی امتحان (Viva Voce)

جامعات اور مختلف تعلیمی اداروں میں کسی تحقیقی مقالہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اُس کا آخری مرحلہ زبانی امتحان ہوتا ہے۔ اکثر جامعات یا ادارہ مقالہ کی مثبت رپورٹیں آجانے کے بعد زبانی امتحان سے قبل مقالہ نگار سے اپنی تحقیق سے متعلق کوئی مضمون کسی مسلّم تحقیقی جریدہ میں شائع کرانے کی شرط یا اس قسم کی مزید شروط عائد کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں متعلقہ ادارہ کے قواعد کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

سابقہ تمام مراحل میں طالب علم اپنی علمی اور تحقیقی کوششوں کو زورِ قلم کے ذریعے صفحہ قرطاس کی پنہائیوں میں پھیلا دیتا ہے اور تحریری طور پر اپنے تبحر علمی اور تحقیقی انداز کو واضح کرتا ہے۔ اس آخری مرحلہ میں اب اس کو اپنی تحقیق کا خلاصہ زبانی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں زورِ قلم سے ہٹ کر زورِ بیان اور زورِ زبان کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں برصغیر اور پاکستان میں بھی یورپین طرز کی مانند تمام سطح کے مقالہ جات میں زبانی امتحان میں عام یا عمومی دفاع کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ جس میں مقالہ نگار کو اپنے اساتذہ کرام اور اندرونی و بیرونی ممتحنین کے علاوہ بے شمار لوگوں کے سامنے پیش ہو کر اپنے مقالہ کے بارے میں سوالات کے جواب دینے پڑتے ہیں، اسے مقالہ کا عمومی یا عام دفاع (Open Defence) کہتے ہیں۔

زبانی امتحان (Viva V.ice) کا طریق کار:

زبانی امتحان، خواہ کسی درجے میں ہو اور کسی مرحلے کے لئے ہو۔ آدمی کی پریشانی

کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مقالہ نگار کو مقالہ جمع کروانے کے بعد سب سے بڑی فکر زبانی امتحان کی لاحق ہوتی ہے۔ کس طرح کے سوالات کئے جائیں گے؟ ممتحن کیسے جواب کی توقع رکھتے ہیں؟ کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ممتحن برافروختہ نہ ہو جائے؟ وغیرہ وغیرہ۔

جب آپ مقالہ جمع کرا دیتے ہیں تو اکثر جامعات اور اداروں کے قواعد کے مطابق اس کی جانچ پرکھ کے لئے اسے صاحب علم وفن ممتحنین کو بھیجا جاتا ہے۔ ان میں نگران مقالہ کے علاوہ دو دوسرے ممتحن بھی ہوتے ہیں۔ یہ ممتحنین متعدد اداروں کی پالیسیوں کے مطابق مختلف ہوتے ہیں جن کا تعلق اندرون و بیرون ملک دونوں جگہوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ ممتحنین (Evaluators/ Exminers) ہر پہلو سے مقالے کا جائزہ لے کر، جانچ پرکھ کر اس پر رپورٹ لکھتے ہیں۔ اگر تمام ممتحن مقالے کو معیاری قرار دیتے ہوئے ڈگری دینے کی سفارش کریں تو زبانی امتحان کے لئے ممتحن اور محقق/مقالہ نگار کو بلا لیا جاتا ہے۔

زبانی امتحان کے لئے بلائے گئے ممتحن مقالے کے بارے میں سوالات لکھ کر لاتے ہیں اور محقق/مقالہ نگار کو علمی طور پر ممتحن کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ اکثر جامعات میں اس زبانی امتحان میں طالب علم کو ممتحنین یا کمیٹی (Viva Voce Committee) کے سامنے اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ممتحن اُس کو مقالہ کے سلسلہ میں چند ہدایات، نقائص، تجاویز وغیرہ سے آگاہ کر کے مقالہ سے متعلق سوالات کا آغاز کرتا ہے۔ ممتحن کے سوالوں کے بعد کمیٹی کے بقیہ ممبران اور عمومی دفاع کی صورت میں تمام شرکاء کو سوالات دعوت دی جاتی ہے اور اس کے بعد آخر میں نتیجہ کا اعلان کیا جاتا ہے۔

ممتحنین (Evaluators) حضرات کے مختلف رویہ:

ممتحنین حضرات کے زبانی امتحان میں مختلف رویہ ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بعض آپ کو مشفقانہ وناصحانہ انداز میں لفظی (Proof) اور مزید علمی وفنی غلطیوں سے آگاہ کر کے آپ کی حوصلہ افزائی کرنے کے بعد مقالہ کے بارے میں علمی سوالات کریں گے۔

مزید آپ کو مناسب علمی تجاویز بھی دیں گے۔

کچھ صرف آپ کی لفظی اور دوسری غلطیوں پر محاسبہ کرنے کے بعد چند اہم اور غیر اہم قسم کے سوالات کریں گے۔

چند ایسے بھی ہوں گے جو شروع سے ہی عنوان، اندازِ تحریر اور متعدد امور میں آپ سے اختلاف کرتے ہوئے تمام معاملات میں سخت رویہ رکھیں گے۔

اِن تمام حالات اور رویوں کے بارے میں آپ کو ذہنی طور پر قبل از وقت تیار رہنا چاہیئے اور ہر حالات کے مطابق اپنا دفاعی منصوبہ ذہن میں مرتب کر کے زبانی امتحان دینے کے لئے آنا چاہیئے۔

اس موقع پر نگران مقالہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ کرے گا۔ اگر آپ کسی ممتحن کو مطمئن نہیں کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس موضوع پر آپ نے حقِ تحقیق ادا نہیں کیا۔ اس کے بعد ممتحن یہ تجویز کرتے ہیں کہ مقالہ نگار اپنے مقالے میں فلاں فلاں تبدیلیاں کر کے دوبارہ مقالہ پیش کرے۔ اگر آپ نے ممتحن کو مطمئن کر دیا تو آپ کے زبانی امتحان کے بارے میں رپورٹ لکھی جائے گی۔ جس طرح مقالے سے پاس ہونا ضروری ہے اسی طرح زبانی امتحان میں بھی کامیاب ہونا ضروری ہے۔(12)

زبانی امتحان میں ممتحنین (Evaluators) کے لئے موزوں طریق کار:

اکثر اوقات زبانی امتحان (Viva Voce) کے لئے متعدد ادارے ایک باقاعدہ کمیٹی تشکیل دیتے ہیں۔ مزید ممتحنین حضرات بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ اداروں کے تجربہ کار آزمودہ اساتذہ کرام ہوتے ہیں۔ اساتذہ کرام امتحان لینے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ طالب علم کا مقالہ سپروائز، ادارے کے مزید اساتذہ کرام اور اکثر اوقات دوسرے ممتحنین سے منظوری کے بعد زبانی امتحان کے لئے انہیں بھیجا گیا ہے۔ اِس صورت حال میں اُن کے لئے مناسب طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مقالہ ملنے کے بعد اُس کا بغور مطالعہ

کریں۔ اگر مقالہ میں لفظی غلطیاں ہیں تو اس کی علیحدہ فہرست بنالیں، پھر مقالہ میں اگر کوئی تشنگی رہ گئی ہے اُس کا ذکر اور مزید نظریاتی واسلوبی غلطیوں کی فہرست کے علاوہ مقالہ سے متعلقہ سوالات بھی لکھ کر تیار کرلیں اور پھر ان تمام امور کو احسن انداز میں مقالہ نگار کی دل جوئی کرتے ہوئے اُس کے سامنے پیش کریں۔

طالب علم سے سوالات کرنے کا طریق کار:

ممتحنین کرام زبانی امتحان کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے طالب علم کی دلجوئی کریں، اُسے مقالہ لکھنے پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے مقالہ کی چند خوبیاں بھی بیان کر دیں تاکہ طالب علم میں خود اعتمادی اُجاگر ہو اور اُس کا امتحانی خوف دور ہو۔ ممتحنین کرام دو امور ذہن میں رکھیں اول یہ کہ مقالہ نگار یا طالب علم جس سطح کا بھی ہو اُس پر امتحان کا خوف طاری ہوتا ہے لہٰذہ اُس کو خوف کی فضاء سے نکال کر ایک صحت مند خوشگوار علمی فضا میں لاکر مختلف طریقہ سے حوصلہ افزائی کرنا اُن کی ذمہ داری ہے۔ دوسرا اسلامی اصول تحقیق کے مطابق ممتحنین حضرات اپنی آخرت کی جوابدہی کے منظر کو بھی سامنے رکھیں کہ جس طرح ہمیں آج اِس طالب علم پر کچھ قدرت حاصل ہے اُس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن ہم پر حاصل ہوگی۔ اِس لئے وہ نرمی، خیر خواہی اور بھرپور نصیحت آموز علمی رویہ اِس دورانیہ میں برقرار رکھیں۔ طالب علم کی حوصلہ افزائی کرنے کے بعد اب طالب علم کو مقالہ کی لفظی وفکری خامیوں یا غلطیوں سے آگاہ کیا جائے اور اِس کے بعد اُس سے مقالہ سے متعلق مختلف فکری ونظری سوال کئے جائیں۔ اِن سوالات میں مقالہ نگار سے اُس کی تحقیق کی قسم، فرضیہ، مفروضہ، بنیادی سوال، اہم مآخذ، اسلوب تحریر، حوالہ دینے کا طریقہ فہارس سازی اور پھر اُس کے متن مقالہ کے مختلف ابواب وفصول سے متعلق مختلف امور دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ اگر مقالہ میں کچھ کمی یا تشنگی ہے تو اُس کی مقالہ نگار کے سامنے وضاحت کر کے رہنمائی بھی کر دینی چاہیئے، کہ اِس کمی یا خامی کی فلاں مراجع، مصادر،

اضافی مآخذ، ذیلی مآخذ یا جرائد وغیرہ کے ذریعہ تصحیح کی جاسکتی ہے۔

زبانی امتحان کے آغاز کا طریق کار:

اسلامی اصولِ تحقیق کے مطابق زبانی امتحان کا آغاز باقاعدہ تلاوت قرآن پاک سے ہونا چاہیئے۔اُس کے بعد کمیٹی کا سیکرٹری، اگر عمومی دفاع (Open defence) ہےتو سامعین کے سامنے مقالہ کا عنوان اُس کے نگران (Supervisur) کا تعارف اور اندرونی (Internal Eximiners/Evoluators) بیرونی ممتحنین (External Eximinars/Evoluators) اور بقیہ امتحانی کمیٹی کے ممبران (Viva Voce Committee) کا تعارف پیش کر کے مقالہ نگار کو ایک معین وقت کے لئے اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کرنے کی دعوت دے گا۔اگر زبانی امتحان عمومی دفاع کی صورت میں نہیں ہےتو پھر بھی یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔طالب علم کے خلاصہ پیش کر دینے کے بعد اب پہلے ممتحنین حضرات کو زبانی امتحان (Viva Voce) اور سوالات کے آغاز کی دعوت دی جائے اور اُن کے امتحانی مراحل مکمل ہونے کے بعد پھر تمام سامعین کو بھی اُس مقالہ سے متعلق سوالات کی دعوت دی جائے گی۔

زبانی امتحان میں مقالہ کا خلاصہ پیش کرنے کا طریقہ:

زبانی امتحان کے لئے طالب علم مقالے کا خلاصہ تیار کرتا ہے تا کہ اسے ممتحن حضرات اور سامعین کے سامنے پیش کرے،خلاصہ بڑی احتیاط سے تیار کیا جانا چاہیئے، یہ مقالہ میں بیان کردہ ہر چیز کا سرسری جائزہ ہوتا ہے۔اس لئے خلاصہ تیار کرتے ہوئے اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اس میں اپنے مقالہ سے متعلقہ تمام اہم امور کو سمیٹیں اُن میں کم ازکم مندرجہ ذیل دس عناصر کا ہونا لازمی ہے:

ا۔ ادائیگی شکریہ

طالب علم خلاصہ کا آغاز مروجہ خطبہ مسنونہ یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرے گا۔

اس کے بعد الفاظ تشکر میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، رسول اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجے گا اور اس کے بعد نگران مقالہ ومزید اساتذہ کرام اور متعلقہ افراد کا چند الفاظ میں شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

۲۔ مقالہ کا موضوع بیان کرنا

۳۔ فرضیہ تحقیق یا بنیادی سوال جس کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے مقالہ لکھا گیا واضح کرنا

۴۔ مقاصد تحقیق بیان کرنا

۵۔ مقالہ کے ابواب کی تعداد کا ذکر کرنا

۶۔ تمام ابواب کا خلاصہ تیار کر کے بیان کرنا۔ ہر باب کا خلاصہ دو یا تین منٹ میں بیان کرنا

۷۔ نتائج تحقیق یا خلاصہ مقالہ بیان کرنا

۸۔ تحقیق کے نتیجہ میں جو سفارشات مرتب کیں ہوں اُن کا ذکر کرنا

۹۔ اہم مصادر ومراجع جن کی تعداد کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ بیس ہو کا ذکر کرنا

۱۰۔ آخر میں عام دفاع میں شریک افراد یا بقیہ تمام صورتوں میں حاضرین محفل کا شکریہ ادا کرنا

گزشتہ بیان سے یہ بات واضح ہے کہ طالب علم خلاصہ تیار کرنے میں مقدمہ سے مدد لے سکتا ہے اور مقدمہ کے اقتباس کے ساتھ تحقیقی مقالہ کے نتائج جن کے ذریعے اس نے علمی ترقی میں حصہ لیا (Participation) اور وہ نصائح بھی شامل کر سکتا ہے جو وہ پیش کرنا چاہیے، بالفاظ دیگر خلاصہ دراصل موضوع سے متعلق ایک مفروضہ سے لے کر ثابت شدہ حقیقت بننے تک کا سرسری جائزہ ہے۔

ایم فل میں یہ خلاصہ تقریباً نصف گھنٹہ میں پیش کرنا ہوتا ہے اور پی ایچ ڈی میں پون گھنٹہ میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا خلاصہ تیار کرتے ہوئے وقت کی اہمیت کو مدنظر رکھنا

کامیابی کی علامت ہے بے جا طوالت یا کسی لازمی عنصر کو چھوڑ دینا آپ کو ناکامی یا خفت سے دوچار کر کے آپ کے اچھے تاثر کو زائل کر دے گا۔

اس میں حسن ادائیگی بہت اہمیت کی حامل ہے، لہٰذا ممتحنین (Examiners) کے سامنے کھڑے ہونے سے پہلے اس کی مشق کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ میں بہتر یہ ہے کہ خلاصہ تیار کر کے گھر میں کسی بڑے شیشہ کے سامنے کھڑے ہو کر اُس کا ریہرسل کر لیا جائے۔ زبانی امتحان میں پر سکون انداز میں کھڑا ہو کر مناسب حرکات اپنائی جائیں، زبان میں شائستگی ہو، اسلوب میں سادگی ہو، کنایات میں عمدگی ہو، رنگا رنگ ترنم ہو، خوبی، وقار اور جودت نظر کے ساتھ ساتھ فقرے مرتب و منظم ہوں۔

طالب علم کو چاہیے کہ وہ متکبرانہ انداز میں پیش نہ ہو اس کے کلام سے تکبر اور خود پسندی ظاہر نہ ہو رہی ہو، بلکہ وہ تواضع کا نمونہ ہو جو علماء کے اخلاق میں سرفہرست بھی ہے، جواب دیتے ہوئے یوں کہے کہ اس نے کوشش کی ہے اور امید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔

زبانی امتحان سے متعلق ایک دوسری بات یہ ہے کہ مقالہ میں پائے جانے والے مختلف فیہ یا کمزور نظریات کا دفاع طالب علم کو بذات خود کرنا ہوگا۔ (13)

زبانی امتحان کا خلاصہ پیش کرنے میں وقت کی تحدید:

ابھی تک بعض جامعات اور اداروں میں عمومی یا عام دفاع (Open Defence) کے بجائے مخصوص جگہ میں بھی زبانی امتحان منعقد ہوتے ہیں۔ دونوں طریق کار میں مقالہ نگار کو سب سے پہلے اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کرنے کی دعوت دی جاتی ہے عمومی طور پر ایم اے کی سطح پر پندرہ منٹ، ایم فل کی سطح پر نصف گھنٹہ اور ڈاکٹریت کی سطح پر پینتالیس منٹ تک کا وقت، مقالہ کا خلاصہ بیان کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ مختلف ادارے ایسے بھی ہوتے ہیں جس میں خلاصہ پیش کرنے کے بارے میں نہیں کہا جاتا لیکن

اکثر ادارے اس کی پابندی کرتے ہیں۔

خلاصہ پیش کرنے کے بعد کے مراحل:

مقالہ کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد اسے تنقید کا سامنا کرنا ہوتا ہے، لہٰذا وہ اسے فراخ دلی اور وسعت ظرفی سے قبول کرے اور اس دوران نروس نہ ہوا عصاب پر قابو رکھے اس پر کیا جانے والا کوئی بھی حملہ اسے کمزور نہ کرنے پائے، یہ بات ذہن نشین رہے کہ ممتحنین میں سے بعض پروفیسر سخت معترض ہوتے ہیں ان کی طرف سے درشتی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، یہ صورت حال طالب علم کی نفسیات پر اثر انداز نہیں ہونی چاہئے اسے چاہئے کہ جواب دیتے ہوئے صرف علمی تنقید پیش نظر رکھے اس کی تلخی یا تندی کی پرواہ نہ کرے۔ یہ بھی علم ہونا چاہئے کہ ہر اعتراض کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات ممتحن کا نقطہ نظر طالب علم سے متفق ہوتا ہے کیونکہ اصل مقصد تو حقیقت کا ادراک ہے جہاں سے بھی ہو، کمزور جواب نا قابل قبول ہوتا ہے، ہٹ دھرمی علماء کا شیوہ نہیں اور نہ ہی طالب علم اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

عام طور پر زبانی امتحان (VIVAوائے وا) مقالہ کے عنوان اور اس کے ذیلی عنوانات کے گرد گھومتا ہے، تاہم طالب علم کو اس جنرل موضوع کا بھی مطالعہ کر لینا چاہئے جس میں سے اس نے زیر بحث مسئلہ کو منتخب کیا ہے، اکثر ممتحنین طالب علم کی گرفت کا اندازہ لگانے اور تحقیق کے ضروری پہلوؤں کا اجاگر کرنے کے لئے ایسی باتیں بھی پوچھ لیتے ہیں جن کا مقالہ کے ساتھ دور یا نزدیک کا تعلق ہو، مثلاً اگر کسی مقالہ کا موضوع "بنی عباس کے دور میں عراق کی اقتصادی حالت" ہو تو طالب علم کا فرض ہے کہ بنی عباس سے پہلے اور بعد کے زمانہ کے اقتصادی حالات کو بھی ذہن میں رکھے، اس دور کے سیاسی حالات سے بھی آگاہ رہے۔ علاوہ ازیں تاریخ اسلام کے مشہور واقعات اور اہم حادثات کو عمومی طور پر ذہن نشین کرے، کیونکہ ممتحنین کو مقالے کے ساتھ دور یا نزدیک سے تعلق رکھنے والے تمام

موضوعات کو زیرِ تبصرہ لانے کا مکمل حق حاصل ہے۔(14)

زبانی امتحان کے اختتام کا طریق کار:

ممتحنین کے سوالات ہدایات اور تبصرے وغیرہ مکمل ہونے اور باقی شرکاء کے سوالات کا تسلی بخش جواب مل جانے کے بعد اب زبانی امتحان کا مرحلہ ختم ہو جائے گا۔اس کے بعد کمیٹی (Viva Voce Committee) کے سیکرٹری کا فرض ہے کہ وہ اعلان کرے کہ کمیٹی نے مقالہ کی مکمل، مشروط یا جزوی منظوری دی ہے یا مسترد کر دیا ہے۔نیز وہ یہ بھی اعلان کرے کہ اب مقالہ نگار کو ایم اے/ایم فل یا ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاتی ہے یا اُسے مقالہ میں اصلاح کرنے کے لئے اتنی مدت دی جاتی ہے اور اِس مدت کے بعد اگر اُس نے اصلاح شدہ مقالہ جمع کرا دیا تو اُس کو یہ ڈگری دے دی جائے گی۔ اِس کے بعد سیکرٹری کمیٹی تمام ممتحنین حضرات، کمیٹی اور سامعین کا شکریہ ادا کرنے اور مقالہ نگار کو مبارک باد دینے کے بعد اِس امتحان کے اختتام کا اعلان کرے گا۔اگر مقالہ نگار نے عمومی دفاع میں کامیابی حاصل کر لی ہو تو صدرِ محفل، اساتذہ کرام، ممتحنین حضرات اور بقیہ شرکاء کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مقالہ نگار کو مبارک باد اور اُس کو اچھے مستقبل کے لئے دُعائیں دیں۔

حوالہ جات

ساتواں باب (فصل ثانی)

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ اصول تحقیق (کوڈ-711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد/164 مزید ڈاکٹر گیان چند تحقیق کا فن 146,140

۲۔ احمد شلبی۔ کیف تکتب بحثاً (اردو ترجمہ)/49

۳۔ اصول تحقیق/153,127

۴۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان۔ تحقیق کے بنیادی لوازم۔ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان 133/1986

۵۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن/168

۶۔ احمد شلبی۔ کتاب سابقہ/83

۷۔ ڈاکٹر گیان چند تحقیق کا فن/210

۸۔ احمد شبلی۔ کتاب سابقہ/85

۹۔ احمد شبلی/85

۱۰۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن/172-173

۱۱۔ عبدالرزاق قریشی۔ مقالہ کی تسوید اور اردو میں اصول تحقیق۔ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان 263/1986

۱۲۔ تحقیقی نگاری 121/5

۱۳۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن/546

۱۴۔ احمد شبلی/176

آٹھواں باب:

مقالہ میں اقتباسات، حواشی وحوالہ نگاری کی اہمیت، رسمیات مقالہ اور بہترین مقالہ کی خصوصیات

(ا) اقتباسات (Quotations)

تحقیقی عمل کے دوران اقتباسات بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مقالہ نگاری میں تو اقتباسات بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ لفظ اقتباس کی جمع ہے۔ لغت میں اس لفظ سے مراد چھاننا، بتی روشن کرنا، نور چننا، روشنی لینا اور فائدہ حاصل کرنا وغیرہ ہے۔ یہ لفظ عربی زبان کا ہے، اور قبس کے مادہ سے باب افتعال کے وزن پر ہے جس طرح قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام ے بارے میں وارد ہے۔

لعلی اٰتیکم منھا بقبس (طٰہٰ 10)

''شاید کہ تمہارے لئے ایک آدھ انگارا لے آؤں''

یہ ایک حقیقت ہے کہ انگارہ سے بھی انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔

علوم اسلامیہ میں اس سے مراد تحقیقی مقالہ میں زیر بحث سوال یا مسئلہ سے متعلق کسی بنیادی مآخذ یعنی مصادر مثلاً قرآن، حدیث، فقہ، علم الکلام، ثانوی ماخذ یعنی مراجع، اضافی ماخذ یا مستند علمی شخصیت کا نقطہ نظر پیش کرنا ہے۔ مزید دوران تحریر یہ نقطہ نظر نقل کرنا اقتباس کہلاتا ہے۔ وہ نقطہ نظر خواہ مقالہ نگار کی رائے کی تائید میں ہو یا اس کے خلاف، اس علمی شخصیت کے اپنے الفاظ میں ہو یا اس کی رائے کو مقالہ نگار نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو

بہرطور اقتباس کہلائے گا۔ اقتباس دینے کے اس عمل کے بعد اُس نقطہ نظر کے حصول کے ذرائع اور بقیہ کوائف کے نقل کرنے کو حوالہ دینا یا حوالہ نگاری کہتے ہیں۔(1)

اقتباسات کی ضرورت:

مقالہ نگار اور محققین حضرات یہ بنیادی نقطہ ذہن میں رکھیں کہ انہوں نے مقالہ نگاری اور مزید علمی میدانوں میں تحقیقی طریقہ اختیار کرنا ہے نہ کہ تصنیفی اور تالیفی طریقہ اپنانا ہے۔ تحقیقی طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے مقالہ کی ابتداء سے ہر لفظ یا ترکیب کی تعریف، اپنے موضوع سے متعلق متعدد آراء' مختلف علماء کرام کے اختلافات کا جائزہ اور اس طرح تمام متعلقہ امور کو کسی مآخذ سے نقل کر کے یعنی اُن کا اقتباس دے کر ان کا حوالہ ضرور دیں گے۔ اگر آپ حوالہ اور اقتباس کے بغیر کسی موضوع پر جذباتی انداز میں لکھتے چلے جارہے ہیں تو یہ ایک مولوی صاحب کا بہترین وعظ ہے لیکن تحقیق نہیں ہے۔ آپ کو اپنی تحریر کے ابتداء سے ہی تحقیقی طریقہ اختیار کرتے ہوئے حوالہ جات اور اقتباسات کا سہارا لینا پڑے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقالہ کے موضوع یا عنوان کے بارے میں تحریر کا آغاز کرتے ہوئے آپ ایک طالب علم ہیں کوئی عالم دین یا ماہر استاذ نہیں ہیں۔ آپ سے مطلوب یہ ہے کہ آپ اپنے موضوع کے بارے میں موجود مختلف سکالرز و علماء کی رائے کا جائزہ لے کر ان میں تطبیق ترجیح یا انہیں کی روشنی میں نئی رائے پیش کریں۔ اِن تمام مباحث کا مطالعہ آپ چھٹے باب کی دوسری فصل میں مفروضہ اور فرضیہ کی بحث میں کر چکے ہیں لہٰذہ یہ تمام امور حوالہ جات اور اقتباسات کے بغیر ناممکن ہیں۔(2)

اقتباس کی دو قسمیں:

(۱) براہ راست اقتباس

(۲) بالواسطہ اقتباس

(ا) براہ راست اقتباس اور اُس کے طریقے:

براہ راست اقتباس سے مراد یہ ہے کہ اقتباس میں مصنف کے الفاظ من وعن نقل کر دیے جائیں۔

براہ راست اقتباس انتہائی احتیاط سے نقل کیا جائے اور اس میں املا، رموز اوقاف وغیرہ علی حالہ برقرار رکھے جائیں۔ اقتباس اگر مختصر ہو، چار سطروں سے زائد نہ ہو اور نثر میں ہو تو اسے واوین کے ساتھ متن کی عبارت میں ہی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس اقتباس پر زیادہ زور دینا مقصود ہو تو اسے الگ سے طویل اقتباس کی طرح لکھا جاسکتا ہے اور اگر اقتباس چار سطروں سے زائد ہو تو اسے متن کی عبارت سے الگ کر کے دونوں طرف زائد حاشیہ دے کر درج کرنا چاہیے، اس صورت میں واوین کی علامت اقتباس کی ضرورت نہیں البتہ ٹائپ کی صورت میں اقتباس Single Space پر ٹائپ کروایا جائے جب کہ مقالہ Double Space پر۔

براہ راست اقتباس نقل کرنے کے بعد اس کا اصل سے موزانہ کرلیا جائے تا کہ کوئی کمی وبیشی نہ ہوگئی ہو۔

براہ راست اقتباس امکانی حد تک مختصر ہونا چاہیے۔ شاذ و نادر مقالے کے آدھے صفحے تک ہوسکتا ہے اور ایک صفحے سے زائد ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ طویل اقتباسات میں عام طور پر ایسا مواد بھی ہوتا ہے جو مقالے کے زیر بحث نکتے سے متعلق نہیں ہوتا، ایسے مواد کو حذف کر دیا جائے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ براہ راست اقتباس موضوع کے تقاضوں کو متاثر کیے بغیر مختصر ترین ہو اگر اقتباس ایک صفحے سے زائد ہے اور کسی وجہ سے اسے من وعن درج کرنا ضروری ہے تو اسے مقالے کے آخری پر ضمیمے کے طور پر شامل کیا جائے اور یہاں اس کا حوالہ دیا جائے۔(3)

(۲) بالواسطہ اقتباس اور اُس کے طریقے:

بالواسطہ اقتباس سے مراد یہ ہے اقتباس من وعن نہ لیا جائے بلکہ اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ مقالے میں عام طور پر بالواسطہ اقتباسات بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ طویل اقتباسات لازمی طور پر اپنے الفاظ میں لکھے جائیں اور اقتباسات کے اختتام پر حوالہ نمبر لگایا جائے، مصنف کے نام پر نہیں۔ بالواسطہ اقتباس کا مآخذ بتاتے ہوئے حاشیے میں کوئی ایسا اشارہ دیجئے جس سے اندازہ ہو کہ آپ کا اقتباس بالواسطہ ہے، مثلاً دیکھئے، انظر، راجع۔ بالواسطہ اقتباسات کو اپنی بحث اور تحقیق کا جزء بنایا جائے اور ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ اقتباسات کے دریچوں سے مقالہ نگار کی علمی شخصیت، تحقیقی رجحان اور دقت نظر واضح طور پر جھلکتی ہو۔

اس سلسلے میں یہ امور بھی پیش نظر رہیں:

(۱) اس امر کا خاص خیال رکھیں کہ اقتباس اپنے سیاق وسباق میں اس طرح پیوست ہو گویا وہ اسی مقام پر استعمال کے لئے تھا۔ اس کے شروع میں مختصر تمہید اور بعد میں مختصر تبصرہ اسے ماقبل اور مابعد سے پیوست کر سکتا ہے۔

(۲) ضروری نہیں کہ اقتباس کسی کتاب یا مجلّے سے ہو، کسی لیکچر یا ذاتی گفتگو کے حوالے سے بھی ہو سکتا ہے، البتہ ایسی صورت میں اس شخصیت کی اجازت ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے وہ اس کی عام اشاعت کی اجازت نہ دیں یا مناسب نہ سمجھیں۔

(۳) اقتباس کے لئے ہمیشہ سب سے زیادہ قابل اعتماد نسخہ استعمال کریں اور کسی بھی شخص کی رائے نقل کرنے سے پہلے یہ یقین کر لیں کہ اس نے بعد میں اپنی رائے تبدیل تو نہیں کر لی۔ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ مصنف کا آخری نظر ثانی شدہ نسخہ استعمال کیا جائے۔(4)

اقتباسات کے استعمال میں احتیاط:

مقالہ نگار کے لئے اقتباسات کا درست استعمال ایک مشکل کام ہے جس کے لئے بہت توجہ درکار ہے۔ پہلے تو مقالہ نگار کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کون سا مصنف یا کون سی کتاب، مقالہ مجلّہ وغیرہ، موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے تسلیم شدہ، مستند مآخذ (Accepted Authority) ہے۔ ہر مکتوبہ یا مطبوعہ مواد سے اقتباس لینا درست نہیں۔ اس کے بعد مقالہ نگار کو یہ طے کرنا ہے کہ کیا وہ اقتباس کو من وعن درج کرے یا اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرے۔ مختلف کتابوں سے من وعن اقتباسات درج کئے جانے کا رجحان بہت عام ہے لیکن یہ تحقیق کے طالب علم کے لئے کسی طور مناسب نہیں ہوتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے تحقیق کے بجائے تالیف کا کام کیا ہے اور ایسے کام پر تحقیق کی ڈگری کا حصول ممکن نہیں۔ اس لئے اقتباسات کے سلسلے میں درج ذیل امور کا خیال رکھیں:

1- اقتباسات اصلی اور مستند مآخذ سے لئے جائیں۔

2- اقتباسات میں تکرار سے گریز کیا جائے، مثلاً ایک بات اگر متعدد مآخذ میں مذکور ہے تو اسے ہر مآخذ کے حوالے سے بار بار نہ لکھا جائے۔ بلکہ ایک بار کسی معتبر ترین ماخذ سے لکھ کر نیچے حاشیہ میں یا باب کے آخر میں اُس ماخذ کا حوالہ دے کر پھر ان تمام مزید مآخذ جن میں وہ بات موجود ہو اُن کا حوالہ وہیں حواشی میں ''نیز ملاحظہ فرمائیں''، ''مزید دیکھئے''، ''مزید مطالعہ فرمائیں'' لکھ کر دے دیا جائے۔ مثلاً ایک مسئلہ کے بارے میں تفسیر طبری، ابن کثیر، خازن اور بیضاوی ایک ہی رائے کے حامل ہیں تو تمام کی آراء کو بار بار نقل کرنا مقالہ کو مولوی صاحب کا خطبہ بنا دے گا۔ تحقیقی طریقہ یہ ہے کہ کسی ایک رائے کو جو واضح اور دلیل کے ساتھ ہو نقل کر دیں اور حوالہ دیتے ہوئے پہلے اس ماخذ کا حوالہ دیں جس کا آپ نے اقتباس نقل کیا ہے اور اس

کے بعد مزید دیکھئے یا ملاحظہ فرمائیں لکھ کر بقیہ تمام کتب کے نام صفحہ و جلد نمبر لکھ دیں۔

اگر ایک اقتباس کئی مقام پر دینے کی ضرورت ہے تو اُس کو پہلے کسی مناسب مقام پر تفصیل سے نقل کر کے اُس اقتباس کا تفصیلی حوالہ دے دیں، اب آئندہ صفحات میں اُس اقتباس کی عبارت کو بار بار نقل نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جہاں اُس کے نقل کرنے کے ضرورت محسوس ہو وہاں یہ لکھ دیا جائے کہ یہ رائے / اقتباس فلاں مقام پر (پہلا باب، عنوان تفسیر کے معنی میں) نقل کی جا چکا ہے۔ پھر نیچے حاشیہ میں اُس جگہ کا صفحہ نمبر اس طریقہ سے دیں۔ (دیکھیے مقالہ ھذا۔ پہلا باب۔ ص 55)۔

احادیث نبوی میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ تعدد طرق کو تعدد روایات سمجھ کر ایک حدیث کو بار بار نقل کر دیا جاتا ہے۔ اگر مختلف مآخذ کے بیانات میں کوئی جوہری اختلاف ہو تو اسے الگ سے ذکر کیا جا سکتا ہے، جوہری اختلاف سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر تمام کی آراء مختلف موقف کی حامل ہوں۔ اگر صرف لفظی اختلاف ہے تو اس کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ اختلافی بیان آپ کے زیر بحث نکتے سے براہ راست متعلق ہو تو اسے متن میں ہی زیر بحث لائیں ورنہ زیریں حاشیے پر اس کی نشاندہی کر دیں۔ (5)

اقتباسات دینے کے متعدد طریقہ:

اسلامی تحقیقاتی اصولوں کے مطابق کوئی تحقیق بھی حوالہ یا اقتباسات کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس کا مطالعہ آپ سابقہ ابواب میں کر چکے ہیں۔ تحقیقی عمل کے دوران تحقیق یا مقالہ میں اقتباسات، حوالے، حواشی اور اشاریے کی بہت اہمیت ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے اس عمل میں حد درجہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ عام طور پر اقتباسات درج ذیل صورتوں میں دیئے جاتے ہیں۔

(۱) جب مآخذ، مصادر، مراجع اس تحقیق کے فرضیہ یا مفروضہ کی تائید کر رہے ہوں یا اس کی کسی حیثیت سے مدد و معاون ہوں۔

(۲) جب کسی مصنف کا اقتباس اس کی عبارتوں اور تصورات کی پیش کش سے، بہتر طور پر محقق کے مفروضوں اور دلیلوں کو ثابت کر سکتا ہو۔

(۳) جب دستاویزی شہادت کے لئے ضروری ہو یا محقق کو کسی کی رائے سے انحراف ہو۔

(۴) جہاں اعداد و شمار کے بیان میں ٹکراؤ ہو یا کہیں بنیادی اصولوں میں اختلافات ہو۔

محقق کو اس سلسلے میں بہت دیانت دار ہونا چاہئے کہ اگر غیر مطبوعہ مسودے کی عبارت نقل کرنی ہو اور عبارت نویس بقید حیات ہو تو اس سے اجازت لینا اسلامی اخلاقی آداب میں شامل ہے۔ پھر اقتباسات کی صحت کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اقتباس کی عبارت کو اسی زبان میں بیان کیا جاتا ہے۔ واوین کی مدد سے اقتباس کی عبارت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی صورت میں اسلامی اصولوں کی روشنی میں استفادہ کا اعتراف ضروری ہوتا ہے۔ کثرت مطالعے کے دوران ضروری عبارتیں مع حوالے کے نوٹ کر لی جاتی ہیں اور مقالہ لکھتے وقت ان کا احتیاط سے استعمال لازم ہوتا ہے۔ بہت زیادہ اور غیر ضروری اقتباسات ایک اچھے مقالے کی پہچان نہیں۔

اس سلسلے میں چند مزید باتیں بھی ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہیں۔

(۱) اقتباسات کا براہ راست استعمال وہیں زیب دیتا ہے جہاں اسکالر یہ یقین کر لے کہ کسی مخصوص عبارت سے زیادہ اچھی طرح، وہ خود اس میں بیان کی گئی باتوں کو نہیں لکھ سکتا، اس میں اختصار کا حسن بھی ہے اور قابل قبول بھی ہے۔

(۲) اگر مقالے میں کسی دستاویزی شہادت کی ضرورت پیش آتی ہے اور حوالے سے پورا مقصد حل نہ ہوتا ہو تو ضروری عبارت کو بڑی احتیاط کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔

(۳) اگر محقق کسی مصنف کے بعض مفروضات کو غلط سمجھتا ہے یا اس کی تردید کرنا چاہتا ہے

تو وہ براہ راست اقتباسات پیش کر سکتا ہے۔

(۴) سائنسی اور سماجی علوم کی ضروریات کے تحت طویل اقتباسات جن میں اصول، فارمولے اور نتائج اپنی اصلی شکل میں ہوں، پیش کیے جا سکتے ہیں۔

لہٰذا اقتباسات جہاں تک ممکن ہو فہم و فراست کے ساتھ استعمال کیے جائیں۔(6)

(2) حواشی و حوالہ نگاری کی ضرورت و اہمیت
(Footnotes-References)

تحقیقی مقالے کی قدر و قیمت کا تعین جن امور سے ہوتا ہے، ان میں ایک اہم چیز حواشی ہیں۔

حواشی اور اقتباس میں فرق یہ ہے کہ اقتباس میں کسی اور شخصیت کی تحریر یا قول وغیرہ کو اپنے مقالہ میں نقل کیا جاتا ہے لیکن حواشی میں ریسرچ سکالر یا مقالہ نگار کسی معاملہ کی وضاحت یا اُس کی حقیقت کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ یہ ایک اور بحث ہے کہ وہ وضاحت وہیں عبارت کے درمیان قوسین یا واوین میں کر دے یا صفحہ کے نیچے فٹ نوٹس یا فصل و باب کے آخر میں کرے۔

حواشی یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ نے کن کن کتابوں سے استفادہ کیا اور آپ کی کتابیں مصادر تھیں، مراجع تھیں، ثانوی مآخذ تھے، اضافی مآخذ تھے، ذیلی مآخذ تھے یا اُن کا معیار کیا تھا، مزید اُن سے آپ نے اپنے متعلقہ مواد کا کس طرح استخراج و استنباط کیا ہے۔ حواشی آپ کے وسعت مطالعہ، حسن انتخاب اور ذوق اخذ و قبول کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ آپ کتنی ہی محققانہ کتاب لکھیں اگر آپ نے اس کے مراجع و مصادر نہیں بتائے تو وہ ایک مسجد کے مولوی صاحب کی بہترین تقریر یا جمعہ کا بہترین خطبہ تو ہو سکتا ہے لیکن اُس مقالہ یا کتاب کی علمی اور تحقیقی میدان میں کوئی خاص قیمت نہیں ہے۔

لفظ حواشی حاشیہ کی جمع ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد کنارہ ہے۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد

”تحقیقی عمل یا مقالہ نگاری کے دوران مختلف ماخذ یا کتب و شخصیات وغیرہ کے دیئے گئے اقتباسات کی کتب وغیرہ کے جلد نمبر، صفحہ نمبر یا کسی اور طریقہ سے ان کے حوالہ جات کو ہر صفحہ کے نیچے ایک مخصوص حصہ یا اس باب، فصل وغیرہ کے آخر میں درج کرنا ہے“

بسا اوقات خود محقق اپنے مقالہ سے متعلق وضاحتیں بھی حواشی میں لکھتا ہے۔ مزید حواشی کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب محقق مقالہ لکھتے وقت کسی مستند ماخذ یا کسی معتبر عالم دین، استاد یا سکالر کے خیال، عبارت، کتاب اور مصنف سے استفادہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنی سوچ بلکہ دیگر ماہرین کی رائے سے بھی قاری کو آگاہ کرتا ہے۔ حواشی تحقیقی مقالے کا لازمی جزو ہے۔ جنہیں (Foot Notes) فٹ نوٹس مواد کے ذیلی اشارے بھی کہا جاتا ہے۔ بعد اوقات حواشی میں مشکل متن کی توضیح و تشریح بھی درج کی جاتی ہے۔ ایسا مواد جو اضافی ہو اور مقالے کی طوالت کو بڑھاتا ہو، لیکن ان نظریات سے قاری کو واقف کرانا مقصود ہو تو حاشیے میں درج کر دیا جاتا ہے۔ حواشی کے استعمال میں یہ امر ضرور ذہن نشین ہونا چاہئے کہ اس کی شمولیت مقالے کو وقیع بناتی ہے۔ استدلال میں مدد دیتی ہے۔ تاہم اگر ان کا برمحل استعمال نہ ہو تو اس تکنیکی خامی سے تحقیق کا معیار مشکوک ہو جاتا ہے۔ (7)

اس کی اہمیت اس لیے مسلمہ ہے کہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نہ ماننے والوں یعنی کفار و مشرکین سے حوالہ مانگا ہے۔ جس طرح وارد ہے۔

ائتونی بکتاب من قبل هذا او أثارة من علم ان کنتم صادقین (الاحقاف:۴)

(ترجمہ) اس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ تمہارے پاس ہو تو وہ لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

لہٰذا اسلامی اصولوں کے مطابق حوالوں و حواشی کی تحقیقی مقالے میں بہت اہمیت ہے، اس کے بغیر نہ مطالعے کا احساس ہوتا ہے اور نہ دلیلوں کی سند مہیا کی جاسکتی ہے۔ نتیجہ

اخذ کرنے کی راہ میں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

حواشی کے مندرجات:

عمومی طور پر حواشی میں تین طرح کی معلومات درج کی جاتی ہیں:

1- محقق نے متن مقالہ میں درج معلومات کے لئے جس ماخذ سے استفادہ کیا ہے، اس کے بارے میں مکمل معلومات حاشیے میں فراہم کی جاتی ہیں کہ ان معلومات کا ماخذ کوئی مطبوعہ مواد ہے، مخطوطہ ہے، لیکچر ہے، ویب سائٹ یا بالمشافہ گفتگو وغیرہ۔ ان حواشی کی وجہ سے جہاں مصنف اپنی مندرجات کو مستند بناتا ہے، وہاں ان ارباب علم و دانش کا اعتراف بھی کرتا ہے جن سے اس نے استفادہ کیا۔ مزید برآں اس سے مزید مطالعے کے خواہش مند یا اس مقالے میں درج معلومات کی صحت جانچنے والے افراد کے لیے سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

2- متن میں بسا اوقات کسی بات کی طرف اجمالی اشارہ دیا جاتا ہے اور وہ اشارہ متن کی ضروریات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں مزید تفصیلات اساسی نہ ہونے کی وجہ سے متن مقالہ میں شامل نہیں کی جا سکتی یا ان تفصیلات کے باعث سلسلہ بحث کا رخ بدل جاتا ہے اور کلام میں تسلسل نہیں رہتا، اس لئے اس طرح کی تفصیلات اگر طویل ہوں تو حاشیے میں اشارہ کر کے اُس کو مقالہ کے آخر میں بطور ملحق یعنی ضمیمہ میں شامل کر دی جاتی ہیں اور اگر مختصر ہوں تو حاشیے میں درج کر دی جاتی ہیں۔

3- مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں کسی دوسرے مقام پر کسی ایسی بات کی تفصیل دے دی ہے جس کی طرف یہاں اشارہ کیا جا رہا ہے تو حاشیے میں اس مقام کی نشان دہی کر دی جاتی ہے۔(8)

حوالہ کی اہمیت وطریقے:

تحقیقی مقالہ میں حوالہ جات کے ذریعہ محقق اپنے دلائل کی سند مہیا کرتا ہے۔ یہ سند اقتباسات اور حواشی دونوں میں فراہم کی جاتی ہے۔ یہ ایک ابدی اصول ہے کہ جس ذریعہ سے مواد حاصل کیا جائے اُس ذریعہ کا ذکر یعنی حوالہ ضرور دینا چاہئے یہ بات اسلامی تحقیقی اخلاقی اصولوں کے مطابق ضروری ہے۔ تحقیقی مقالہ میں حوالہ کی بہت اہمیت ہے۔

حوالہ جات دینے کے دو طریقہ زیادہ مروج ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہر صفحہ کے نیچے حاشیہ بنا کر اُس صفحہ کے متن کے آخر میں اس صفحے سے متعلقہ حوالہ جات درج کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طریقہ کار کا فائدہ یہ ہے کہ حوالے کے متعلق تقریبا تمام مطبوعات زیر نظر صفحے پر موجود ہوتی ہیں۔ جن سے ممتحنین، مطالعہ نگار، قاری اور خود مقالہ نگار کو بھی نظر ثانی کے دوران آسانی رہتی ہے۔ حوالہ جات کے نمبر شمار ہر صفحہ پر نئے سرے سے شروع کئے جاسکتے ہیں یا پورے باب کے مسلسل بھی ہو سکتے ہیں۔ (9)

دوسرا طریقہ ہر باب، فصل یا کتاب و مقالہ کے آخر میں تمام حوالہ جات ایک جگہ نمبر شمار کے مطابق کمپوز کر دینا ہے۔ اس دوسرے طریقہ میں آج کل کے کمپوزر حضرات کو آسانی ہوتی ہے جب کہ پہلے طریقہ میں تحقیق یا مقالہ سے استفادہ کرنے اور لکھنے والے کو آسانی ہوتی ہے۔

حوالہ نگاری کے اس کے علاوہ چند غیر معروف اور غیر مروج طریقہ ہیں مثلاً مقالہ کے آخر میں مختلف مصادر و مراجع کے نام نمبر شمار کے تحت درج کر دیئے جاتے ہیں اور پھر حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام لکھے بغیر اس کا نمبر شمار اور جلد و صفحہ لکھ دیا جاتا ہے یا اس طرح کے مزید مختلف طریقہ ہیں ان تمام غیر مروج طریقوں کو اپنے ادارہ کی پالیسی اور نگران مقالہ کی مشاورت سے اختیار کریں۔ (10)

حوالہ دینے کے مختلف طریقے:

مقالہ، کتب یا تحقیقی مضامین وغیرہ میں حوالے دینے کے متعدد طریقہ مروج ہیں ان سے میں سے کچھ کا تعلق اسلامی اصول تحقیق اور بعض کا تعلق مغربی اصول تحقیق سے ہے۔اس سلسلہ میں ایک اصولی قاعدہ یہ ہے کہ حاشیہ، باب وفصل کے آخر یا مقالہ کے آخر میں حوالہ دینے کے طریقِ کار کو ہر ادارہ، یونیورسٹی اور کالج اپنے حالات کے مطابق خود ترتیب دے کر اُسے اپنے قواعد میں تحریر کرے گا۔اس معاملہ میں ضروری نہیں کہ کسی ایک لگے بندھے اصول کی پیروی کی جائے۔ حوالہ دینے کے یہ طریقہ حالات وزمانہ اور سہولیات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح مغرب میں امریکہ کی مختلف جامعات ، برطانیہ کی مختلف جامعات اور فرانس و جرمنی کی جامعات نے اپنے طلبہ اور تحقیق کاروں کے علیحدہ علیحدہ طریقہ ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔

مسلم مصنفین کے حوالہ دینے کے طریقے:

اسلامی اصول تحقیق سے متعلق آپ دوسرے باب میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ عباسی دور سے دوسری صدی ہجری یا نوی صدی عیسوی میں جیسے ہی بھر پور تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا تو اکثر مصنفین نے اپنے نگارشات میں حوالہ جات درج کرنے کا آغاز کر دیا تھا۔لیکن وہ زمانہ دور حاضر کی طرح پرنٹ یا الیکٹرونک میڈیا کا نہیں تھا اور نہ ہی ذرائع مواصلات اتنے ترقی یافتہ تھے کہ کسی کتاب کی اشاعت وتدوین کی خبر تمام جگہ پھیلا دی جائے اِس لئے حوالہ نگاری کے نظام کی کیفیت بھی دور حاضر کی مانند نہیں تھی۔

قدیم اسلامی تحقیقی کُتب میں حوالہ نگاری کے پانچ اہم طریقے:

1- بعض مصنفین کتاب کے مقدمہ میں یہ بات بتا دیتے تھے کہ ہم نے اپنی تصنیف میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا ہے۔ اور اُن مصادر و مراجع کو فہرست کی صورت میں لکھ دیتے تھے۔لیکن اپنی کُتب کی عبارتوں میں پھر اُن مآخذ کا ذکر نہیں کرتے

تھے۔جس طرح عربی لغت کے امام ابوزید انصاری بصری متوفی 239ھ نے کتاب النوادر فی اللغۃ میں اس انداز کو اختیار کیا ہے۔اِسی طرح ابن فارس متوفی 395ھ نے معجم مقائس اللغۃ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

2- کچھ مصنفین مقدمہ میں اِس امر کوتو واضح کر دیتے تھے کہ انہوں نے اس تصنیف میں متعدد لغوی، ادبی، فنی، اور مزید کُتب سے استفادہ کیا ہے۔اُن کی فہرست کتاب کے آخر میں دے دیتے اور اپنی عبارتوں میں اِن کتب کا ذکر نہیں کرتے تھے۔جس طرح امام ترمذی نے کتاب العلل میں اپنے مآخذ بیان کئے ہیں۔

3- چند مصنفین مقدمہ میں حوالہ جات کے بارے میں بتانے کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اور اپنی عبارتوں میں چند کتب کا بے قاعدہ ذکر کر کے کتابیات کی وضاحت جداگانہ رسالہ میں کر دیتے تھے جس طرح امام ابوداؤد متوفی 275ھ نے کتاب السنن میں کتابیات ایک مستقل رسالہ "رسالہ اِلی اہل مکہ فی وصف سنتہ" میں بیان کی ہیں۔

4- اکثر مصنفین اپنی کتب کی عبارتوں میں حوالہ دیتے ہوئے صرف کتاب کا نام یا کہیں صرف مصنف کا نام لکھ دیتے تھے، لیکن دور حاضر کی طرح باقاعدہ حوالہ دینے کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔جس طرح تفسیر، شروحِ حدیث یا فقہ کی کتب میں آج بھی ہمیں یہ طریق کار عام طور پر نظر آتا ہے۔تفسیر طبری، ابن کثیر یا دور حاضر کی بھی تمام تفاسیر، فتح الباری، عمدۃ القاری یا دور حاضر کی شروح حدیث مزید ہدایہ، بدائع الصنائع، المغنی، حجۃ اللہ البالغۃ حتی کہ بیسویں صدی کے نصف اول تک جتنی کتب تصنیف کی گئیں اکثر میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

5- معدود چند مصنفین ایسے بھی تھے جو کتاب اور مصنف کا نام وہیں عبارت کے دوران قوسین میں یا نیچے حاشیہ بنا کر دیتے تھے لیکن صفحہ نمبر، سن اشاعت مطبع کا نام وغیرہ نہیں دیتے تھے۔بیسویں صدی میں تصنیف ہونے والی اکثر کتب میں اس طریقہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مسلم مصنفین میں اِس کے علاوہ بھی چند غیر معروف حوالہ دینے کے طریقہ مروج ہیں جو غیر اہم ہیں اور اُن کا ذکر بھی ضروری نہیں ہے۔

مغربی مصنفین کے حوالہ دینے کے طریقے:

جس طرح مقدمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ علم تحقیق علم تفسیر، علم حدیث، علم الکلام، علم العقائد وغیرہ کی طرح ایسا علم نہیں کہ جس کا آغاز صرف مسلمانوں نے کیا ہو بلکہ یہ دور قدیم سے جاری وساری علوم وفنون میں سے ایک علم ہے۔ مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی سے لے کر سترھویں صدی تک اِس علم کو عروجِ ثریا سے ہمکنار کیا اُس کے بعد مغرب نے بھی اِس علم کو جلا دبخشنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کا ذکر پہلے باب کی تیسری فصل میں مختصراً موجود ہے۔

اس وقت مغرب میں جس طرح اِس عنوان کے ابتداء میں وضاحت کی جا چکی ہے بے شمار اداروں نے اپنے طلبہ، تحقیق کار، مقالہ نگار اور ریسرچ سکالرز کے لئے حوالہ دینے کے لئے جدا جدا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ مثلاً امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں نے اپنے اپنے طریقہ، برطانیہ کی جامعات نے اپنے طریقہ اور فرانس وجرمنی وغیرہ کے اداروں نے بھی اپنے حالات کے مطابق متعدد طریقہ مروج کئے ہوئے ہیں۔ جن میں چند اہم درج ذیل ہیں۔

مغرب میں مروج حوالہ دینے کے چند طریقے:

امریکہ میں اِس وقت تین طریقہ بہت اہم ہیں جو اُس کی مختلف یونیورسٹیوں نے حالات کے مطابق ترتیب دیتے ہوئے ہیں۔

A-P-A-1 سٹائل) American Pshychalogyical (Association Style and Guide

اِنْ کے طریقہ کے مطابق آپ نے متن مقالہ میں تحریر کے دوران اقتباس دیتے

ہوئے ہی مصنف اور کتاب کا نام درج کر کے قوسین میں سن اشاعت وغیرہ دے دینا ہے اور جہاں اقتباس ختم ہو وہاں قوسین میں صفحہ نمبر لکھوا دینا ہے۔ اور مقالہ کے آخر میں کتب کی فہرست پوری تفصیل نام مصنف، مطبع، سن اشاعت، شہر وغیرہ کے ساتھ درج کر دینی ہے۔

مثلاً ''جس طرح امام مرغینانی نے ہدایہ (بیروت۔ دارالفکر:1983) میں اِس مسئلہ میں اپنے آراء کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شوافع کا محاکمہ کیا ہے۔(ج۔ 2۔ ص71)

2-شکاگو سٹائل (The Chicago Manual and Style)

شکاگو امریکہ کی ایک ریاست ہے اِس میں ایک یونیورسٹی شکاگو یونیورسٹی کے نام سے معروف ہے۔ اُس نے حوالہ دینے کے اپنے علیحدہ طریقہ ترتیب دیئے ہیں۔ اُن کا طریقہ اِس ترتیب سے درج ذیل ہے۔

1- مصنف کا نام: پہلے اُس کا معروف نام یا لقب وغیرہ اور پھر بقیہ نام آئے گا
2- کتاب کا مکمل نام نیز اگر کتاب کسی نے تحقیق کی ہو تو اُس کا نام
3- پبلشر۔ شہر۔ سن اشاعت وغیرہ
4- جلد و صفحہ نمبر وغیرہ

اس طریقہ میں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئیے کہ مصنف کے آخری نام سے مراد اُس کا وہ نام ہے جس سے وہ معروف ہے مثلاً مشہور محدث امام ابو داؤد کے نام آخر میں بجستانی آتا ہے کیونکہ وہ خراساں کے ایک علاقہ بجستان کے رہنے والے تھے۔ اُن کا معروف نام ابو داؤد لکھنا ہے بجستانی نہیں لکھنا۔ گویا کہ ہر مصنف کا جو نام معروف ہو جائے پہلے لکھا جائے گا۔

مثلاً غزالی محمد بن محمد امام۔ المستصفیٰ فی علم الاُصول۔ تحقیق احمد ھلال سرجان۔

بیروت۔دارالفکر۔1983۔ص:124)اِس حوالہ میں پریس کے شہر کو پہلے بھی لکھا جا سکتا ہے اور بعد میں بھی۔

3-ہارڈورڈ سٹائل(Hardvard Reeferencin Style Guide)

ہارورڈ یونیورسٹی بھی امریکہ کی ایک یونیورسٹی ہے یہ یونیورسٹی امریکہ کی ایک ریاست میساچوسٹھ(Mussachusetts)کے شہر بوسٹن میں واقع ہے۔

اِس یونیورسٹی نے بھی حوالہ دینے کا اپنا طریقہ اختیار کیا ہے جو ہارڈورڈ سٹائل کے نام سے معروف ہے وہ طریق کار درج ذیل ہے۔

اگر متنِ مقالہ میں آپ کسی کتاب کا اقتباس دے رہے ہیں تو اُس کی ابتداء میں ہی مصنف کا نام اور پھر قوسین میں مکتبہ،کتاب کا سنِ اشاعت،شہر اور جلد وصفحہ نمبر دیں گے۔ اور اگر کسی مصنف کی رائے کو اپنے الفاظ میں بیان کر رہے ہیں تو پھر حوالہ اِسی ترتیب سے نیچے حاشیہ میں دیں گے۔

ان تین سٹائل کے علاوہ برطانیہ،فرانس،جرمنی،اٹلی وغیرہ میں عمومی طور پر ہر یونیورسٹی کا اپنا سٹائل ہے لیکن اکثر مغرب میں شکاگو سٹائل کو اختیار کیا جاتا ہے۔

علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے حوالہ دینے کے موزوں طریقے:

اِن تمام بحث کے مطالعہ کے بعد علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے حوالہ دینے کے مناسب طریقے درج ذیل ہیں:

ا۔قرآن مجید کی آیات کا حوالہ دینے کا طریقہ:

قرآن مجید کی آیات میں موزون طریق کار یہ ہے کہ آپ سورہ کا نام اور آیت نمبر لکھ دیں۔رکوع،سپارہ یا منزل وغیرہ کا نمبر دینا بھی مناسب طریق کار نہیں اور نہ ہی سورہ کا نمبر اور آیت کا نمبر دینا جو خالص مغربی تقلید ہے مناسب طریق ہے۔جس طرح ''النساء:141 مناسب طریقہ ہے اور''4:141'' بالکل غیر اسلامی طریقہ ہے۔اہل

مغرب اپنی جس کتب کو مقدس یا الہامی تصور کرتے ہیں اُن میں قرآن مجید کی طرح سورتوں کے توقیفی نام اور ترتیب نہیں ہیں۔ انہوں اپنی اِن کتب کی عبارتوں کو خود مختلف ابواب، ذیلی ابواب اور اُن کے فقروں کو مختلف نمبروں میں تقسیم کیا ہوا ہے لہٰذہ اب وہ اُن کا حوالہ دیتے ہوئے صرف نمبر شمار دینے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس کو ہمارے علومِ اسلامیہ کے استغراب پسند مسلم ماہرین بلا سوچے سمجھے اختیار کر لیتے ہیں۔

قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہے اس کے ہر سورہ کے نام بھی الہامی ہیں اور اُن ناموں میں ایک تاریخ پنہاں ہے پھر اِس سورۃ کا نام لینا بھی عبادت ہے۔ لہٰذہ علوم اسلامیہ کے طلبہ آیات قرآنی کا حوالہ دیتے ہوئے صرف ایک طریقہ اور وہ آیت نمبر اور نام سورہ لکھیں۔ اگر اضافی طور پر سورہ نمبر یا آیت نمبر لکھ دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر قرآن کا حوالہ نمبر لکھنے کے بھی دو طریقہ ہیں اول بہتر یہ ہے کہ آیت قرآنی لکھ کر اُس کے آخر میں ہی قوسین میں (الانعام:88) لکھ دیں یا جہاں آپ حواشی بنا کر حوالہ نمبر وغیرہ دے رہے ہیں یعنی ہر صفحہ کے نیچے یا فصل، باب کے آخر میں سورہ کا نام اور آیت نمبر کا حوالہ دے دیں۔

احادیث کے حوالہ دینے کے طریقے:

علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے احادیث یعنی اسلامی اصول تحقیق کے دوسرے مآخذ کا حوالہ دینا بھی بہت ضروری ہے۔ حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کتب حدیث کے اتنے زیادہ ایڈیشن ساری دنیا میں چھپ چکے ہیں کہ اُن کو شمار نہیں کیا جا سکتا مزید دور جدید میں کچھ لوگوں نے تمام کتب کی احادیث کے باقاعدہ نمبر شمار بھی لگائے ہیں۔ لیکن ان تمام کے باوجود کُتب احادیث کے حوالہ دینے کے متعدد طریقے ہیں جن سے چند معروف طریقے درج ذیل ہیں۔

(ا) 1-نام محدث (معروف نام پہلے لانا ہے)

2- نام تصنیف

3- حدیث کو محدث نے جس کتاب میں درج کیا ہے اُس کتاب اور اُس کے متعلقہ باب کا نام

مثلاً: بخاری محمد بن اسماعیل امام۔ جامع صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ باب الامامۃ۔ (اگر اِس کے ساتھ حدیث نمبر لکھ دیں تو وہ بھی بہتر ہے)

مطبع، سن اشاعت یا جلد وصفحہ نمبر دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ حوالہ دینا میں تمام ممالک میں آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

(ب) 1- محدث کا نام　　　2- نام تصنیف (کتاب)

3- مطبع، شہر سنِ اشاعت وغیرہ　　　4- جلد وصفحہ نمبر

(ج) صرف حدیث کی کتاب اور نمبر شمار لکھو دینا مثلاً ''امام مسلم، صحیح مسلم حدیث نمبر 1520''

یہ آخری طریقہ مناسب طریق کار نہیں ہے کیونکہ عالم اسلام میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جہاں پر ابھی تک نمبر شمار لگی ہوئی کتب احادیث میسر نہیں۔ اُن کو حوالہ ڈھونڈنے میں دقت ہوتی ہے۔

بقیہ علوم اسلامیہ کی کتب کے حوالہ دینے کے طریقے:

(۱) قرآن اور حدیث کے علاوہ بقیہ کُتب تفاسیر، شروح حدیث، سیرت یا تاریخ وغیرہ کی کتب میں اکثر اوقات شکاگو سٹائل اختیار کیا جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں متعلقہ یونیورسٹی یا ادارہ کے قواعد کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

(۲) بعض مقامات پر شکاگو سٹائل کے بجائے پہلے کتاب کا نام پھر مصنف کا پورا نام (معروف نام پہلے نہیں لکھا جاتا) اور پھر بقیہ معلومات درج کی جاتی ہیں۔ یہ طریقہ بھی مناسب ہے۔

(۳) چند ادارہ ایسے ہیں جو اے پی اے (A.P.A) سٹائل کو اختیار کرتے ہیں۔ اور عبارتوں کے درمیان حوالہ جات دینے کو پسند کرتے ہیں۔

(۴) بعض ادارے اگر اقتباس پورا پیرہ نقل کرنا ہو تو حوالہ نمبر کو ابتداء میں دینے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اور اگر مختصر مثلاً دو یا تین فقروں پر مشتمل ہو تو آخر میں دینے کی ہدایت کرتے ہیں۔ چند ادارہ حوالہ نمبر کو ہر صورت میں اقتباس کے آخر میں دینے کی ہدایت کرتے ہیں۔ دونوں طریقوں میں سے جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اُس کی وضاحت مقدمہ میں ضرور کر دینی چاہیئے۔

(۵) حوالہ دیتے ہوئے اِس بات کا اہتمام بھی ضرور کریں کہ جب کسی کتاب، جریدہ وغیرہ کا حوالہ پہلی مرتبہ دیں تو اُس کی پوری تفصیلات درج کریں اور اگر اُسی کتاب کا حوالہ بعد میں دینا پڑے تو صرف کتاب کا نام اور جلد وصفحہ نمبر کافی ہے۔ ہر مرتبہ مکمل تفصیل دینا اسلامی اصولِ تحقیق کے منافی ہے، اسراف ہے اور تضیع اوقات ہے۔

اِن تمام حوالہ جات دینے کے طریقہ کا مطالعہ کرنے کے باوجود دو امور کا اہتمام از حد ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اِس سلسلہ میں متعلقہ اداروں کے قواعد کا مطالعہ یا متعلقہ شعبہ کے انچارج اور نگران مقالہ سے ہدایات ضرور لیں۔ دوسرا یہ کہ اُن تمام کتب کی مکمل تفصیل یعنی کتاب کا پورا نام، صرف معروف نام کافی نہیں، مصنف کا پورا نام اور اگر کسی نے دوبارہ ترتیب دیا ہے اُس کا مکمل نام، مکتبہ کا پورا نام، شہر، ملک اور سنِ اشاعت یا ایڈیشن نمبر اور اِس قسم کی پوری معلومات مکمل تفصیل کے ساتھ مقالہ کے آخری حصہ فہارس سازی میں کتابیات (Bilolography) کے ذیل میں ضرور درج کرنی ہیں۔

حوالہ دینے میں فنی احتیاطیں:

1- حوالہ کا آغاز اس اختصار سے کریں جو آپ نے اپنے مقدمہ میں مقرر کیا ہے اگر

آپ اس کتاب کا پہلی بار حوالہ دے رہے ہیں تو پورا حوالہ دیجئے، اس کی ترتیب درج ذیل ہوگی۔

نام مصنف ، نام کتاب، کوائف اشاعت (طبع اول/دوم، مقام اشاعت، سن اشاعت) جلد نمبر، صفحہ نمبر

مثال: شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، 1970ء، ص 12۔

بعد میں جب بھی اس کتاب کا حوالہ دیں تو مشہور نام یا اختصار استعمال کریں، تمام تفصیلات دینے کی ضرورت نہیں۔

-2 اگر کسی کتاب کی تالیف میں دو تین افراد شریک ہوں تو سب کے نام لکھے جائیں اور اگر تین سے زائد ہوں تو پہلے مصنف کا نام اور اس کے بعد ''وغیرہ'' یا عربی میں ''وآخرون'' لکھیں۔

-3 مصنف کا نام معلوم نہ ہو تو ''مصنف نا معلوم'' سے حوالے کا آغاز کریں یا پہلے کتاب کا نام لکھیں اور اس کے بعد دوسری تمام معلومات دیں۔ اگر سن اشاعت نا معلوم ہو تو بریکٹ میں (س۔ن) یا (سن ندارد) لکھ دیں۔ اگر کوئی کتاب مل گئی مگر اُس کے مصنف اور دوسری معلومات کا حصول ممکن نہ ہو تو جس لائبریری سے یہ کتاب ملی ہے اُس کا مکمل پتہ اور حوالہ درج کر دیں (مصنف نامعلوم۔ اسرار ورموز۔ موجود ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد پاکستان۔ کیٹلاگ رکتاب نمبر 110۔ موجود کتب لغاتِ قرآنی) لیکن عمومی طور پر اس قسم کی کتاب کے حوالہ سے احتراز کیا جاتا ہے۔

-4 اگر مصنف اور کتاب دونون کا نام یا ان مین سے کسی ایک کا نام متن مقالہ میں آ گیا ہے تو حاشیے میں اسے نہ دُھرائیں، صرف باقی معلومات درج کریں۔

-5 اگر کسی مواد کا اقتباس اصل کے بجائے ترجمے سے ہو تو حاشیئے میں حوالہ دیتے

ہوئے اس کی تصریح اس طرح کریں۔ مصنف، کتاب (ترجمہ، زبان، مترجم) باقی معلومات۔

6- اگر اقتباس اصل ماخذ سے نہ ہو بلکہ کسی ثانوی ماخذ سے ہو تو کبھی بھی براہ راست اصل ماخذ کا حوالہ دے کر اس اقتباس کی صحت کی ذمہ داری قبول نہ کریں بلکہ جس ثانوی ماخذ سے آپ نے لیا ہے، اس کا بھی حوالہ میں ذکر کریں، مثلاً:

ابن اسحاق، المغازی، بحوالہ ابن ہشام، سیرۃ الرسول۔۔۔۔۔

اس سے مراد یہ ہے ابن اسحاق کی مغازی آپ کو دست یاب نہیں ہوئی، آپ نے اس کا اقتباس ابن ہشام کے حوالے سے دیا ہے۔

اس بات کو یاد رکھیں کہ ثانوی مآخذ اسی صورت میں قابل قبول ہوتے ہیں، جب کہ اصل مآخذ دست یاب نہ ہوں۔

7- اگر حوالہ کسی رسالے یا جریدے کے مضمون سے متعلق ہو تو حوالہ اس طرح درج کریں۔

مضمون نگار کا نام، مضمون کا عنوان، رسالے یا تحقیقی جریدہ کا نام، مقام اشاعت، جلد نمبر، شمارہ نمبر تاریخ اشاعت، صفحہ نمبر۔

8- اگر کسی مخطوطے کا حوالہ دینا ہو تو حوالہ اس طرح دیں۔

ابن حجر، فرع الا صر عن قضاۃ مصر، ص 114، مخطوط: دار الکتب المصریۃ نمبر 105 تاریخ۔

یعنی یہ بتایا جائے کہ یہ مخطوطہ کہاں ہے اور اس کا کیٹلاگ نمبر کیا ہے۔

9- اگر کسی لیکچر یا زبانی گفتگو کا حوالہ دینا ہو تو حاشیے میں اس کے وقت، مقام، تاریخ وغیرہ کی تصریح کریں۔ اور اگر ممکن ہو تو اُس کا فوٹو یا ویڈیو فلم کا حوالہ وغیرہ بھی ضرور دے دیں۔ اگر کوئی ویب سائٹ ہے تو اُس کو اور مزید ای میل ایڈریس وغیرہ بھی ضرور لکھیں۔

10- قاموس اور لغات کے حوالے دیتے ہوئے اگر وہ بہت زیادہ معروف ہے تو صرف لغت کے مصنف کا نام لغت کا نام اور بذیل مادہ فلاں لکھنا کافی ہے۔ مطبع، جلد اور صفحہ نمبر وغیرہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر معروف نہیں ہے تو پھر تمام حوالہ جات دینے ضروری ہیں۔

مثلاً ابن منظور افریقی۔ لسان العرب۔ بذیل مادہ۔ ''ضَرَبَ''

اور اگر وہ معروف نہیں ہے تو پھر مطبعہ، ایڈیشن، جلد، صفحہ وغیرہ ضرور دینا چاہیئے۔

حوالہ دینے کے سلسلے میں تمام جامعات اور متعدد اداروں کی مختلف پالیسیاں ہوتی ہیں، اس سلسلے میں اُن کے قواعد کا مطالعہ کر کے اُس کے مطابق طریقہ کار اختیار کیا جائے۔

مقالہ کے آخر میں اشاریہ سازی:

اشاریہ سازی (Indexing) یا فہارس سازی ایک تکنیکی عمل ہے۔ جس میں کتاب میں موجود تمام اطلاعات قاری کو مکمل طور پر فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ عمل ہمیشہ مقالہ یا کتاب کے آخر میں آتا ہے۔ یہ بات بھی واضح ہو کہ یہ عمل مقالہ کے آخری مراحل میں سے ایک اہم عمل ہے جس کا مطالعہ آپ ساتویں باب کی فصل اول کے آخری حصہ میں کر چکے ہیں۔ اشاریہ کئی طرح ترتیب دیا جاتا ہے۔ مصنفوں کے نام اور اُن کی کتابوں کے ذکر سے بھی اس کا آغاز کیا جاتا ہے۔ عمومی طور پر حروف ابجد کے لحاظ سے نام ترتیب دیے جاتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں مصنفین کے نام سو ہیں اور ان سو مصنفین کا ذکر دس دس بار ہوا۔ ہے تو قاعدے کے مطابق دس صفحات جن کا نمبر مختلف ہو سکتا ہے (اور کوئی ضروری نہیں کہ یہ ذکر ترتیب کے ساتھ ہو) اشاریے میں لکھنا ضروری ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں مصنفین کے ذکر کے اشاریہ شہروں اور کتابوں کے ذکر سے بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں متعلقہ اداروں کے ضوابط کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس کی ترتیب میں بہت زیادہ فکر و نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحقیقی مقالہ اگر کتاب کی شکل میں طبع ہو رہا ہو تو اس

میں بھی اشاریہ سازی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اشاریہ سازی کا عمل جس کا آغاز مقالہ کی پوری طرح تکمیل کے بعد ہوتا ہے، میں کتب کی فہرست جسے کتابیات (Biblography) بھی کہا جاتا ہے کہ علاوہ آیات قرآنی' احادیث، شخصیات' بلاد یعنی شہر وممالک واماکن' نقشہ جات وتصاویر اور متعلقہ ادارہ کی ہدایات کے مطابق مزید اشیاء بھی شامل کی جاتی ہیں تا کہ مقالہ فنی لحاظ سے بھی عروج ثریا سے ہمکنار ہو جائے۔(11)

کتابیات یا مآخذ کی فہارس سازی:

اسلامی علوم میں تحقیق کا ایک اہم قدم صرف علوم اسلامیہ کے بنیادی مآخذ قرآن، حدیث اور اس سے متعلقہ کتابیات کے علاوہ دوسرے اضافی مآخذ جن کو مصادر ومراجع بھی کہا جاتا ہے، کی فہرست تیار کرنا بھی ہے، یہ بھی اشاریہ سازی کا عمل ہے جس کا مطالعہ آپ سابقہ عنوان میں کر چکے ہیں لیکن زیادہ اہم ہونے کی وجہ سے اس کی تفصیل علیحدہ عنوان کے تحت دی جا رہی ہے۔ ابتداء میں تحقیقی مقالے کے خاکے کے ساتھ مآخذ کی عارضی فہرست بنائی جاتی ہے۔ یعنی محقق جس موضوع پر کام کرنا چاہتا ہے اس پر کتابوں، رسالوں، مضمونوں وغیرہ کی شکل میں اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کی فہرست تیار کرتا ہے۔ وہ پہلے ان کتابوں، مضمونوں وغیرہ کی فہرست بناتا ہے جو اس کے ذہن میں موجود ہیں یا جن کے متعلق اسے معلومات حاصل ہوتی ہیں، اس کے بعد تلاش کا کام شروع ہوتا ہے، یہ دقت طلب اور صبر آزما مرحلہ ہے محقق کو مستقل مزاجی سے کام لینا ہوتا ہے۔

فہرست مآخذ ایک ہی بار میں مرتب نہیں ہو سکتی۔ اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بہت سی کتابوں کے نام خارج بھی ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقالہ تیار ہونے تک صرف ان کتابوں اور رسالوں وغیرہ کے نام فہرست میں درج کیے جاتے ہیں جن سے مقالے میں استفادہ کیا جاتا ہے اور حوالہ دیا جاتا ہے۔

معاون مواد کی فہرست عام طور پر کئی حصوں میں منقسم ہوتی ہیں۔ کتابیں، رسائل، قلمی نسخے ویب سائٹ، سروے وغیرہ ان حصوں کو زبان کے اعتبار سے ذیلی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ بعض اہم ترین امدادی کتابوں کی فہرست مقالہ کے شروع یعنی مقدمہ میں بھی دے دی جاتی ہے۔ لیکن عام اصول یہی ہے کہ معاون کتابوں کی فہرست مقالے کے آخر میں ہی دی جائے۔ فہرست کتب کو حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا جاتا ہے۔ اس فہرست سے قاری کو کتاب کے مآخذ معلوم ہونے کے علاوہ مواد کے استناد، اہمیت وافادیت وغیرہ کا اندازہ ایک جھلک میں ہو جاتا ہے۔ فہرست مآخذ منتخب ہوتی ہے۔(12)

مقالہ کے مآخذ شمار ہونے والی کتب وغیرہ:

بعض ریسرچ اسکالر کا یہ خیال ہے کہ ماخذ میں وہ تمام کتابیں سی ڈیز، ویب سائٹ وغیرہ آتی ہیں جن کا موضوع سے تعلق ہو اور طالب علم کے زیر مطالعہ آئی ہوں، اگر چہ اس نے ان سے اقتباس نہ لیا ہو، یہ رائے حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ دیگر محققین جن کی رائے زیادہ موزوں نہیں ہے اس بات سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں ان کتب کا تذکرہ مقدمہ میں کرنا چاہیے کتابیات یعنی مصادر و مراجع اور کتابیات کی فہرست سازی میں نہیں، اور وہاں بھی انہیں یہ کہہ کر ذکر کیا جائے کہ ان کتب نے مختلف پہلوؤں سے مقالہ کے موضوع کو حل کیا ہے۔ جن مآخذ (Sources) کا مقالہ کے آخر میں ذکر کیا جائے وہ صفحہ کے ذیل میں حاشئے پر دیئے گئے مراجع ہی کی نمائندگی کرتے ہوں، کیونکہ درحقیقت انہی سے مقالہ تشکیل پاتا ہے۔ یعنی صرف ان کتب کا ذکر کیا جائے جن کا متن میں حوالہ دیا گیا ہو۔ اس سلسلہ یونیورسٹی، کالج، ادارہ یا نگران مقالہ کی رائے کے مطابق فہرست تیار کرنی چاہیے۔

(3) رسمیاتِ مقالہ

رسمیات سے مراد اجزاء مقالہ ہے۔ یہ اصطلاح عربی زبان کے لفظ رسم، جس کی جمع رسوم ہے سے نکلا ہے۔ اس سے مراد قاعدہ، قانون، رواج وغیرہ ہے۔ لفظ رسمیات سے لغوی طور پر مراد "دستور کی باتیں" ہیں۔(13) اصطلاحی طور پر اس سے مراد "ایک محقق کا اپنی تحقیق میں مروجہ طریق کار کے مطابق تمام ضروری عناصر کو سمو دینا ہے" گویا کہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تحقیقی مقالہ کے مختلف عناصر جو اسلامی اصول تحقیق میں ضروری ہیں ان کے مطابق اپنے مقالہ کو تیار کرنا اور ان سے اپنے مقالہ کو مزین کر دینا رسمیات مقالہ کی تکمیل ہے۔ اِن رسمیات میں سے اکثر کا ذکر سابقہ ابواب میں مختلف عناوین کے تحت گذر چکا ہے۔ اب یہاں اُن کو ترتیب وار نقل کیا جارہا ہے۔

رسمیات مقالہ(Formalaties of Thesis) کی حقیقت یہ ہے کہ ایک معیاری مقالہ جن لازمی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے، اُن دس لازمی عناصر یا مشمولاتِ مقالہ جن کا آپ ساتویں باب کی ابتداء میں بھی مطالعہ کر چکے ہیں کی مختلف طریقہ سے پیشکش کا نام ہے۔ وہ عناصر درج ذیل ہیں۔

(۱) سرورق (Title page)

(۲) چنداوراق برائے انتساب وغیرہ(Attribution)

(۳) طالب علم کی طرف سے حلف نامہ(Declartion)

(۴) نگرانِ مقالہ یا سپروائزر کی طرف سے تصدیقی سرٹیفیکٹ (Forwarding Letter)

(۵) مقدمہ(Preface) دیباچہ، اظہار تشکر، حدیثِ دل وغیرہ

(۶) فہرست عنوانات، موضوعات یا مشمولات(Index)

(۷) متن مقالہ(ابواب وفصول)(Text of Thesis)

(۸) خلاصہ، نتائج، سفارشات وغیرہ(Conclusion Findings Recommendations)

(۹) فہارس(Indexes) مآخذ (کتابیات) آیاتِ قرآنی، احادیثِ مبارکہ، شخصیات، اماکن، نقشہ جات، تصاویر وغیرہ

(۱۰) ضمیمہ جات(Annextares)

اِن تمام اجزاء یا لازمی عناصر کی پیشکش کا ایک خاص انداز(Style Sheet) ہے۔ پھر اس پیشکش کا اظہار بھی دو طرح سے ہوتا ہے ایک داخلی اظہار (Enternal Representation)اور دوسرا خارجی اظہار(External Pepresentationi) داخلی اظہار میں طالب علم متن مقالہ کے لئے مواد اکٹھا کر کے اُسے اپنے فرضیہ اور بنیادی سوال کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ اور خارجی اظہار میں اُس مواد اور بقیہ تمام مراحل کی تحریر شدہ اشیاء کو بہترین انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مقالہ کے لازمی عناصر کی اس خارجی پیشکش کے مکمل طریقہ اور داخلی پیش کش کی چند ہدایات کو رسمیات مقالہ کہا جاتا ہے۔

خارجی پیشکش کا طریقہ مختلف جامعات اور اداروں کا مختلف ہوتا ہے لہٰذہ طالب علم کو اُن کی ہدایات کے مطابق تمام لازمی عناصر کی خارجی پیشکش کرنی ہوتی ہے۔ کسی یونیورسٹی یا ادارہ کی طرف سے خارجی پیشکش کے چند اہم اصول درج ذیل ہیں۔

اہم رسمیات مقالہ:

1- کاغذ کا سائز کیا ہونا چاہیئے۔

2- متن مقالہ کا انداز بیان کیسا ہونا چاہیئے۔ غیر جانبدرانہ، متوازن یا کسی اور طرح ہو۔

3- جملہ بنانے کا طریقہ اور انداز کیسا ہو۔

4- حوالہ جات دینے کا طریقہ قدیم ہو یا جدید یورپین انداز اپنایا جائے۔

5- خلاصہ مقالہ، نتائج یا سفارشات کس طرح اور کتنی مقدار مین ترتیب دیئے جائیں۔

6- آخری مرحلہ میں کن اشیاء کی فہرست سازی ضروری ہے، صرف کتابیات کا ذکر ہو یا آیات قرآنی، احادیث مبارکہ، بلاد واماکن، شخصیات، اہم جملہ جات وغیرہ تمام کی فہرست بنانا لازمی ہے۔

7- مقالہ جمع کرانے سے پہلے بائنڈنگ کس طرح کرائی جائے ہارڈ بائنڈنگ ہو یا رنگ بائنڈنگ یا اس سلسلہ کی اور ہدایات۔

8- مقالہ جمع کرانے سے پہلے کن شخصیات سے دستخط کرائے ہیں۔

9- فہرست مشمولات طویل اور جامع ہو یا مختصر ہو۔

10- حوالہ جات ابواب وفصول کے فٹ نوٹس میں دیئے جائیں یا آخر میں کسی اور جگہ دیئے جائیں۔

یہ اور اس طرح مزید تمام خارجی اظہار کے طریقہ جن کو اختیار کر کے مقالہ کی بیرونی خوبصورتی اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو رسمیات مقالہ کہلاتے ہیں۔ رسمیات کا تعلق مقالہ کے خارجی اظہار سے ہے۔ جمع مواد، ترتیب مواد، تزئین مواد یا کتابیات کے انتخابات وغیرہ یعنی داخلی اظہار سے اس کا تعلق کم ہے۔

رسمیات کا مقالہ سے تعلق:

تمام جامعات اور بقیہ تحقیقی اداروں کے اصول وضوابط کے مطابق مقالے کا ایک معین Format ہے۔ یہ بات طے ہے کہ مقالے کا سرورق کیسا ہو، اس پر کیا کیا اندراجات ہوں، اس کے بعد کے صفحات میں کیا کیا اندرجات ہوں، ان کی ترتیب کیا ہو، ابواب کا آغاز کیسے کیا جائے۔ نتائج کہاں درج کئے جائیں، ملحقات کی صحیح جگہ کونسی ہے، اور مراجع ومصادر کہاں شامل کئے جائیں۔ الغرض ہر چیز کی جگہ مقرر ہے اور اگر اس میں تبدیلی کر دی جائے تو مقالے کی ہئیت بدل جاتی ہے۔ اور یہ امر رسمیات مقالہ کے خلاف شمار ہوتا ہے اور اسلامی تحقیق کے مروجہ اصولوں کی نفی ہے جس کا نقصان محقق یا مقالہ نگار کو

پہنچتا ہے۔

تحقیق ایک مربوط عمل کا نام ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی منضبط عمل کے اندر جو کشش اور جاذبیت ہوتی ہے وہ منتشر اور آوارگی کی حامل اشیاء میں قطعاً پیدا نہیں ہو سکتی۔ تحقیقی عمل کے مختلف عناصر ہیں ان میں کچھ تو اس کے لوازم اور بہت ہی اہم ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو بہت اہم نہیں بلکہ ان عناصر کے وجہ سے تحقیق کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔(14)

یہ بات بھی محل نظر رہے کہ علوم اسلامیہ محدود اصطلاح نہیں ہے، بلکہ دنیا کے تمام جدید وقدیم علوم کا اگر ہم اسلامی نقطہ نظر یا اسلامی مآخذ تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیں تو وہ تمام علوم اسلامیہ تصور ہوں گے۔ اس لئے باقی تمام علوم محدود ہیں لیکن علوم اسلامیہ کا میدان وسیع اور بے پایاں ہے۔ اس لئے علوم اسلامیہ کے مختلف میادین میں رسمیات مقالہ یا مقالے کے اجزاء کا تعین موضوع کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک عام صورت یہ ہے کہ مقالے کی بنیاد تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ (۱) ابتدائی حصہ (۲) متن مقالہ (۳) آخری حصہ یا حوالہ جاتی مواد۔ اول و آخر کے بارے میں مکمل ہدایات اور متن مقالہ کے بارے میں جزوی ہدایات رسمیات مقالہ کہلاتی ہیں۔ آخری مراحل کے رسمیات کی تفصیل اس طرح ہے۔

سات اہم آخری مراحل

(1) پروف ریڈنگ ونظر ثانی:

اکثر طلبہ نتیجہ تک پہنچنے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مقالہ کو مختصر وقت میں ٹائپ کروا کر زبانی امتحان (Viva Voce Test) کے لئے پیش کر دیا جائے اس مقصد کے حصول کے لے بسا اوقات طالب علم مقالہ کے مکمل شدہ ابواب، دیگر زیر تکمیل ابواب سے پہلے ہی ٹائپ کروانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، یا

موزوں طریقہ یہ سمجھتا ہے کہ مقالہ کی کتابت مکمل کرنے کے فوراً بعد اسے ٹائپ کرا دیا جائے، یہ دونوں طریقے بہت زیادہ مناسب نہیں۔ ایسا کرنے سے طالب علم اپنے مقالہ کو ایک اہم جدید عنصر سے محروم کررہا ہوتا ہے۔ جسے آخری مراحل کا نام دیا جاتا ہے،

مقالہ کے آخری مراحل کتابتِ مقالہ کی تکمیل کے فوراً بعد شروع ہو جاتے ہیں یعنی مسودہ تیار ہو جانے کے بعد، جن کا مطالعہ آپ ساتویں باب کے عنوان ''چوتھے مرحلہ کے بقیہ تین مراحل'' میں کر چکے ہیں اور یہ مراحل مندرجہ ذیل طریقہ سے انجام تک پہنچتے ہیں۔

۱۔ اب طالب علم ایک یا زیادہ دفعہ مقالہ کا سکون وتوجہ سے مطالعہ کرے۔ اس کی لفظی غلطیوں کی اصلاح کرلے اور کم از کم تین مرتبہ پروف ریڈنگ کرے۔ اس دوران وہ اپنے قلم وفکر کو کام میں لائے تاکہ مقالہ اپنی آخری شکل میں حسن، تسلسل، گہرے ربط اور جامعیت جیسے اوصاف سے متصف ہو کر سامنے آئے، جس میں حُسنِ انداز، اسلوبِ بیان اور مآخذ کی ترتیب درست ہو۔

۲۔ ایسے صفحات کو از سرِنو احاطہ تحریر میں لائے جن میں کلام کے حذف واضافہ کے باعث بہت زیادہ تبدیلیاں ہوگئی ہوں۔

۳۔ مقالہ کی تنقیدی نگاہ سے ورق گردانی کرے اور بنظر عمیق اسمیں پائے جانے والے تکرار، قابل تاخیر چیز کی تقدیم، قابل تقدیم کی تاخیر، باعث خلل ضمنی مباحث اور انداز بیان میں خامی کا جائزہ لے اور مکمل احتیاط سے اس کی دوبارہ تصحیح کرے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ شاعر جب ایک قصیدے کی تکمیل کر لیتا ہے تو اس کی نظر ثانی میں بعض اشعار کو حذف کر دیتا ہے جس کی نثر اسے پسند نہیں آتی وہ اس لفظ کا متبادل کوئی دوسرا جاذب اور شیریں لفظ لے آتا ہے یہی اس کے اختتامی لمحات ہیں۔

اس طرح آرٹسٹ جب تصویر کا ایک ایک حصہ کر کے تیار کر لیتا ہے تو پھر نظر ثانی کرتے ہوئے ایک مکمل تصویر کی حیثیت سے دیکھتا ہے تاکہ اس کے حسن و جمال اور تناسب سے مطمئن ہو جائے، اور کمی پوری کرنے کے لئے اپنے برش کو حرکت میں لاتا

ہے۔یہی اس کے اختتامی لمحات ہیں۔

یہی بات آپ نئی بلڈنگ، باغیچہ کی ترتیب اور کار کی مرمت کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔

اختتامی لمحات دراصل اجسام کی تحقیق سے فراغت کے بعد ان میں ایک چلتی پھرتی روح کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے بغیر کوئی بھی چیز خوبی سے بعید تر ہوتی ہے اور جو وقت اختتامی لمحات میں صرف ہوتا ہے وہ مقالہ کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کرتا ہے، تحقیقی مقالات کے اختتامی مراحل میں وقت صرف کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے ورنہ یہ بہت بڑا خسارہ ہوگا۔

مقالے کی تکمیل کے بعد اس کی کتابت یا ٹائپ اور جلد سازی کے مراحل آتے ہیں۔ محققین عام طور تحقیق کے کام میں ماہر ہوتے ہیں لیکن مقالے کے ان فنی مراحل کے بارے میں عام طور پر نابلد ہونے کی وجہ سے عمدہ ترین مواد کی پیش کش غیر مناسب ہو جاتی ہے اور مواد کا تمام حسن بے سلیقگی کی نذر ہو جاتا ہے۔(15)

(2) مقالہ کے لئے کاغذ کی قسم:

مقالے کے لئے سفید غیر لکیر دار کاغذ استعمال کریں جس کا سائز 26*20 سنٹی میٹر ہو جو مارکیٹ میں تھیسس پیپر (Thesis Paper) کے نام سے دست یاب ہے یہ کاغذ مارکیٹ میں مروج فل سکیپ سائز سے لمبائی میں کم اور چوڑائی میں زیادہ ہوتا ہے۔

یہ خیال رکھیں کہ سطروں کا اختتام مساوی ہو اور حاشیہ یکساں ہو۔ دائیں بائیں پانچ سنٹی میٹر اور اوپر نیچے تین سنٹی میٹر کا حاشیہ چھوڑیں۔(16)

(3) مقالہ کی کتابت/ٹائپ (Composing)

آپ کو اختیار ہے چاہیں تو مقالہ ٹائپ کروائیں یا کسی کمپوزر سے کمپیوٹر پر کمپوز کرائیں اور اگر آپ کا خط خوب صورت ہے تو آپ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا مقالہ بھی پیش کر

سکتے ہیں، اگر آپ خود ٹائپ یا کمپوزنگ جانتے ہیں تو آپ بہت خوش قسمت ہیں، اغلاط کی تصحیح اور ٹائپ کے وقت بھی ضروری تبدیلی کرنے میں آپ کو سہولت رہے گی۔ اگر آپ ٹائپ نہیں جانتے تو اس امر کا اہتمام کریں کہ کسی ایسے ٹائپسٹ سے مقالہ ٹائپ کروائیں جو اسلامی علوم کے مقالات ٹائپ کرنے کا تجربہ رکھتا ہو۔ اسکے باوجود ٹائپ کی تمام اغلاط کی تصحیح آپ کی ذمہ داری ہے۔

کمپیوٹر یا ٹائپسٹ کی صلاحیت آپکے مقالے کو اچھی یا بُری شکل دے سکتی ہے اگر آپ کا مقالہ بہت عمدہ ٹائپ کیا ہوا ہے تو اسے لوگ شوق سے پڑھیں گے اور اگر ٹائپ اچھا نہیں ہے تو آپ کی عمدہ معلومات بھی قارئین پر زیادہ اچھا اثر نہیں ڈال سکیں گی۔

ٹائپسٹ کو معلوم ہونا چاہئے کہ

۱۔ بڑے عنوان اور ذیلی عنوان کہاں سے شروع کئے جائیں۔

۲۔ مقالے کی دو سطروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو۔

۳۔ اقتباسات کی دو سطروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو۔

۴۔ نیا پیراگراف کتنے الفاظ کی جگہ چھوڑ کر شروع کیا جائے۔

۵۔ قرآنی آیات اور اُن کا ترجمہ کس طرح لکھا جائے۔

۶۔ رسول اکرم ﷺ، انبیاء سابقہ کے نام اور حدیث نبوی ﷺ کو کیسے تحریر کیا جائے۔

۷۔ صحابہ کرام اور علماءِ عظام کے نام کس طرح لکھنے چاہیئے۔

۸۔ عربی عبارتیں، مختلف علوم کی اصطلاحی تعریفیں اور اہم کلمات کا انداز تحریر کیسا ہو۔

۹۔ حوالہ جات دینے کے مختلف طریقے کون کون سے ہیں۔

۱۰۔ حوالہ جات میں مختلف زبانوں کے اقتباسات کس طرح دیئے جاتے ہیں اور اس طرح کے اہم امور۔

تمام دنیا کی یونیورسٹیز کے اکثر و بیشتر طلبہ ٹائپنگ سے واقف ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے مقالات از خود ٹائپ کر لیتے ہیں، ان میں اکثر یا تو خود ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر کے

مالک ہوتے ہیں یا وہ اپنے رفقاء سے استعمال کیلئے ادھار لے لیتے ہیں، الغرض یہ ایک عام چیز ہے۔

اگر برصغیر کے طالب علم بھی ان تمام طلبہ کی طرح کریں تو وہ مقالہ عمدہ ترین صورت میں سامنے آسکتا ہے۔ کیونکہ جو طالب علم اپنا مقالہ خود لکھتا ہے وہ تمام پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ اور جہاں کہیں اصطلاحات (Terms) کا خاص نظام آئے اور کوئی اشکال پیدا ہو اس کے بارے میں استفسار کر لیتا ہے۔

جو طلبہ ٹائپنگ نہیں جانتے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ٹائپسٹ یا کیمپوزر کے ہاتھوں ہونے والی اغلاط کے وہ خود ذمہ دار ہیں، ان اغلاط سے بچنے کیلئے طالب علم کو ایک ماہر فن سے رابطہ کرنا ہوگا اور اسے مقالہ ایسی شکل میں تیار کر کے دینا ہوگا جس حال میں وہ اسے ٹائپ شدہ دیکھنے کا خواہاں ہے، اسے دوسرے سے ٹائپ کرانے کی صورت میں مقالہ ٹائپنگ کے مخصوص قوانین سے آگاہ کر دے کہ حاشیہ کتنا چھوڑا جائے، ہر دو سطروں کا درمیانی فاصلہ کتنا ہو، متن مقالہ اور حاشیہ میں نمبر لگانے کا طریقہ کار کیا ہو، صفحات پر نمبر لگانے کا کیا نظام، ہو اور دیگر جن کے لئے یہ بھی ضروری ہو سکتا ہے کہ اسے زیر مطالعہ کتاب کا ایک نسخہ دے دیا جائے تا کہ وہ فی الواقع اس سے مستفید ہو سکے، بالخصوص طالب علم کے لئے وہ تمام اصطلاحات اور غیر مشہور چیزیں ٹائپسٹ کے سامنے رکھ دینا ضروری ہیں جو اس کے مقالہ میں موجود ہیں۔ (17)

(4) ابواب کی کیمپوزنگ کا طریقہ:

مقالہ کے ابواب شروع ہونے سے پہلے ایک ورق چھوڑا جائے جس کے درمیان مقالے کا عنوان تحریر کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ ہر باب کے شروع ہونے سے پہلے ایک ورق چھوڑا جائے جس کے درمیان میں اس طرح مرقوم ہو:

پہلا باب یا دوسرا باب ـــــــ اور اس کے تقریباً ۲ سینٹی میٹر نیچے باب کا

موضوع تحریر ہو۔ اگر ہر باب کے لیے علیحدہ رنگین کاغذ لگا دیا جائے تو یہ بہت سود مند طریقہ ہے۔

ٹائپنگ کے کام سے فارغ ہو جانے اور پوری کوشش صرف کر لینے کے بعد بھی بعض اغلاط کا رہ جانا کوئی بعید نہیں، اس لئے طالب علم کا فرض ہے وہ ٹائپ شدہ عبارات کی اچھی طرح پروف ریڈنگ کرے اور انہیں اصل مسودہ سے ملائے۔

اگر کسی صفحہ میں اغلاط زیادہ ہوں تو بہتر ہوگا کہ جلد سازی سے پہلے اس صفحہ کو دوبارہ ٹائپ کروایا جائے، اغلاط کی کمی وبیشی کا اندازہ طالبعلم کے ذہن میں مقالہ کے خوبصورت اور جاذب نظر ہونے کی قدر و قیمت پر چھوڑا جا رہا ہے، کیونکہ ایم اے اور ڈاکٹریٹ کے طالب علم کو مقالہ کی جاذبیت اور ظاہری خوبصورتی کا خصوصی خیال کرنا چاہئے، بالعموم یہ ایک معیوب بات ہے کہ صفحے پر تصحیحات کے نشانات جابجا موجود ہوں۔(18)

طالب علم کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہئے کہ ٹائپسٹ کا ہدف منشاء کے مطابق، جیسا وہ ٹائپ شدہ دیکھنا چاہتا ہے، اسے لکھ کر دینا ہوگا، رموز اوقاف (punctuation) خود لگائے، ٹائپسٹ پر اعتماد نہ کرے، جسے مختصر چاہتا ہو اسے مختصر لکھ کر دے، مثلا لفظ ص: صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نہیں لکھا جا سکتا اسے مکمل لکھ دے، کیونکہ ٹائپسٹ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جیسے طالب علم نے اسے دیا ہے حرف بہ حرف اس کی نقل تیار کرے۔

(5) صفحہ نمبر لگانے کا طریقہ:

صفحات پر نمبر لگانے کا ایک خاص طریقہ ہے، جسے بڑی احتیاط سے ملحوظ رکھنا چاہئے، ابتدائی حصہ کی صفحہ بندی حروف ابجد (اب ج د، ھ وز۔ ح ط ی۔) سے کی جائے اور عنوان کا صفحہ یعنی پہلا صفحہ بھی شامل کیا جائے۔ البتہ اس پر گنتی نہ لکھی جائے لیکن شمار کر لیا جائے۔ اسی طرح فہرست مشمولات، مقدمہ اور اظہار تشکر کے صفحات بھی اس میں شامل ہوں گے۔

اس کے بعد عربی (یا اردو) نمبر (۱، ۲، ۳، ۴،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔) دیئے جائیں ان کا آغاز مقالہ سے ہوگا، یہ بات ملحوظ رہے کہ کسی باب سے متصل پہلا ورق جس پر باب کا عنوان لکھا جاتا ہے اسے صفحہ نمبر نہ دیا جائے، بلکہ اس پر باب کا نمبر لکھا جائے مثلاً تیسرا باب اور پھر اس کا عنوان لکھا جائے، طباعت کی صورت میں یہ اوراق شمار کیے جاتے ہیں، کیونکہ وہاں طباعت کے لئے پیسٹنگ کا نظام ملحوظ ہوتا ہے پیسٹنگ کی پہلی جانب ا سے ۱۶ صفحات تک اور دوسری ۱۷ سے ۳۲ تک مرتب ہوتی ہے، اگر پرنٹنگ میں مذکورہ طریق کار ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو بڑی وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بعض مقالات میں لمبے لمبے فولڈنگ چارٹ بھی ہوتے ہیں، ایک چارٹ مسلسل کئی اوراق پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں سے ہر چارٹ کو ایک فولڈنگ ہی نمبر دیا جائے اگر چہ وہ کتنے ہی اوراق پر مشتمل ہوں۔

مقالات میں صفحات کے نمبر اوپر یا نیچے بھی لکھے جاسکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ صفحہ کی بائیں جانب اوپر والے کونے میں نمبر لکھا جائے اور اس کے بعد نہ نقطہ لگایا جائے نہ بریکٹ۔

بسا اوقات ایک مقالہ کئی آدمی ٹائپ کرتے ہیں مثلاً ایک شخص پہلا باب دوسرا شخص دوسرا باب اور اسی طرح باقی ابواب، ایسے میں نمبر چھوڑ دیئے جائیں مقالہ مکمل ہونے پر ایک ہی دفعہ میں نمبر لگا دیئے جائیں۔

بعض اوقات طالب علم نمبر لگانے کے بعد کسی وجہ سے ایک یا زیادہ اوراق نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے ان حالات میں نکالے گئے صفحات سے پہلے صفحہ پر، اس کے نمبر سمیت نکالے گئے صفحات کے نمبر ۷۷ پر یوں لکھیں: ۷۷ اور ۷۸ اور ۷۹ اسی طرح اگر صفحات کو نمبر دینے کے بعد کچھ صفحات کا اضافہ کرنا ہو تو سابقہ صفحہ نمبر نئے صفحہ یا صفحات کو دے دیا جائے اور ا۔ ب۔ ج۔ وغیرہ حروف کا مزید اضافہ ہندسوں کے ساتھ کر دیا جائے، مثلاً اگر صفحہ نمبر ۳۵۱ کے بعد دو صفحات کا اضافہ کیا گیا ہو تو پہلے صفحہ پر ۱۵۱ ''الف'' اور دوسرے پر

۱۵۱ ''ب'' نمبر لگایا جائے اس کے بعد صفحہ نمبر ۱۵۱ اور ''ج'' آئے گا۔(19)

(6) مقالہ کے نسخوں کی تعداد اور اُن میں احتیاط:

(Number of Copies)

مقالہ کی کاپیوں کی تعداد مقالہ کی نوعیت اور یونیورسٹی یا ادارہ کے قواعد کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے ایک عام نظام کے مطابق طالب علم کو ممتحنین کی تعداد کے مطابق کاپیاں تیار کرنا ہوں گی اس کے علاوہ پرائیویٹ کاپی اور ایک احتیاطی کاپی اس کے علاوہ تیار کرنا ہوگی، یہ تعداد چار سے پانچ تک ہوتی ہے۔

آپ کو مقالے کے کتنے نسخے/کاپیاں جمع کروانے پڑیں گے، اس میں مختلف جامعات اور اداروں کی مختلف پالیسیاں ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں اپنے تحقیقی ادارہ کے ذمہ داران سے رجوع کر کے ان کے رہنما اصول کے مطابق نسخے تیار کرائیں۔

آپ اپنے مقالہِ یا تحقیقی نتائج کی مختلف کاپیوں کے اوراق نسخوں کی تعداد کے مطابق تیار کرنے کے لئے یا تو کمپیوٹر سے ہی تعداد کے مطابق اُن کا پرنٹ لے لیں یا ایک پرنٹ لے کر اُس کی فوٹو کاپیاں کرالیں۔ اگر آپ فوٹو کاپی کرائیں تو اس بات کا اچھی طرح یقین کریں کہ فوٹو سٹیٹ مشین بہترین ہو۔ اُس کے پرنٹ کا رزلٹ سو فیصد اچھا ہو۔ ایسا پرنٹ جس سے کاغذ پر دھبے پڑ جائیں یا کاغذ کے کنارے کالے ہو جائیں، عبارت کہیں کہیں مدھم ہو جائے یا اس طرح کی دوسری خامیوں والی فوٹو سٹیٹ مشین بالکل استعمال نہ کریں کیونکہ یہ آپ کے بہترین کام کو عیب دار بلکہ ملیا میٹ کر دے گا۔

(7) مقالہ کی جلد بندی:

یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھ لیں کہ مقالے کی نقول جمع کرانے سے قبل ان کی جلد بندی کروائیں یہ جلد بندی دو طرح کی ہوگی ایک رنگ بائنڈنگ دوسری سخت یعنی ھارڈ بائنڈنگ پہلے جلد بندی زبانی امتحان سے پہلے کرنی ہوتی ہے دوسری زبانی امتحان

کے بعد۔ یہ بات محقق کے ذہن میں رہے کہ وہ بائنڈنگ اور جلد کیلئے مقالے کی کاپیاں دینے سے پہلے ہر کاپی ایک مرتبہ شروع سے آخر تک دیکھ لیں کہ تمام اوراق اپنی جگہ پہ ہیں۔ یہ خیال رکھیں کہ جلد بندی کی وجہ سے لکھا ہوا مواد نہ تو کٹ جائے اور نہ جلد بندی میں آ جائے۔ بہت عمدہ جلد بندھوائیں اور اسکے اوپر سرورق کے صفحہ کے تمام اندراجات لکھوائیں۔ جلد بندی کرواتے وقت مقالے کے سرورق اور جلد کے درمیان کچھ زائد ورق رکھوانا نہ بھولیں۔ ان اوراق پر منتخب قرآنی آیات اور اپنے موضوع سے متعلق بہت زیادہ اثر انگیز جملہ، شعر وغیرہ لکھ دیں تو وہ بھی نظر کی جاذبیت کے لئے اچھا رہتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی بقیہ تمام ہدایات جو مختلف جامعات یا ادارے اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنے کے لئے دیتے ہیں رسمیات مقالہ کہلاتی ہیں۔

(4) بہترین مقالہ کی خصوصیات

اسلام دنیا کے تمام مذاہب، نظریات اور ادیان میں ایک مثالی مذہب ہے۔ کیونکہ تحقیق کا عمل کسی محقق کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث ہے، اس لئے اسلامی تحقیقی اصولوں کے مطابق ہر تحقیق بھی مثالی ہونی چاہئے اس لئے آپ اس انداز کا تحقیقی مقالہ لکھیں جس سے ایک تو آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرخرو ہو سکیں اور دوسرا جو ممتحنین سے داد و تحسین وصول کرے اور آپ کو مطلوبہ ڈگری کے حصول میں کسی قسم کی دقت یا دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مقالے میں دی گئی معلومات کی صحت کا بارِ ثبوت آپ پر ہے۔ اگر آپ چند کتابوں سے مواد لے کر جمع کر دیتے ہیں اور اسکا ناقدانہ جائزہ نہیں لیتے، اس سے نئے نتائج اخذ نہیں کرتے تو یہ کام اس درجے کا نہیں کہ اس پر ایم فل یا پی ایچ ڈی کی ڈگری مل سکے۔ تالیف اور تحقیق میں بنیادی فرق ہے جس کا مطالعہ آپ سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں اس فرق کو مدنظر رکھیں گے تو آپ کا مقالہ معیاری ہو گا۔ (20)

اچھے مقالے کی پہچان یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کا کوئی حصہ غیر ضروری نہ ہو۔ کوئی

اقتباس بھرتی کے لئے نہ رکھا گیا ہو۔اس میں اہم ترین فٹ نوٹس ہوں۔اسکی کتابیات اعلیٰ اور جدید کتابوں سے بھری ہوں۔یہ اغلاط کا مجموعہ نہ ہو، زبان و بیان کی خامی سے مبرا ہو۔ واقعات صرف تخیل کی بلند پروازی کا ثبوت نہ ہوں بلکہ زمینی حقائق کے عکاس بھی ہوں۔ ذہنی اختراعات سے گریز کیا گیا ہو۔سنداور دلائل معتبر ہوں۔جس لفظ پر بھی شبہ ہو اس کی لغت سے تصدیق کر لی گئی ہو مقالے کی مناسب جانچ ہی اُسے بہتر اور معیاری بنا سکے گی۔ مقالے کو جانچنے کے لئے یہ چیک لسٹ کام آسکتی ہے:

مقالے کو جانچنے کے لیے چیک لسٹ:

1- کیا تحقیق کا مقصد اسلامی اصول تحقیق کے مطابق ہے؟
2- کیا تحقیق موجودہ دینی، ادبی اور علمی سرمائے میں اضافہ کا باعث ہے؟
3- کیا علماء کرام اور اہل علم کے سابقہ تحقیقی سرمایہ کا مطالعہ کیا گیا ہے؟
4- کیا تحقیقی مواد کی فراہمی کے لئے اسلامی ذرائع علم پر انحصار کیا گیا ہے؟
5- کیا حقائق کا تجزیہ اسلامی ماٰخذ علم کی روشنی میں کیا گیا ہے؟
6- کیا مطالعہ کا پس منظری جائزہ اور فرضیہ یا تحقیق کا بنیادی سوال واضح ہیں؟
7- کیا زیر مطالعہ مفروضات کا بیان، اہم اصطلاحوں اور تحقیقی مواد کی تشریح کی گئی ہے؟
8- کیا ذرائع کے انتخاب کا مسئلہ اور طریقہ واضح کیا گیا ہے؟
9- کیا مواد حاصل کرنے کے ذرائع کی نوعیت اور اُن کی خوبی بیان کی گئی ہے؟
10- کیا مواد کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے؟
11- کیا بحث و مباحثے کی دلیلیں عقل سلیم کے مطابق ہیں؟
12- کیا معتبر شہادتوں کی صداقت اور تصدیق کی گئی ہے؟
13- کیا دستاویزات (Documentaion) واضح ہیں؟
14- کیا نتائج سے متعلق بیانات بنی نوع انسان کے لئے فائدہ مند ہیں؟

15- کیا اختتامیہ نتائجِ بحث اور سفارشات مرتب کر لی گئی ہیں؟

16- کیا کتابیات، شخصیات، بلاد و اماکن، آیات قرآنی، حدیث نبوی ﷺ اور بقیہ اشیاء کی فہرست مرتب کی گئی ہے؟(21)

اسلامی اصول تحقیق کے مطابق مقالے کو جانچنے اور نظر ثانی کرنے کے لئے یہ اہم نکات ہیں، ان میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے، بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان نکات کی نشان دہی کا مقصد یہ ہے کہ محقق کم از کم ان باتوں کا خیال رکھے۔

اس چیک لسٹ کے بعد یہ بات واضح ہو کہ کسی بھی مقالے کی کامیابی و تکمیل مختلف خصوصیات پر منحصر ہے جن میں سے چند بنیادی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

معیاری مقالہ کی چھ خصوصیات:

ا۔ مطالعہ وسعت و گہرائی کا حامل ہو:

ایم اے اور پی ایچ ڈی کے طالب علم میں مطالعہ کی وسعت اور گہرائی بھی ہونی چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے موضوع سے متعلق کی گئی ہر سابقہ تحقیق کو پیش نظر رکھے اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے مطالعہ کے بعد اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کی کوشش کرے، تمام سابقہ آراء کا تنقیدی جائزہ لے اور اندھی تقلیدی روش کا سہارا نہ لے۔

۲۔ نظریہ اخذ کرنے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہو:

دوسری اہم بات دیگر محققین کے نظریات کو سمجھنے میں حزم واحتیاط اختیار کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دقت نظری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے نظریات یا عبارتیں نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہو کیونکہ یہ بات بار بار مطالعہ میں آئی ہے کہ طلبہ مصنفین کی عبارت سمجھنے میں غلط فہمی اور اقتباس نقل کرنے میں زبردست غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۳۔ کسی رائے کو بغیر دلائل کے حتمی نہ سمجھا گیا ہو:

مقالہ کی تحریر کے دوران اپنے موضوع سے متعلق تمام افکار کو ایک مسلمہ حقیقت کی

حیثیت نہ دی جائے کیونکہ اکثر آراء بے بنیاد ہوتی ہیں، طالب علم کو چاہیے کہ وہ ان کی اساسیات (بنیاد) کا بغور تجزیہ کرے، جو رائے عقلی دلائل اور اسلامی علمی مآخذ کی بنیاد پر پختہ نظر آئے اسے اختیار کرے اور جو سطحی دکھائی دے اسے رد کر دے۔

۴۔ قدیم حقائق کو جدید اسلوب میں پیش کیا گیا ہو:

مقالہ میں عمدگی اور جدت یعنی نئی چیز، نیا پن اور دورِ حاضر کے تناظر میں نئی معلومات پیش ہونی چاہیے۔ تحقیق (Research Work) کا آغاز وہاں سے ہونا چاہیے جہاں دیگر محققین کی انتہا ہوئی، تاکہ علمی نمو و اضافہ میں اس مقالہ کا نمایاں حصہ نظر آئے، مقالات کی جدت صرف نئی بات کے انکشاف تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی خصوصیات اس لفظ کے دائرہ میں آتی ہے، مثلاً سابقہ معلومات کو نئے اور مفید انداز و اسلوب میں ترتیب دینا یا قدیم حقائق تک پہنچنے کے لئے جدید طریقے اپنانا اور بکھرے ہوئے مواد کو منظم کر کے جدید و منظم اسلوب میں تیار کر کے پیش کرنا۔

۵۔ حقائق و دلائل کو حسنِ ترتیب کے ساتھ پرکشش انداز میں پیش کیا گیا ہو:

جب طالب علم یا مقالہ نگار حصول مواد اور انتخاب مواد کے بعد مقالہ کے تحریری مرحلے تک پہنچ گیا ہو تو اسے مقالہ کو قاری کے لئے باعث کشش بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے، قاری کے سامنے دلائل اس انداز میں پیش کئے جائیں جو اسے مولف کا نظریہ اپنانے پر مجبور کر دیں، طالبعلم کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ مقالہ کو انداز بیان کی دلکشی، مواد کی افادیت اور حسن ترتیب کے ذریعے اس قدر جاذب نظر بنا دے کہ قاری اس کی طرف خود بخود کھنچتا چلا آئے اور تسلسل وصراحت کے باعث اسے مکمل پڑھے بغیر نہ رہ سکے۔ کیونکہ ابہام اور پیچیدگی سے کتاب کی جاذبیت ماند پڑ جاتی ہے یہاں تک کہ قاری کا ذہن مولف کے بنیادی موقف سے بھی دور ہو جاتا ہے۔

جب ایم اے کے ذریعے علمی ثقافت میں ترقی ہو تو ڈاکٹریٹ کے ذریعے ہر حال

میں زیادہ قوت و استعداد ہونی چاہئے یوں سمجھئے کہ یہ دونوں مراحل کسی تخیل کو پیش کرنے اور اس کی توضیح و ترتیب کے گرد گھومتے ہیں یا بالفاظ دیگر کسی نظریہ کی گہرائی تک پہنچنے اور اس کے ارتقاء کے گرد گھومتے ہیں، یہ پورے کا پورا سلسلہ ایک ایسے بلند معیار پر رہ کر ہونا چاہئے جو طالب علم کو دی جانے والی ڈگری کے عین مطابق ہو۔

ڈاکٹریٹ کا مقالہ وسیع ترین مراجع پر مشتمل ہوتا ہے اس میں مواد کی حسن ترتیب اور مسئلہ کے بیان پر شائستگی و پختگی کی بے حد ضرورت ہوتی ہے، اس سے یہ آشکار ہونا چاہئے کہ اس کو تیار کرنے والا مستقبل میں تحقیقی میدان میں لچک سے بالاتر رہے گا، ان مقالات سے نہ صرف شوق مطالعہ پرورش پاتا ہے بلکہ صحیح اور علمی تالیفات کی اسلوبی و تحقیقی قوت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور پھر کسی نگران یا ایڈوائزر کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

٦۔ اسلوب نگارش بہترین ہو:

معیاری مقالے کے لئے اسلوب نگارش بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک عام سی چیز کو دلکش انداز میں پیش کیا جائے تو اس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے جب کہ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز کو بھونڈے طریقے سے پیش کیا جائے تو اس کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوتی، مقالہ لکھنے کے لئے اپنے انداز تحریر پر خصوصی توجہ دیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ مسجع عبارتیں لکھیں، تشبیہات و استعارات کا استعمال کریں۔ ہرگز نہیں آپ حقائق قلم بند کر رہے ہیں، شاعری نہیں کر رہے لیکن ان حقائق کی تحریر میں اسلوب بیان سادہ مگر دلکش ہونا چاہئے۔ اس میں منطقی تسلسل اور جاذبیت اس طرح کی ہو کہ قاری کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائیں۔ (22)

مقالہ کا تحقیقی مقام متعین کرنے کے دس اصول:

اسلامی اصول تحقیق میں ایک مثالی تحقیقی مقالہ کی چیک لسٹ اور چند خصوصیات کا آپ سابقہ سطور میں مطالعہ کر چکے ہیں ان تمام کے مطالعہ سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے

کہ عموی طور پر جن امور کے ذریعہ کسی مقالہ کی قدر و قیمت کا تعین ہو سکتا ہے ان میں سے دس اہم درج ذیل ہیں۔

1- تحقیقی مقالہ میں محقق کی تحقیق کا ھدف واضح اور نمایاں ہو۔

2- محقق کا تحقیقی طریقہ کار تنقیدی، تقابلی، تاریخی تجرباتی، استنباطی وغیرہ واضح ہو اور اُس دور کے تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہو۔

3- تحقیق کے مراجع و مصادر بنیادی ہوں۔ اضافی آ ماخذ یا رطب و یابس کی مدد سے تحقیقی عمارت کھڑی کر دینا کسی قسم کی قدر قیمت کی حامل نہیں ہوتی۔

4- مواد کی ترتیب' تحریر اور تزئین بھی پرکشش اور معنویت کی حامل ہو۔

5- تحقیق اور تحقیقی نتائج میں جدت اور ندرت ہو یعنی وہ تحقیق غیر جانب دارانہ، جدید اور نئی ہو مزید اس دور کے انسانوں کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے خصوصاً سود مند اور نفع کا باعث ہو۔

6- تحقیقی مقالہ کا اسلوب نگارش سادگی کا حامل ہو اور تمام تحریر اور عبارتیں عام فہم اور سادہ ادیبانہ رنگ کی عکاس ہوں

7- مقالہ اپنا ابلاغ خود کر رہا ہو یعنی مقالہ کی تمام عبارتوں کا مفہوم ہر کس و ناکس کو آسانی سے سمجھ آ سکے اور مقالہ میں مشکل، نافہم، پیچیدگی کی حامل عبارتیں نہ ہوں۔ اس طرح بھی نہ ہو کہ مقالہ کی عبارتوں کو سمجھنے کے لئے مقالہ نگار کو ہی بلانا پڑے جس طرح فقرہ مشہور ہے" لکھے مُوسا پڑھے خود آ" یعنی بال کی طرح باریک لکھنا اور پھر اُسے خود ہی آ کر پڑھنا۔

8- مقالہ میں لغوی، لفظی اور معنوی غلطیاں بھی کم ہوں یعنی مقالہ کی پروف ریڈنگ اچھی طرح کی گئی ہو۔

9- مقالہ کا ابتدائی حصہ جان دار ہو یعنی ابتدائی حصہ جو سرورق مقدمہ اور فہرست مشمولات کا مجموعہ ہے مقالہ کے بقیہ حصوں کو بہترین انداز میں پیش کر رہا ہو۔

10- مقالہ کا آخری حصہ متن مقالہ کی علمی سرمایہ کاری کا عکاس ہو یعنی آخری حصہ کے جو دس اجزاء ساتویں باب کے عنوان ''مقالہ کا تیسرا لازمی عنصر'' میں بیان کیے گئے ہیں وہ واضح اور اثر انگیز ہوں۔

اسلامی اصول تحقیق میں عمومی طور پر ان دس امور کے ذریعہ کسی مقالہ کی قدر و قیمت اور مقام کا تعین کیا جاتا ہے

طالب علم کو چاہیے کہ وہ مقالہ مکمل طور پر تحریر کر لینے کے بعد پہلے چیک لسٹ کے مطابق اس کی جانچ پرکھ کرے اور بعد میں اِن دس امور کو سامنے رکھ کر بھی اُن کا جائزہ لے۔ اگر اُس کا دل اِن دونوں امور کے بارے میں مطمئن ہو تو پھر اُس کی کمپوزنگ شروع کرے اور اگر کوئی کمی ہو تو اُسے پورا کرے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو با مقصد زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے اس لئے وہ تحقیق برائے تحقیق، تحقیق برائے ناموری، تحقیق برائے تخریب یا اس قسم کے کسی اور ھدف کا قائل نہیں بلکہ وہ تحقیق برائے تعمیر اور تحقیق برائے نفع انسان کی صدا لگاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے محقق کے ھدف کا جائزہ لیا جائے گا۔ پھر اس کا تحقیقی طریق کار، مراجع مصادر، ترتیب مواد، تزئین مواد، انتخاب مواد، حوالہ دینے کا طریقہ، اسلوب نگارش اور اس طرح کے بقیہ امور کا جائزہ لیا جائے گا جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری بعثت کا مقصد اخلاق کے اعلیٰ اصولوں کی تکمیل کرنا ہے، آپ نے مزید فرمایا کہ میں معلم یعنی استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں اسی طرح سب سے پہلے محقق کے ہدف اور تحقیق کے مقصد کا جائزہ لینے کے بعد بقیہ فنی امور کو جانچا جائے گا۔

(23) (واللہ اعلم)

حوالہ جات

آٹھواں باب

(اسلامی اصولِ تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ ابن منظور افریقی۔لسان العرب (تحقیق علی شیری) تفصیل مادہ۔قبس۔

۲۔ ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن/169

۳۔ تحقیق نگاری (کوڈ۔714) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد/63

۴۔ حوالہ سابقہ/64

۵۔ حوالہ سابقہ 299-300

۶۔ ڈار سعید الدین۔تحقیق میں حواشی حوالہ جات اور اقتباسات وغیرہ اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان 1986/145-146

۷۔ حوالہ سابقہ 136-137 مزید ڈاکٹر گیان چند۔تحقیق کا فن/304

۸۔ ڈاکٹر گیان چند۔تحقیق کا فن/304

۹۔ اصول تحقیق (کوڈ-711) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد 145-146

۱۰۔ ڈار سعید الدین۔تحقیق میں حواشی حوالہ جات وغیرہ/144

۱۱۔ عبدالرزاق قریشی۔مقالہ کی تسوید وغیرہ 281-283

۱۲۔ ڈاکٹر گیان چند۔تحقیق کا فن 319-320

۱۳۔ سعید مولوی۔لغات سعیدی۔تفصیل مادہ "رسم"

۱۴۔ تحقیقی نگاری۔/97

۱۵۔ احمد شلبی۔ کتاب سابقہ/162

۱۶۔ عبدالستار دہلوی۔ مقالہ کی پیشکش اور اردو میں اصول تحقیق/230

۱۷۔ احمد شلبی۔ کتاب سابقہ 163/237/1

۱۸۔ حوالہ سابقہ 167-169

۱۹۔ ڈاکٹر گیان چند۔ تحقیق کا فن:292

۲۰۔ دیکھئے۔ باب ھذا۔ دوسرا عنوان ''اقتباسات کی ضرورت''

۲۱۔ اصول تحقیق:179

۲۲۔ عبدالستار دہلوی۔ مقالہ کی پیشکش 239/1

۲۳۔ ابن کثیر عماد الدین۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورہ النون:4